www.KitaboSunnat.com

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے مجوزہ نصاب کے مطابق پنجاب، سرگودھا
سندھ، کراچی، پشاور اور بلوچستان جامعات کے طلبا و طالبات کیلئے

سوشل ورک

بی اے (پارٹ-I)

پروفیسر سلمان بشیر ناگی
صدر شعبہ سوشل ورک
گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

نظر ثانی، پروفیسر ظفر اللہ چودھری شعبہ سوشل ورک گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

عبد المجید پبلیکیشنز گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

انتساب

والدہ مرحومہ کے نام
جنہوں نے تعلقات کو نبھانے کا درس یوں دیا

دفعتاً ترکِ تعلق میں بھی رسوائی ہے
اُلجھے دامن کو چھڑاتے نہیں جھٹکا دے کر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پبلشرز	**عبدالمجید** پبلی کیشنز گوجرانوالہ
	فون:0333-8118366,055-3859690
طبع	اشاعت06-2005
کمپوزنگ	سجاد کمپوزنگ سنٹر دین پلازہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
سرورق	سجاد محمود فون:0300-6453996
تعداد	پانچ سو
قیمت	**100** روپے

اس کتاب کا کوئی حصہ یا جملہ تحریری اجازت کے بغیر شائع کرنا قانوناً جرم ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں کاپی رائٹ آرڈیننس 1962ء کے تحت قانونی کاروائی کی جائے گی۔

خواجہ محمد جمیل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

مقدمہ

یہ پہلی کتاب ہے جس کا مقدمہ لکھتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ کافی عرصہ سے میں سلمان ناگی کو اس کام کی طرف مائل کر رہا تھا۔ میری مراد سوشل ورک کی کتاب لکھنے سے ہے۔ مگر وہ اپنی مصروفیات کے بنا پر یہ کام نہ کر سکا۔ بہرحال دیر آید درست آید کے مصداق، جب مجھے پتا چلا تو بہت خوشی ہوئی۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی پتا چلا کہ اس کتاب کی نظر ثانی ہمارے استاد پروفیسر ظفر اللہ فرما رہے ہیں تو خوشی دوچند ہوگئی۔ میں نے اس کا مسودہ بڑے غور سے پڑھا ہے۔ مجھے کسی بھی جگہ پر کچھ بھی درست کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جو خاص بات اس کتاب میں مجھے نظر آئی وہ یہ ہے کہ اس کتاب کو یونیورسٹی کے نصاب کے عین مطابق تیار کیا گیا ہے۔ یہ انفرادیت بھی اس کتاب کا خاصہ ہے۔ اس کے تمام ابواب سے پہلے تمام عنوانات کی تفصیل اور ہر باب کے آخر میں اہم سوالوں کا اندراج طلبا و طالبات کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب طلبا و طالبات کی سوشل ورک کے مضمون میں دلچسپی کو بڑھائے گی۔ جو طلبا و طالبات سوشل ورک کی کسی اچھی کتاب کی عدم موجودگی کی وجہ سے سوشل ورک کا مضمون اختیار نہیں کرتے تھے اس کتاب کی اشاعت سے اُن کی یہ مشکل بھی آسان ہوگئی ہے۔

دعا گو

پروفیسر طاہر ریاض چوہدری

چیئرمین شعبہ سوشل ورک

پنجاب یونیورسٹی لاہور

پیش لفظ

عزیز طلبا و طالبات! السلام علیکم

اس کتاب میں ہم پاکستانی معاشرہ کے متعلق کافی کچھ جاننے کی کوشش کریں گے۔ معاشرہ کہتے کس کو ہیں، اس کی ثقافت سے کیا مراد ہے، پاکستانی ثقافت کی اپنی کیا خصوصیات ہیں، سماجی تبدیلی کیا ہے اور یہ معاشرہ پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے اور پھر معاشرہ کے مسائل اور برائیاں۔ اس کے علاوہ اور بہت کچھ جو براہ راست معاشرہ سے متعلق ہی ہوگا۔

کسی بھی سماجی کارکن یا سوشل ورکر کے لئے معاشرہ کا علم بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ جب تک وہ معاشرہ کے بارے میں پوری طرح آگاہ نہیں ہوگا وہ کبھی بھی اُس کے مسائل حل نہیں کر سکے گا۔ چونکہ معاشرہ کے مسائل کے حل کرتے ہوئے ایک سماجی کارکن کی نظر میں بہت سے ایسے حالات و واقعات گزرتے ہیں جن سے وہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ اس دوران سوشل ورکر بہت سے ایسے افراد سے ملتا ہے جن میں کچھ بہت امیر لوگ ہوتے ہیں کچھ بہت غریب، کچھ انتہائی بری عادات کو اپنائے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ انتہائی مہذب، کچھ لوگ جھگڑالو قسم کے ہوتے ہیں اور کچھ معاملہ فہم، کچھ انتہائی مذہبی میلان رکھتے ہیں اور کچھ لادینی رجحان، کچھ لوگ انتہائی روشن خیال ہوتے ہیں اور کچھ انتہائی دقیانوسی خیالات کے حامل، کچھ لوگ بہت زیادہ پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور کچھ بالکل اَن پڑھ۔

مگر سماجی کارکن اپنی تعلیم و تربیت اور تجربہ کے بنا پر تمام افراد کے ذاتی، گروہی اور اجتماعی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سماجی کارکن ایک عام فرد نہیں ہوتا بلکہ اُس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ ایک بہترین رہنما، معاون، معالج اور استاد ثابت ہوتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ بھی ایک بہترین سماجی کارکن بن سکتے ہیں اور آپ میں بھی دوسروں کو سمجھنے اور اُن کے مسائل کو اُن کے وسائل کے روشنی میں جانچنے کی صلاحیت پیدا ہوسکتی ہے۔ آپ بھی ایک بہتر انسان اور پر وقار شخصیت کا روپ دھار سکتے ہیں، اصلاح معاشرہ کر سکتے ہیں لیکن اس کے لئے آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر تیار رہنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی رہنمائی کے لئے آپ کسی بھی وقت مجھ سے براہ راست رابطہ کر سکتے ہیں۔

والسلام

پروفیسر سلمان بشیر نا گی

فہرست

باب نمبر1 11

معاشرہ

1- معاشرہ کی تعریف اور مفہوم
2- پاکستانی معاشرہ کی خصوصیات
3- دیہی اور شہری معاشرت میں فرق/ موازنہ
4- سماجی/ معاشرتی ترقی کے عمل کو تیز کرنیوالے اور رکاوٹ ڈالنے والے عوامل

باب نمبر2 39

ثقافت

1- ثقافت کی تعریف، مفہوم اور اہمیت
2- پاکستانی ثقافت پر دیگر ثقافتوں کے اثرات
3- پاکستانی ثقافت کی خصوصیات
4- سماجی رویے، تعریف اور اقسام جیسے عادات، رسومات، قوانین
5- سماجیانہ (Socialization) معاشرت یا سماجی تربیت کی تعریف اور مفہوم نیز معاشرت کے عوامل جیسے خاندان، ہمسائیگی تعلیمی ادارے ذرائع ابلاغ جیسے ٹی وی، ریڈیو

باب نمبر3 76

سماجی ادارے

1- سماجی اداروں کی تعریف اور وضاحت/ مفہوم
2- سماجی اداروں کی اقسام
3- مندرجہ ذیل اداروں کے وظائف

خاندان کا ادارہ، مذہبی ادارے، سیاسی ادارے
مالیاتی ادارے، تعلیمی ادارے، سماجی ادارے اور ان کی اہمیت

باب نمبر 4 118

سماجی تبدیلی

1- سماجی تبدیلی کی تعریف اور تشریح
2- سماجی تبدیلی کے عمل کو تیز کرنے والے اور رکاوٹیں ڈالنے والے عوامل
3- سماجی تبدیلی کے اثرات

باب نمبر 5 146

پاکستان کی سماجی و اقتصادی ضروریات

1- زرعی ترقی، اہمیت، رکاوٹیں اور تدارک
2- صنعتی ترقی، اہمیت، رکاوٹیں اور تدارک
3- صنعتی ترقی اور آبادی کی منتقلی کی وجہ سے مسائل اور اُن کا حل

باب نمبر 6 179

تعلیمی ضروریات اور مسائل

1- تعلیم کے مقاصد اور اہمیت
2- موجودہ تعلیمی مسائل اور ضروریات اور مسائل کا حل یا علاج
3- مستقبل کی تعلیمی ضروریات
4- تعلیمی اداروں میں راہنمائی اور مشاورت کی اہمیت
5- تعلیم بالغاں، رکاوٹیں، ضرورت اور اہمیت
6- تعلیم اور قومی ترقی

باب نمبر7 226

صحت کی ضروریات اور مسائل

1- معیار صحت کی کمی کی وجوہات اور تدارک
2- صحت کی تعلیم اور اس کی اہمیت
3- صحت اور قومی ترقی

باب نمبر8 240

مخصوص گروہوں کی ضروریات

1- مندرجہ ذیل گرہوں کا تعارف، ضروریات، مسائل وحل
جسمانی معذور (اندھے، گونگے، بہرے، لنگڑے)
ذہنی معذور
سماجی معذور (یتیم، بیوہ، مجرم، ظلم کا شکار عورتیں
2- معذوروں کی فلاح وبہبود کی اہمیت

باب نمبر9 262

پاکستان کے سماجی مسائل

1- سماجی مسئلہ کی تعریف وتفصیل
2- سماجی مسائل کی عمومی وجوہات
3- پاکستان کے بڑے سماجی مسائل (منشیات کا استعمال، ناخواندگی
افراطِ آبادی، گداگری، کم سنی کے جرائم، جرائم)

باب نمبر 1

معاشرہ

1- معاشرہ کی تعریف اور مفہوم

2- پاکستانی معاشرہ کی خصوصیات

3- دیہی اور شہری معاشرت میں فرق / موازنہ

4- سماجی / معاشرتی ترقی کے عمل کو تیز کرنے والے عوامل
اور رکاوٹ ڈالنے والے عوامل

باب نمبر 1

معاشرہ

معاشرہ کی تعریف اور مفہوم

معاشرہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ''آپس میں مل جل کر رہنا'' یا اکٹھے زندگی بسر کرنا کے ہیں۔ جب کہ انگلش زبان میں اس کے لئے (Society) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو لاطینی زبان کے لفظ (Socius) سے نکلا ہے جس کے معنی ''ساتھی'' کے ہیں۔ لہٰذا کثیر تعداد میں ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے کا نام سوسائٹی ہے۔ ہندی میں معاشرہ کے لئے سماج کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معاشرہ عربی زبان کے لفظ عشرہ سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی دس کے ہیں۔ گویا معاشرے سے مراد ایسا اجتماع ہے جو کم از کم دس افراد پر مشتمل ہو۔ معاشرتی تصور انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے کیونکہ معاشرہ انسان کے وجود، اس کی بقاء، اس کی ضروریات، اقدار و معمولات غرض یہ کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی تسکین میں پیش پیش ہے۔ اس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ادھورا ہے۔ چنانچہ معاشرہ افراد کے اس مجموعے کا نام ہے جو باہم، بامقصد زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ پہلے گروہوں کی صورت میں اکٹھے ہوتے ہیں، گروہوں سے منظّم ہو کر یہ تنظیم بناتے ہیں پھر یہی تنظیم اداروں کی صورت میں مربوط ہو کر معاشرہ کی تکمیل کرتی ہے۔ جب انسان کسی تنظیم کو وجود میں لا کر یا کسی تنظیم کا ممبر بن کر اپنی فطرت کا اظہار کرتا ہے تو یہ تنظیم اس کے کردار و افعال پہ قابو پا لیتی ہے یا دوسرے الفاظ میں ان تنظیموں کے قائم کردہ قوائد و ضوابط پر انسان عمل پیرا ہو کر کامیاب شہری بنتا ہے اور

اس تنظیم کو ہم معاشرہ کا نام دیتے ہیں۔

معاشرہ انسانی تعلقات اور ذہنی مطابقت کے احساس پر قائم ہے۔ اگر انسان ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کریں اور ان میں احساسِ اپنائیت نہ ہوتو ایسے میں کوئی بھی معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ معاشرہ ایسے افراد سے وجود میں آتا ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوں مثلاً پیدائشی رشتہ، خیالات کی یکسانیت یا چند حقائق کو ذہنی طور پر اپنانے کی صلاحیت وغیرہ۔

معاشرہ حادثاتی پیداوار نہیں بلکہ طویل عرصہ کے بعد وجود میں آتا ہے۔ یہ نسل در نسل تسلسل کا نام ہے یعنی افراد آتے جاتے رہتے ہیں لیکن معاشرہ بدستور قائم رہتا ہے۔ اس طرح سے یہ مستقل نوعیت کا گروہ ہے۔ معاشرہ اپنے افراد کی باہمی دلچسپی کے علاوہ ان کی بنیادی ضروریات اور حاجات کو پورا کرتا ہے اگر معاشرہ کسی وجہ سے لوگوں کی ضروریات زندگی اور خواہشات کی تکمیل نہ کرے تو اس کا ختم ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔

معاشرہ صرف چند ہم خیال لوگوں کا مجموعہ نہیں جن کی ضروریات ایک سی ہیں بلکہ اس کو منظّم کرنے میں ہر ممبر بلا تمیز عورت، مرد، بچہ، بوڑھا شامل ہیں اور اس کے ساتھ ہی پیشہ، مذہب، آمدنی، تعلیم و تربیت، امیری، غریبی اور اچھائی برائی کے لحاظ سے ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد معاشرہ کو جنم دیتے ہیں۔ معاشرہ میں افراد اپنا مخصوص اندازِ فکر رکھتے ہیں وہ اجتماعی تعاون اور اپنے مشترک مقاصد کے لئے مل جل کر زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ تصادم کے باہمی عمل میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔ ان میں مشترکہ ثقافت پائی جاتی ہے۔ یہ جغرافیائی یا علاقائی حدود کے پابند ہوتے ہیں لیکن آج کل کے بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں پوری انسانی برادری کو بھی معاشرہ کہا جا سکتا ہے۔

معاشریات

علم معاشرہ کی اصطلاح اپنے مخصوص معانی رکھتی ہے۔ چنانچہ اسے وسیع اور محدود دونوں طریقوں سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وسیع معنوں میں پوری نسل آدم کو ایک معاشرہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ اور محدود معنوں میں موجودہ زمانے کی کوئی بھی قوم ہو سکتی ہے۔ جو کسی

خاص جغرافیائی حدود میں موجود ہو۔مثلاً پاکستانی معاشرہ، امریکی معاشرہ، ایرانی معاشرہ، ہندو معاشرہ یا اسلامی، مغربی اور یہودی معاشرہ وغیرہ وغیرہ۔لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ معاشرہ مخصوص جغرافیائی حدود میں لوگوں کے مل جل کر رہنے کا نام ہے جوان کے طرز زندگی، منظّم رسم ورواج ، عادات واطوار، نظریات، ترجیحات، مسائل، وسائل غرض یہ کہ زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔

مفکرین کی آراء میں معاشرہ کی تعریف

معاشرہ یا سوسائٹی کی Term یا اصطلاح کی تعریفیں مختلف مفکرین نے یوں کی ہیں:

1-ایف ایچ گڈنگز

ماہر عمرانیات! ایف ایچ گڈنگز کے مطابق ''معاشرہ یکساں خیالات رکھنے والے ایسے افراد کا اجتماع ہے جو اپنے مشترکہ مفادات کے حصول کی خاطر آپس میں اشتراک وتعاون کرتے ہیں۔''

2-پروفیسر اے ڈبلیو گرین

پروفیسر اے ڈبلیو گرین کے مطابق ''معاشرہ ایک کھیل کے مانند ہے جس طرح کسی بھی کھیل کے لیے کھیل کا میدان اہم ہے۔اسی طرح افراد اور معاشرہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔دوسرے لفظوں میں افراد وہ کھلاڑی ہیں جو معاشرہ کے میدان پر کھیل جاری رکھے ہوئے ہیں یا یہ کہ معاشرہ اُن تمام کھلاڑیوں اور سٹیڈیم پر مشتمل ہے جو زندگی کا کھیل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

3-اے۔ایم۔ایور

اے۔ایم۔ایور نے جامع تعریف یوں کی ہے۔''معاشرہ سے مراد سماجی تعلقات کا وہ نظام ہے جس میں اور جس کے ذریعہ ہم زندگی گزارتے ہیں۔''

4- گرے

گرے (Gray) کے مطابق ''معاشرہ افراد کا ایسا گروہ ہے جو مشترکہ مفادات کی

خاطر متحد ہو۔"

5-ڈاکٹر جوزف-ج-منگلم

ڈاکٹر جوزف-ج-منگلم کے نزدیک "معاشرہ مقابلتاً ایک بڑا گروہ ہوتا ہے جو اپنے ارکان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرتا رہتا ہے اور اس کی معیاد کم از کم تین نسلیں ہوتی ہیں۔"

6-جان ایف سوبر

جان ایف سوبر کہتے ہیں "معاشرہ ایک بہت بڑا انسانی گروہ ہے جو لمبا عرصہ اکٹھا رہنے سے اتنا منظّم ہو گیا ہو کہ اس کے ارکان خود کو ایک وحدت تصور کرنے لگیں۔"

7-راس

"دو یا دو سے زائد افراد کے مشترکہ اتحاد و عمل سے تمام افراد کی بھلائی کے لئے اپنی مثبت قوتوں کو یکجا کرنے کا نام معاشرہ ہے۔"

8-مارس گنز برگ

"یہ انسانوں کے درمیان ایسے تمام تعلقات کا نام ہے جو خواہ بلا واسطہ منظّم ہوں یا غیر منظّم اور پھر شعوری ہوں یا غیر شعوری، ہمدردانہ ہوں یا غیر ہمدردانہ بہرحال معاشرہ کہلائیں گے۔"

10-پرٹرنڈ

"لوگوں کا ایسا گروہ جس میں وہ اپنی زندگی گزارتے ہیں، معاشرہ کہلاتا ہے۔"

11- گبریل ٹارڈ

"معاشرہ کی مثال اس کپڑے کی مانند ہے جس کا تانا اس کے افراد اور بانا اس کی ایجادیں ہیں۔"

12-سمنز اور کیلرز

"ایسے افراد کا مجموعہ جو کہ اشتراک عمل کی بدولت وسائل حیات کے حصول اور نسل کی بقاء کے لئے جدو جہد کرے، معاشرہ کہلاتا ہے۔"

13- رویف لینٹن

''افراد کا وہ گروہ معاشرہ بن جاتا ہے جو کافی عرصہ سے اکٹھا رہا ہو اور اکٹھا ہی کام کر رہا ہو پھر وہ منظّم ہو جائے اور افراد اپنی جغرافیائی حدود کے اندر اس گروہ کو ایک وحدت کا درجہ دیتے ہوں۔''

14- ڈکشنری آف سوشیالوجی کے مطابق

ڈکشنری آف سوشیالوجی کے مطابق ''معاشرہ لوگوں کا ایسا گروہ جو اپنے بہت سے اہم مفادات کے لئے باہمی طور پر تعاون کرتا ہے جن میں ان کی ذاتی بقاء بھی شامل ہے۔''

جامع تعریف

''معاشرہ سے مراد افراد کا وہ مجموعہ ہے جو کسی جغرافیائی حدود میں نسل در نسل مقیم ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اُن کے درمیان بین عمل کی مختلف صورتیں موجود ہوں۔ اُن کی مشترکہ ثقافت ہو اس کے علاوہ اُن کے وسائل، مسائل اور ترجیحات مشترک ہوں۔''

معاشرہ بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ دیہی اور شہری معاشرہ۔ چونکہ بنیادی طور پر جماعتوں یا Communities پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا شہر اور دیہات بھی ان جماعتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ دیہی اور شہری معاشرہ میں موازنہ کیا جائے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ جماعت یا کمیونٹی (Community) سے کیا مراد ہے؟

جماعت

ماہرین کہتے ہیں کہ سماجی بہبود میں جماعت (Community) سے مراد کسی نسلی گروہ یا فرقہ سے نہیں بلکہ آبادی کے ایک ایسے طبقے سے ہے جو ایک جگہ رہنے کی وجہ سے مشترک مسائل سے دو چار ہو۔ مشہور ماہر عمرانیات آر۔ ایم۔ میک ایور نے جماعت کی مندرجہ ذیل تعریف کی ہے۔

''ایسے افراد کا گروہ جو ایک ساتھ رہتے ہوں اور ایک دوسرے سے اس طرح وابستگی

رکھتے ہوں کہ ان میں ایک ادھ مخصوص مفاد ہی مشترک نہ ہو۔ بلکہ تمام مجموعی مفادات جو اتنے وسیع اور مکمل ہوں کہ ان کی ساری زندگی کا احاطہ کرلیں۔''

اگبرن اور نمکاف کے نزدیک:

''ایک محدود علاقے میں سماجی زندگی کی کل تنظیم کو جماعت کے نام سے پکارا جاسکتا ہے۔''

کنگرے ڈیوس نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

''وہ چھوٹے سے چھوٹا علاقائی گروہ جو معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرسکے جماعت کہلاتا ہے۔''

مندرجہ بالا تعریفوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جماعت سے مراد افراد کا ایک ایسا گروہ ہے جو کسی مخصوص علاقے میں رہائش پذیر ہو اور ان میں جماعت کا شعور پایا جاتا ہو۔ ان دو خصوصیات کے ساتھ ساتھ جماعت کا طرز زندگی یکساں ہو۔ بالفاظ دیگر ہر جماعت کی اپنی ایک معاشرتی تنظیم ہوتی ہے۔

پاکستانی معاشرہ

تاریخی پس منظر

برصغیر میں محمد بن قاسم کی آمد کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دور کا آغاز ہوا۔ مسلمان صدیوں ہندوؤں کے ساتھ مل کر برصغیر میں رہتے رہے مگر انگریزوں کی آمد اور حکومت نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا اور ہندوؤں کی ذہنیت اور سازشوں نے مسلمانوں کو اپنی الگ حیثیت و قومیت کا شعور بخشا اور پھر ایک طویل جدوجہد کے بعد ایک مسلم معاشرہ یعنی پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا جس کی تاریخ بہت سے مسلمانوں کے خون اور قربانیوں اور ہندوؤں، سکھوں کے خون سے عبارت ہے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اگر مسلمان حکمران عیاشیوں کی طرف مائل نہ ہوتے تو نہ انگریز برصغیر پر قابض ہوتے نہ ہی ہندوؤں اور سکھوں کی سازشوں کا منہ دیکھنا پڑتا نہ ہی مسلمان اپنے اسلامی تشخص کو پہچانتے اور نہ ہی

آج پاکستان کا وجود ہوتا۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد جو علاقے اس میں شامل ہوئے انہیں بغیر کسی امتیاز کے پاکستان قرار دیا گیا دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستانی معاشرہ اس تمام آبادی پر مشتمل ہے جو علاقائی اختلافات رکھنے کے باوجود ایک قوم کی حیثیت سے پاکستان میں شامل ہوئے اور مل جل کر رہنے کے عہد کے ساتھ اپنی مملکت کو ترقی دینے کی مشترکہ جدوجہد میں مصروف کار ہوئے۔

پاکستان کا جغرافیہ

پاکستان اپنا ایک بازو مشرقی پاکستان 1971ء میں کٹوا چکا ہے اور موجودہ چار صوبوں کا کل رقبہ 796096 مربع کلومیٹر ہے۔ پہاڑی علاقوں کا رقبہ 468000 مربع کلومیٹر ہے۔ جو مجموعی رقبے کا 59 فیصد ہے۔ میدانوں اور ریگستانوں کا رقبہ 328000 مربع کلومیٹر ہے جو مجموعی رقبے کا 4% ہے۔ ملک کے تمام صوبوں میں بلوچستان رقبے کے لحاظ سے بڑا ہے لیکن اس کی آبادی دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ آبادی کے لحاظ سے پنجاب بڑا صوبہ ہے۔ پاکستان کے سارے صوبے جغرافیائی لحاظ سے متصل اور مربوط ہیں۔

آبادی

حالیہ مردم شماری کے عبوری نتائج کے مطابق اس وقت پاکستان کی آبادی تقریباً 15 کروڑ افراد پر مشتمل ہے جبکہ شرح افزائش 2.61 فیصد سالانہ ریکارڈ کی گئی تھی۔ 2005ء میں آبادی کی گنجانی مزید بڑھ چکی تھی۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق ہماری آبادی کی گنجانی ایک سو چھ (106) افراد فی مربع کلومیٹر تھی۔ جو 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 164 افراد فی مربع کلومیٹر ہوگئی ہے۔ آبادی میں اضافہ کی رفتار خطرناک حد تک تیز ہونے کی صورت میں ملک اس وقت بہت سے سماجی اور معاشی مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ آبادی کی اکثریت کا انحصار زراعت پر ہے چنانچہ اس کی زیادہ آبادی دیہات میں رہائش پذیر ہے۔ لوگوں میں شہروں میں منتقل ہونے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے جس سے شہری آبادی کے تناسب میں اضافہ ہو رہا ہے۔

افرادی قوت

حالیہ مردم شماری کے مطابق ہمارے ملک میں 46.3 فیصد آبادی 15 سال سے کم عمر ہے اور 3.9 فیصد آبادی 65 سے زیادہ عمر کی ہے جبکہ صرف 49.8 کی آبادی کی عمر 15-64 سال کے درمیان ہے اور اس میں نصف عورتیں ہیں۔ اس طرح ہماری افرادی قوت ہماری کل آبادی کا 30 فیصد ہے اور اس میں بھی بے روزگاری پائی جاتی ہے۔

مذہب

پاکستانی معاشرے کی کل آبادی کا 80 فیصد مسلمان ہیں۔ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے جبکہ مسلمانوں کے علاوہ یہاں ہندو، عیسائی، پارسی اور بدھ مت مذہب کے لوگ بھی آباد ہیں۔ پاکستان میں اقلیتوں کے دستوری حقوق کا مکمل تحفظ کیا جاتا ہے اور انہیں مکمل اور برابر شہری حقوق حاصل ہیں۔

تعلیم کا تناسب

پاکستان میں تعلیم کا تناسب دوسرے ممالک کی نسبت بہت کم ہے۔ خواندہ آبادی کی تعداد بہت تھوڑی ہے لیکن شہری آبادی میں خواندگی کا تناسب دیہی آبادی کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ عورتوں کی اکثریت دیہات میں رہنے کے باعث تعلیم کی سہولتوں سے محروم ہے جبکہ پڑھی لکھی آبادی بھی جدید صنعتی تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہے۔ ملک میں ناخواندگی کا تناسب زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی استعداد کار بھی متاثر ہوتی ہے۔ جس سے صنعتی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیش آتی ہے۔ شرح خواندگی صرف 26 فیصد ہے۔

ذات پات کا نظام

پاکستانی معاشرہ میں ذات پات اور فرقہ بندی ہندوؤں کے اثر کی وجہ سے ہے مثلاً ہندوؤں کی طرح ہمارے ہاں بھی اونچی ذاتیں سید، پٹھان اور مغل سمجھے جاتے ہیں۔ دوسرے نمبروں کی ذاتوں میں راجپوت، جاٹ، شیخ، کشمیری وغیرہ ہیں جبکہ تیسرے نمبر کی ذاتوں میں ایسے لوگ شامل ہیں جن کی ذاتیں ان کے کام کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں مثلاً

جولا ہے، کمہار، نائی وغیرہ اور چوتھے نمبر کی ذاتوں میں میراثی اور بھنگی وغیرہ شامل ہیں۔ معاشرہ کی یہ تقسیم ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہے جبکہ اسلام نے مساوات کا تصور دیا ہے۔

غذائی عادات

پاکستانی معاشرے میں افراد مختلف غذائی عادات رکھتے ہیں جن میں ان کے علاقے کے علاوہ آب و ہوا کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اکثریت گندم، چاول، سبزیاں، گوشت، دالیں اور تیز مرچ کا استعمال کرتی ہے۔ پنجاب اور سندھ میں دودھ اور دہی کا استعمال عام ہے۔ بلوچستان میں دمبے کا گوشت رغبت سے کھایا جاتا ہے۔ سرحد میں بھی گوشت پسندیدہ غذا ہے اور مشروبات میں قہوے کا استعمال عام ہے۔

مذہبی اور قومی تہوار

ہمارے مذہبی تہوار عید الفطر، عید الاضحیٰ، شب معراج، شب برات اور عید میلاد النبی ﷺ ہیں۔ ان موقعوں پر مسلمانوں میں جوش وخروش دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ قومی تہوار بھی جوش وخروش کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ ان میں یوم پاکستان، یوم آزادی اور یوم قائد کے علاوہ علاقائی تہوار مثلاً بسنت بھی ہر طبقے اور ہر عمر کے افراد مناتے ہیں۔

تفریحی مشاغل

پاکستان کا قومی کھیل ہاکی ہے اس کے علاوہ مقبول کھیلوں میں کرکٹ، فٹ بال، سکوائش، بیڈمنٹن، ٹیبل ٹینس، گالف، پولو وغیرہ شامل ہیں۔ دیہی علاقوں میں مخصوص کھیل جیسے کبڈی، کشتی، رسہ کشی، پتنگ بازی، گلی ڈنڈا، کنچے (بنٹے) رغبت سے کھیلے جاتے ہیں اور اب شہر کے علاقوں میں کمپیوٹر گیم، وڈیو کا جنون بڑھتا جا رہا ہے۔

پاکستانی معاشرہ کی خصوصیات

عام طور پر خصوصیات سے مراد صرف خوبیاں ہی لیا جاتا ہے جب ہم کسی چیز کی خصوصیت بیان کرتے ہیں تو ہم صرف اس کی خوبیاں ہی بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ

خصوصیت لفظ خوبی اور خامی دونوں کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب ہم پاکستانی معاشرے کی خصوصیات بیان کریں گے تو اس میں خوبیاں اور خامیاں Merits & Demerits دونوں آئیں گی۔ تب ہمیں پاکستان معاشرے کی خصوصیات Charecteristics معلوم ہوں گی۔

1- نظریاتی معاشرہ

پاکستان ایک مخصوص نظریے کے تحت قائم ہوا تھا اس لیے اسے نظریاتی بنیادوں پر قائم نظریاتی مملکت کہا جاتا ہے۔ پاکستان کو اسلام کے نام پر ہندوؤں سے الگ وطن کے مطالبہ کے نتیجہ میں حاصل کیا گیا تھا اور ہم نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کریں گے اور اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھیں گے لیکن ایسا نہیں کیا جا سکا۔ بہت ساری وجوہات کے علاوہ ایک بڑی وجہ اس کا سیاسی نظام ہے جسے مارشل لاء نے پھلنے پھولنے نہیں دیا۔

2- مشترکہ خاندانی نظام

پاکستانی کی زیادہ تر آبادی دیہی علاقوں میں رہائش پذیر ہے جس میں سے اکثریت مشترکہ خاندانی نظام پر عمل پیرا ہے مشترکہ خاندان میں میاں بیوی اور ان کے شادی شدہ بیٹے ساتھ مل رہ رہے ہوتے ہیں۔ خاندان کے سب افراد مل جل کر رہتے ہیں گھر کا اندرونی انتظام سب سے زیادہ عمر کی عورت چلاتی ہے۔ اس خاندانی نظام کی وجہ سے پیار و محبت بڑھتا ہے اور اس کے ارکان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

3- سب سے پہلے پاکستان

معاشروں اور ان کے اراکین پر عروج و زوال آتے رہتے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ کے لوگ ہر صورت پر حالات چاہے کچھ بھی ہو اپنے پاکستانی معاشرہ کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا وجود اور تمام کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ آج کل حکومتی ترجیحات کے مطابق ''سب سے

پہلے پاکستان ہے۔"

4- یک زوجگی

پاکستان معاشرہ میں ہر شخص ایک ہی بیوی رکھتا ہے یا ایک ہی شادی کرتا ہے حالانکہ اسلام میں بیک وقت چار بیویوں کی اجازت ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ یہاں بھی چار شادیوں کو رواج دیا جائے کیونکہ اسلامی احکامات کے مطابق چار شادیوں کی مشروط اجازت ہے۔ یعنی اُن (بیویوں) کے درمیان انصاف کرنے کی ہم تو ایک کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکتے۔

5- نظام شادی

پاکستان میں اکثر لوگ اپنے والدین کی مرضی کے مطابق شادیاں کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بچپن کی منگنی اور وٹہ سٹہ کا رواج بھی ہے گاؤں میں عام طور پر لوگ اپنی برادریوں میں ہی شادیاں کرنا پسند کرتے ہیں۔

6- اوہام پرستی

مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کافی عرصہ گزارا ہے جس کی بدولت ان میں بھی ہندوؤں کی کچھ عادات شامل ہوگئی اگر کوئی کہیں جا رہا ہے تو راستے سے کالی بلی گزر گئی تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کام نہیں ہونا۔ منگل کے دن کام کا آغاز یا اختتام کرنا، سفر کرنا مناسب خیال نہیں کیا جاتا وغیرہ وغیرہ خاص طور پر خواتین میں اوہام پرستی مختلف وجوہات کی بنا پر زیادہ ہے۔

7- فرقہ پرستی اور معاشرتی تقسیم

پاکستانی معاشرے کے لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہیں ہمارے یہاں ذات پات کا نظام بھی موجود ہے ایک ذات سے تعلق رکھنے والا دوسری ذات سے اپنے آپ کو بڑا تصور کرتا ہے۔ ہمارے ہاں مشہور ذاتیں ارائیں جٹ گجر اور ملک ہیں اس کے علاوہ مذہبی فرقہ

بندی بھی موجود ہے۔ جن میں سے دو بڑے فرقے شعیہ اور سنی ہیں سنیوں میں آگے اور دو حصے ہیں ایک بریلوی اور دوسرا دیوبندی آج کل یہ تقسیم بڑے زوروں پر ہے۔

8- مذہبی تعلق

ہمارے ہاں لوگ مذہب سے بڑی محبت کرتے ہیں اور مذہب کے نام پر اپنے آپ کو قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مذہب کے بارے میں جانتے اور نا جانتے ہوئے بھی مذہبی بحثوں میں حصہ لیتے ہیں۔

9- حب الوطنی

ہمارے معاشرے کے لوگ وطن سے بھی بڑی محبت کرتے ہیں ان میں یہ جذبہ بہت زیادہ ہے۔ جو کہ ہم نے جنگوں میں بھی دیکھ لیا ہے پاکستانی عوام وطن کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔

10- رسوم ورواج

ہمارے معاشرے میں بہت سے فضول رسم ورواج بھی موجود ہیں جو کہ ہندوؤں سے مسلمانوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ مثلاً خوشی اور غمی کے موقع پر لاگیوں کو کپڑے دینا شادی کے موقع پر لڑکی کو جہیز دینا یا لڑکی کی پیدائش پر افسوس کرنا اور لڑکے کی پیدائش پر خوشیاں منانا۔ ہمارے ہاں بعض علاقوں میں کسی بوڑھے کی وفات پر کئی کئی دن تک دیگیں پکتی رہتی ہیں۔ ہندوؤں میں یہ رواج تھا کہ وہ جنازے بینڈ باجے کے ساتھ بڑی دھوم دھام کے ساتھ لے کر جاتے تھے اس طرح شادی کے موقع پر مختلف قسم کی فضول رسومات ہندوؤں سے میل جول کا نتیجہ ہیں۔

11- معاشی حالت

معاشی اعتبار سے پاکستانی معاشرہ تین طبقوں میں تقسیم ہے پہلے نمبر پر جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ ہے جو باقی تمام طبقوں پر چھایا ہوا ہے۔ دوسرا طبقہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے کہ

جن کے پاس اگر ایک وقت کھانے کو ہے تو دوسرے وقت نہیں ملتا ایسے لوگوں کے لیے علم کا حصول بھی مشکل ہے اور یہ اپنے رہنے کے لیے مکان بھی نہیں رکھتے تیسرا طبقہ متوسط ہے جن سے ملک کا مستقبل قائم ہے یہ لوگ اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھتے ہیں۔ کم آمدنی میں زندگی گزارتے ہیں۔

12- جذباتی رنگ

ہمارے عوام عام طور پر پرامن لوگ ہیں لیکن مذہبی اور چند دیگر معاملات میں لوگ معمولی باتوں پر جھگڑا بھی شروع کر دیتے ہیں اس میں ہمارے ملک کے اخبارات، رسالے، فلمی رسالے، ڈائجسٹ اور ڈرامے وغیرہ بھی بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں لوگ کسی کو فلموں میں دیکھ کر اس کا عملی مظاہرہ بھی شروع کر دیتے ہیں۔ گاؤں میں تو اکثر معمولی معمولی باتوں پر جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔

13- لباس

ہماری سوسائٹی میں لباس کے معاملے میں زیادہ تر شلوار قمیض کا استعمال عام ہے۔ شہروں میں لوگ پتلون اور شرٹ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن زیادہ تر علاقوں میں علاقائی لباس استعمال کیا جاتا ہے سندھی لوگ شلوار قمیض اور پگڑی استعمال کرتے ہیں پٹھان شلوار قمیض کے ساتھ کلاہ استعمال کرتے ہیں۔ پنجابی تہبند اور قمیض استعمال کرتے ہیں۔ ویسے ہمارا قومی لباس شلوار قمیض ہے۔

14- زبانیں

ہمارے ملک کی اہم زبانیں پنجابی سندھی بلوچی اور پشتو ہیں۔ جو ہمارے مختلف صوبوں میں بولی جاتی ہیں ہمارے ملک کی قومی زبان اردو ہے لوگ عام طور پر اردو ہی بولتے ہیں سرکاری دفاتر میں خط و کتابت کے لئے انگریزی کا استعمال عام ہے۔

15- تہوار

پاکستان میں بہت سے مذہبی اور قومی تہوار منائے جاتے ہیں جو ہماری تہذیب و

ثقافت کی بنیاد ہیں ہمارے ہاں قومی تہواروں میں یوم آزادی یوم پاکستان اور اقبال ڈے شامل ہیں مذہبی تہواروں میں عیدیں عید میلا النبی اور معراج النبی شامل ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے تہوار مذہبی سطح پر منائے جاتے ہیں۔

16- بین الاقوامی کردار

پاکستانی لوگ پر امن طریقے سے رہتے اور چاہتے ہیں کہ ہر کوئی امن سے رہے کیونکہ بدامنی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے پاکستان نے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے امریکہ کا ساتھ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم پر امن لوگ ہیں اور ہمارا کردار بین الاقوامی ہے جسے تمام دنیا خصوصاً امریکہ نے تسلیم کیا ہے۔

17- قدیم نسلوں اور تہذیب وثقافت سے تعلق

پاکستانی معاشرہ کے اراکین کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ دنیا کی قدیم نسلوں اور تہذیب وثقافت کے امین ہیں۔جن میں موہنجوداڑو، ہڑپہ، ٹیکسلا، گندھارا، بہت اہم ہیں۔ان تمام تہذیبوں کے آثار موجود ہیں جنہیں ہزاروں سیاح دیکھنے کے لئے چلے آتے ہیں۔

18- غذائی عادات

پاکستانی معاشرہ کے ممبران مختلف خطوں کے رہنے والوں کی زبانوں اور رسم ورواج کی طرح ان کی غذائی عادات میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پاکستان کے لوگ گندم گوشت، سبزیاں اور پھلوں کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں پنجاب میں دودھ اور دہی کا خاصا استعمال کیا جاتا ہے۔جبکہ دوسرے علاقوں میں چائے اور قہوہ کا استعمال کہا جاتا ہے۔

19- مشاغل

پاکستان کے لوگ جسمانی طور پر بہت مضبوط ہیں کیونکہ اکثریت کا پیشہ زراعت اور گلہ بانی ہے کان کنی سے بہت سے افراد کا تعلق ہے پٹھان فوج میں جانا پسند کرتے ہیں۔ بھارت سے آئے مہاجرین زیادہ تر شہروں میں آباد ہیں ان کے مشاغل میں تجارت

دستکاری کے علاوہ تعلیمی اور سرکاری ملازمتیں ہیں۔

20- معاشرتی تنظیم

پاکستان کی 80 فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔اب دیہی علاقے بھی تغیرات یا سماجی تبدیلیوں کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔لیکن ان کے باوجود ان کی ایک اپنی معاشی اور معاشرتی تنظیم ہے اور یہ بڑی حد تک خود انحصاری پر مبنی ہے۔

21- پدرسری نظام

پاکستانی معاشرہ میں پدرسری نظام رائج ہے۔ یہاں نسب نامہ والد کی طرف سے چلتا ہے نہ کہ ماں کی طرف سے۔

22- اندرونی بیرونی مداخلت

پاکستان کے قیام سے قبل یہ عہد کیا گیا تھا پاکستان میں اسلامی معاشرہ کا قیام عمل میں آئے گا۔لیکن آج تقریباً 60 سال کے بعد بھی ایسا کرنا ممکن نہیں آ رہا ہے کیونکہ اس بات کی مخالفت بیرونی سے زیادہ اندونی عناصر کی طرف سے زیادہ ہے۔آج کے سیاستدان، سرمایہ داران سرکاری افسران اور کئی دوسرے عناصر ملک کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے یہ ملک نہ تو صحیح معنوں میں جمہوری بن سکا اور نہ ہی صحیح معنوں میں اسلامی۔

23- آئین میں تاخیر

پاکستان کے قیام کے بعد جلد ہی پاکستان کو اپنا دستور نہ مل سکا یہی کوشش ناکام ہوگئی تو بعد میں مارشل لاء کے دور میں دستور بنا۔جس کے نتیجے میں ملک پاکستان تقسیم ہوگیا۔آخر کار 1973ء میں ملک کو عبوری آئین ملا ملک میں آئین نہ ہونے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے وہ آج تک ختم نہیں ہو سکے۔

24- صوبائی عصبیت

1971ء میں ہمارے ملک کا ایک بازو کاٹ دیا گیا اس میں اپنوں کی غلطیاں تھی اور

غیروں کی کارستانیاں بھی۔ بنگلہ دیش کی تحریک کی وجہ سے پاکستان میں صوبائی عصبیت کو بہت تقویت ملی اس لیے سندھ اور بلوچستان کو الگ کرنے کے منصوبے بھی شروع ہو گئے۔

25-احساس محرومی

پاکستان کے عوام احساس محرومی کا شکار ہو چکے ہیں۔اس لیے جس مقصد کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا وہ آج تک حل نہ ہو سکا۔اس کے علاوہ مہاجرین کے ساتھ سلوک بھی لوگوں کے اندر منفی سوچ پیدا کر رہا ہے اور لوگ یہ بات سوچتے ہیں کہ اگر یہی سلوک ہونا تھا تو پاکستان بنانے کی کیا ضرورت تھی۔

26-معاشرتی اداروں کی کمی

پاکستان میں تمام صوبوں کے معاشرتی اداروں پر اگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں ان اداروں کی تعداد دوسرے صوبوں کی نسبت زیادہ ہے۔ پنجاب کے بعد سندھ دوسرا صوبہ ہے۔مگر سرحد اور بلوچستان میں معاشرتی ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں۔سرحد میں قدرے صورت حال مختلف ہے مگر بلوچستان کا حال بہت برا ہے۔

27-معاشرتی برائیاں ومسائل

پاکستانی معاشرہ کئی ایک برائیوں اور مسائل کا سامنا کر رہا ہے۔جن میں چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔ بے روزگاری، غربت، بے نظمی، بدعنوانی، مہنگائی، صوبائی عصبیت، موقع پرستی، اقربا پروری، فرقہ پرستی، فحاشی وعریانی، تقلید پرستی، بنیاد پرستی، ذات پات کا نظام، غیر مستحکم سیاسی نظام، کمزور اور دوہرا نظام تعلیم وغیرہ وغیرہ۔

دیہی اور شہری معاشرہ میں فرق

دیہی اور شہری معاشرہ میں موازنہ مندرجہ ذیل اختلافات کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے:

1-خاندان (Families)

شہری معاشرہ کے مقابلہ میں دیہی معاشرہ میں خاندان کا ادارہ زیادہ مستحکم ہے۔شہری

معاشرہ کا خاندانی نظام انفرادی بنیاد پر استوار ہوتا ہے جس میں عموماً ایک چھوٹا سا خاندان، میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کا انداز فکر صرف اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی کے سبب مشترکہ خاندان کا رواج بہت کم ہے۔ دیہی معاشرہ کی بہ نسبت شہری معاشرہ میں خاندان کے وظائف روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ دیہی معاشرہ میں خاندان کا ادارہ بہتر تنظیم، وابستگی اور ڈسپلن کا مظہر ہے۔ اب چونکہ ان آبادیوں کی بنیاد، خواہ وہ شہروں میں ہوں یا دیہات میں، خاندان پر مشتمل ہوتی ہے لہٰذا سب سے بڑا فرق جو دیہی اور شہری معاشرت میں ہوتا ہے وہ ان دونوں کے جدا خاندانی نظام میں ہے۔

2- تعلقات (Relations)

دیہات میں افراد کے تعلقات ذاتی نوعیت کے اور گہرے ہونے کے ساتھ ساتھ بے غرضی اور ہمدردی پر استوار ہوتے ہیں یعنی افراد میں جو تعلقات پائے جاتے ہیں وہ مخلصانہ رویے کا حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا مفاد اور خوشامد شامل نہیں ہوتی وہ ہر چیز کو بے غرضی پر مامور کرتے ہیں۔ افراد ایک دوسرے کو نسل در نسل جانتے ہیں ہر خوشی اور غمی کے موقع پر اجتماعی طور پر شریک ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان میں باہمی ہمدردی اور قربانی کا جذبہ پایا جاتا ہے جبکہ شہری معاشرے میں افراد کے تعلقات غیر سطحی اور مفاد پرستانہ ہوتے ہیں ان میں کچھ نہ کچھ ذاتی مفاد اور خود غرضی ضرور شامل ہوتی ہے۔ اول تو وہ ایک دوسرے کے قریب آنے سے ہچکچاتے ہیں اور اگر کسی سے راہ ورسم پیدا بھی کرتے ہیں تو کسی کام یا مقصد کی خاطر۔ ان میں پیار، محبت اور خلوص کی بجائے غرض کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ دیہات میں ایسا نہیں ہوتا۔

3- پیشے (Professions)

دیہی اور شہری معاشرے میں تیسرا بڑا فرق پیشے کا ہے۔ دیہات میں لوگوں کا بنیادی پیشہ کھیتی باڑی ہے اور زیادہ تر لوگ اسی سے منسلک ہوتے ہیں اور جو کوئی باقی رہ جاتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح زراعت کے شعبے سے تعلق جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر دیہات

میں ہی کام کر لیتے ہیں مثال کے طور پر موچی، ترکھان اور لوہار وغیرہ اس میں شامل ہیں جبکہ شہر میں کام کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ شہر میں کافی کام مل جاتا ہے۔ دیہات کی نسبت شہر میں زیادہ ذرائع معاش میسر ہوتے ہیں۔ دیہات میں ہمیں کھیتی باڑی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ، زرعی اوزار مرمت کرنے والے، بنانے والے، ٹریکٹروں کو مرمت کرنے والے، کھادوں سے متعلقہ افراد بھی پیشہ کے حیثیت سے منسلک نظر آئیں گے مگر شہروں میں صنعتوں اور دیگر تعلیم، مالیاتی، تفریحی، امن و امان، تعمیر اور ترقی کے اداروں کی موجودگی کی وجہ سے روزگار کے مختلف ذرائع نظر آئیں گے۔

4- عادات و اطوار (Habits)

شہری اور دیہی معاشرے میں رہنے والے افراد کی عادات بھی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ دیہات میں لوگ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اس لئے وہ لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، وقت اور اس کے انجام کے متعلق نہیں سوچتے جبکہ شہری معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا۔ کوئی کام کرنے سے پہلے اس کی اونچ نیچ سوچ کر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ شہروں میں رہنے والوں کی عادات بہت اچھی اور دیہات میں بسنے والوں کی عادات بری ہوتی ہیں۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود بہت سے افراد اپنی سمجھداری کی وجہ سے بہت سے لڑائی جھگڑوں پر قابو پا لیتے ہیں امن و امان اور انصاف کے لئے دیہات میں تھانیدار پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جبکہ شہروں میں پولیس اور عدلیہ کے بڑے بڑے افسران امن و امان پر قابو پانے اور انصاف کو یقینی بنانے کے لئے موجود ہوتے ہیں۔

5- سہولیات (Facilities)

انسان کو ایک بہتر اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان سے اکثر دیہات محروم رہ جاتے ہیں۔ ان ضروریات زندگی میں روٹی، کپڑا اور مکان کے علاوہ بجلی، پانی اور اس قسم کی بہت سی آسائشیں شامل ہیں۔ گاؤں کے بچوں کو کئی کئی میل دور سے سکول آنا پڑتا ہے۔ جبکہ شہروں میں گلی گلی سکول موجود ہیں۔ ہسپتالوں کی

مثال لیں تو دو تین دیہاتوں کے لئے ایک ہیلتھ سینٹر بنایا جاتا ہے جبکہ شہروں میں کافی تعداد میں ہسپتال موجود ہوتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ہم روزمرہ کی مثال دے سکتے ہیں مثلاً اگر گاؤں میں بجلی خراب ہو جائے تو کئی کئی دن یا کئی کئی گھنٹے لائٹ نہیں آتی، اس کے برعکس شہروں میں بجلی کے تار خراب ہو جائیں تو انہیں جلد ٹھیک کروایا جاتا ہے۔

6- سماجی تحفظ کا نظام (System of Social Security)

شہری معاشرے میں ہر قسم کا تحفظ قانون فراہم کرتا ہے جو کہ منظّم اور پائیدار سمجھا جاتا ہے۔ ہر چیز کا فیصلہ قانون کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ جبکہ گاؤں میں فیصلے گاؤں کے چوہدری ہی کر لیتے ہیں۔ اور ان کی کہی ہوئی بات کو کوئی بھی رد نہیں کرتا۔ اس کے برعکس شہر میں ہر کوئی چوہدری ہوتا ہے اور وہ صرف اور صرف قانون کو اہمیت دیتا ہے فرد کو نہیں۔

7- سادہ اور پیچیدہ معاشرہ (Simple & Complex Society)

دیہات کے لوگ آپس میں مخلص ہوتے ہیں ہر شخص ایک دوسرے کو ذاتی اور بڑے قریب سے جانتا ہے۔ دیہات کے لوگ ایک دوسرے کے بہت کام آتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو سب لوگ اس کی بیمار پرسی کے لئے اس کے پاس آتے ہیں لیکن شہروں میں اس طرح نہیں ہے اور زیادہ لوگ کسی نہ کسی مقصد کو مدنظر رکھ کر ہی ملتے ہیں۔

شہری معاشرہ ماڈرن اور پیچیدہ ہے۔ پیچیدہ اس لئے کہ لوگ ایک دوسرے کو بہت کم جانتے ہیں بڑی مشکل سے اپنے ہمسائیوں کے ناموں کا علم ہوتا ہے۔ شہر میں لوگوں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ ناپائیدار ہوتے ہیں۔ ان میں بناوٹ پائی جاتی ہے۔ دیہات کی نسبت شہروں کی فضا زیادہ مفادانہ اور ماڈرن ہوتی ہے۔

8- معاشی خوشحالی (Socio-Economic Conditions)

شہر میں کام مل جاتا ہے۔ اس لئے رات کو گھر میں کچھ نہ کچھ آ جاتا ہے جبکہ گاؤں میں کام کچھ نہیں ہوتا اور زمین سے اتنی جلدی کچھ نہیں ملتا اس لئے گاؤں کے زیادہ تر لوگ معاشی بدحالی کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دیہی اور شہری معاشرہ میں معاشی

تفاوت بہت زیادہ ہے۔شہروں میں روزگار کے مواقع اور دیگرعوامل کی وجہ سے معاشی خوشحالی کاتصورموجود ہے جبکہ دیہات اس تصور سے محروم ہیں۔

9- سماجی تبدیلی (Social Change)

گاؤں کے لوگوں میں سماجی تبدیلی کا عمل بہت سست رفتاری سے ہوتا ہے۔ان میں ترقی کرنے کا جذبہ بھی کم ہوتا ہے۔ایک تو ان کے وسائل محدود ہوتے ہیں۔اور دوسرا لگاؤ کم ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنی زمین کے بل بوتے پر ہی زندگی بسر کرتے ہیں گاؤں کے لوگوں میں کام کرنے سے پہلے منفی تاثر ضرور پایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر اگر کسی جگہ بجلی لگوا دی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ہمارے جانور وغیرہ ہیں۔ کہیں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔اس کے برعکس شہر کے لوگوں میں ترقی کرنے کا جذبہ ہوتا ہے وہ اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی ایسا کام کرتے ہیں جس سے کوئی جدت سامنے آئے۔اس کے علاوہ سماجی تبدیلی کے لئے جو عوامل درکار ہوتے ہیں وہ دیہات مین ناپید ہیں جیسے تعلیم ،نئی ایجادات ،نئی ٹیکنالوجی ، ذرائع مواصلات ،روزگار کے مواقع وغیرہ وغیرہ۔

10- شادی بیاہ (Marriages)

شہری جماعتوں کے اندر شادی بیاہ کے معاملے میں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ان میں خاندان سے باہر بھی شادی کی جاتی ہے۔پسند کی شادی کرنے کی اجازت ہوتی ہے شادی کرتے وقت اولاد سے رائے لی جاتی ہے۔جبکہ دیہی معاشروں میں ذات برادری ،قبیلہ کو زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔(Love Marriage) کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔شادی کے فیصلے سرپرست کرتے ہیں اس کے علاوہ اولاد کی رائے لینا ضروری خیال نہیں کیا جاتا خاص کر عورتوں کو تو بالکل ہی نہیں پوچھا جاتا۔ایک اور فرق جو نمایاں بھی ہے وہ یہ کہ مختلف وجوہات کی بنا پر شہروں میں طلاق کی شرح مقابلتاً زیادہ ہے۔

11- مہمان نوازی (Hospitality)

گاؤں کے لوگ مہمان نوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ یہ لوگ مہمان کی بہت زیادہ عزت اور خدمت کرتے ہیں۔ دیہات میں یہ لوگ اجنبی یا مہمان کی آمد پر بہت خوشی مناتے ہیں اوراس کی ہر طرح خاطر و مدارت کرتے ہیں۔شہروں کے لوگ بہت روکھے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ مہمان کو باعث زحمت سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مہمان نہ آنے پائے۔اس کی ایک وجہ ان کی مصروفیات ہیں جوان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ وہ مہمان کی خاطر مدارت کرسکیں اور اپنا وقت برباد کریں۔

12- دخل اندازی (Interferance)

دیہاتی لوگ آپس میں میل ملاپ کی وجہ سے ایک دوسرے کے معاملات میں دخل دیتے ہیں اور یہاں تک لوگوں کے گھریلو جھگڑوں میں صلح کروانے کا کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ یا پھر گاؤں کی پنچایت ان کے درمیان صلح کرا دیتی ہے۔گاؤں کا نمبردار تمام لوگوں کے گھریلو حالات میں دخل اندازی کر کے ان کے مسائل حل کر دیتا ہے۔شہری لوگ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے کیونکہ شہروں میں لوگوں کے درمیان تعلقات اس نوعیت کے نہیں ہوتے۔شہروں میں لوگ ذرا سے جھگڑے کی بناء پر پولیس کی طرف دوڑتے ہیں۔جبکہ گاؤں کے لوگ اپنی مدد آپ کے تحت بہت سے جھگڑے نمٹا لیتے ہیں۔

13- سماجی خدمات (Social Services)

سماجی خدمات کے سلسلہ میں دیہات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہماری دیہی آبادی کے 70 فی صد لوگ، بہت زیادہ محنت و مشقت سے غلہ پیدا کرتے ہیں۔اور یہ غلہ ملک کے کونے کونے میں پہنچایا جاتا ہے۔اجناس کی صورت میں سارے ملک کی سماجی خدمات کے بدلے میں دیہات کی حالت ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے۔ جو تصور سماجی خدمات کا شہروں میں موجود ہے گاؤں اُس سے محروم ہیں۔ دیہاتوں میں ترقی کی رفتار بہت سست ہے اور دیہات کو اپنی اجناس شہروں میں لے جانا مشکل ہو جاتا ہے۔اس کے علاوہ مواصلاتی نظام

نہ ہونے کی وجہ سے یہ منڈیوں کے حالات سے بے خبر رہتے ہیں۔

14-اوہام پرست (Superstitious)

شہروں میں زیادہ تر لوگ پڑھے لکھے ہیں۔اس وجہ سے توہم پرستی بہت کم ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔لوگ زیادہ تر ترقی پسند ہیں وہ فرسودہ رسوم ورواج اور خیالات و نظریات پر یقین نہیں رکھتے اور ترقی کرتے رہتے ہیں۔دیہاتوں میں توہم پرستی کا مرض اپنے عروج پر ہے۔لوگ زیادہ تر پیروں پر یقین رکھتے ہیں۔اور بیماری کی صورت میں ڈاکٹر کے بجائے پیروں سے مشورہ کرتے ہیں جواُن سے سوائے رقم بٹورنے کے اور کچھ نہیں کرتے۔اس کے علاوہ دیہاتی لوگ مختلف دنوں اور تاریخوں کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔جن میں 13,3 اور 23 تاریخ اور منگل کا دن' اس کے علاوہ توہم پرستی کی وجہ سے مقابلتاً آسودہ حال بھی نہیں ہوتے۔اس کے علاوہ کالی بلی کے راستہ کاٹنے سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔

15- مفلسی (Poverty)

شہروں میں ذریعہ معاش کی فراوانی کی وجہ سے لوگ سرمایہ دار ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ تنخواہیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور لوگ تاجر پیشہ بھی ہوتے ہیں۔لوگ امیر ہونے کی وجہ سے اپنے بچوں کی تعلیم پر زیادہ سے زیادہ سرمایہ خرچ کرتے ہیں۔گاؤں میں زیادہ تر لوگ غربت کی چکی میں پس رہے ہوتے ہیں۔لوگوں کی زمینیں بہت کم ہوتی ہیں جن سے زیادہ پیداوار بھی ممکن نہیں ہوتی کہ ان کا صحیح طرح سے گزارہ ہو سکے۔اس کے علاوہ یہ لوگ ملازمت بھی نہیں کرتے اور غربت کی وجہ سے بچوں کی تعلیم پر زیادہ سرمایہ خرچ نہیں کر سکتے۔ بیماری کی صورت میں یہ لوگ ڈاکٹر سے مشورہ بھی نہیں کر سکتے۔جب بیماریاں شدید ہو جاتی ہیں تو پھر یہ لوگ قرض لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔

16- ثقافت (Culture)

شہروں میں رہنے سہنے کا طریقہ دیہاتوں سے مختلف ہے۔شہروں میں لوگ نت نئے فیشن اور جدید طرز زندگی اپناتے ہیں تا کہ لوگوں کی نظر میں ان کا معیار زندگی بلند ہو جائے۔

شہری ہر وقت ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ شہریوں میں تکلف بہت زیادہ ہوتا ہے۔ دیہاتوں میں رہن سہن بہت سادہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ کھلے مکانوں اور بڑی حویلیوں میں رہتے ہیں' سادہ لباس پسند کرتے ہیں اور اگر کوئی فیشن کرتا ہے تو وہ گاؤں والوں کے نزدیک نرا احمق اور بیوقوف ہے۔ عام دیہاتی مذہب کے خلاف کسی بھی رسم ورواج کو پسند نہیں کرتے۔

17- قیادت (Leadership)

شہروں میں قیادت کا تصور دیہاتوں سے مختلف ہے۔ شہروں میں سیاسی اور سماجی شعور زیادہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ بڑی اچھی طرح اپنی قیادت منتخب کر سکتے ہیں۔ دیہاتوں میں قیادت کا تصور موروثی ہے۔ دیہاتوں میں قیادت نمبردار یا سب سے بڑے زمیندار کے پاس ہوتی ہے۔ لوگ سیاسی شعور کی کمی کی وجہ سے صحیح امیدوار کا انتخاب کرنے سے محروم رہتے ہیں جب کہ شہر والے بڑی سوجھ بوجھ سے ووٹ استعمال کر کے اپنے لیڈر کا انتخاب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

18- ترقی کی رفتار (Pace of Development)

دیہاتوں میں ترقی کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں جب کہ شہروں میں ترقی کی رفتار بہت زیادہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ دیہاتوں میں جہالت اور سستی ہے۔ لوگ ترقی کی طرف جاتے ہی نہیں اس کے علاوہ دنیا کے حالات سے بھی بے خبر رہتے ہیں۔ بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ٹی وی سے ناواقف ہوتے ہیں۔ شہروں میں جدید ذرائع مواصلات ورسل ووسائل کی وجہ سے لوگوں کو نا صرف شہر کی بلکہ پورے ملک اور دیگر مما لک کی خبروں سے واقفیت رہتی ہے۔ شہر کے لوگ زیادہ چست اور ہوشیار ہوتے ہیں اور وہ ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کا باعث تک بنتے ہیں۔

19- سماجی تفاوت (Social Discrimination)

اربن کمیونٹی یا شہری جماعت میں سماجی طبقات کی درجہ بندی معاشی حوالے سے کی

جاتی ہے جبکہ رورل کمیونٹی میں ہر فرد کا مقام اس کے خاندان، حسب ونسب اور پیشہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

20- معاشرتی دباؤ (Social Control)

شہری معاشرہ میں معاشرتی دباؤ کم ہوتا ہے کیونکہ شہری معاشرہ ابتدائی گروہوں کے مقابلے میں ثانوی گروہوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے معاشرتی دباؤ کی کمی کی وجہ سے شہری معاشرہ میں مسائل زیادہ ہوتے ہیں اور تیزی سے پھیلتے ہیں مثلاً بے راہ روی، فحاشی وعریانی، جرائم یہ سب معاشرتی دباؤ کی کمی کا شاخسانہ ہیں۔ جبکہ دیہی معاشرے پر معاشرتی دباؤ زیادہ ہوتا ہے یہ ابتدائی گروہوں کو زیادہ فوقیت دیتی ہے۔

21- Heterogeneous & Homogeneous

شہری معاشرہ مختلف ثقافتوں، مختلف روزگار اور مختلف عادات و اطوار کی وجہ سے Heterogeneous کہلاتا ہے۔ جبکہ دیہی معاشرہ ایک جیسی ثقافت، ایک جیسے روزگار اور دیگر ملتی جلتی عادات واطوار کی وجہ سے Homogeneous کہلاتا ہے۔

سماجی ترقی

(Social Development)

سماجی ترقی سے مراد معاشرہ کی بحیثیت مجموعی ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے ترقی ہے جس کے تحت معاشرہ کے تمام طبقے اپنی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے پرسکون اور آسودہ زندگی گزارتے ہیں۔ سماجی ترقی کے منصوبوں میں معیار زندگی بلند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تعلیم، صحت، رہائش، فلاحی خدمات اور تفریحی سہولتوں پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ ترقی یافتہ بننے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان تمام عوامل کو دور کرنے کی کوشش کی جائے جو سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں

1- جہالت

غیر تعلیم یافتہ افراد اپنے حالات سنوانے کی کوششیں نہیں کرتے۔ وسوسے، لاعلمی، لا تعلقی، آباؤاجداد کے طریقوں کو چھوڑتے نہیں۔ مذہب کے اُن عقائد پر کاربند ہو جاتے ہیں جو بغیر بنیاد کے ہوتے ہیں۔ خواتین کی تعلیم کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ اس وجہ سے افرادی قوت کم ہو جاتی ہے۔ توہم پرست اور غیر تعلیم یافتہ اپنے فرائض سے ناواقف ہیں۔ وہ اپنے حقوق سے ناواقف ہیں۔ جہالت اور غربت سے جرائم بڑھتے ہیں۔ اس طرح ترقیاتی منصوبے بھی ناکام ہو جاتے ہیں۔ معاشرہ پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا جہالت سماجی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

2- جغرافیائی عوامل

بعض خطے باقی ملک سے بالکل کٹے ہوئے ہیں، رابطے نہیں ہیں، مواصلات کی سہولت نہیں ہے، فرسودہ رسم ورواج ہیں، تنگ نظری ہے، اپنے خیالات اور حالات سے خوش ہیں، آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔ اچھی حکمرانی کی ضرورت ہے، لوٹ کھسوٹ عام ہے، وسائل کی کمیابی ہے، لیڈرز کے اندر جوش وجذبہ ختم ہو چکا ہے۔ صحیح جگہ پیسوں کا استعمال نہیں ہے۔

3- جمہوری عوامل کی عدم موجودگی

لوگوں کی رائے نہیں پوچھی جاتی، شخصیت پرستی ہے، ہم لیڈروں کو ان کی اچھائیوں کے بغیر اپناتے ہیں۔ برائیوں کو نظرانداز کرتے ہیں۔ شخصیت سے صرف متاثر ہوتے ہیں۔ ایک کے پیچھے ایک وہی کام کرتا ہے۔ جاگیردارانہ نظام میں یہ لوگ مضبوط ہوتے ہیں اور دوسروں کو آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ ذات برادری ہمارے ہاں بہت مضبوط ہے۔ اسلام میں یہ چیز نہیں ہے لیکن لوگ یقین رکھتے ہیں اس لئے پستی کی طرف جا رہے ہیں۔

دیگر عوامل

غربت، جہالت، آبادی میں اضافہ، منشیات، لڑائی جھگڑے، صحت کی کمی، بیماریوں میں اضافہ، قسمت پر انحصار، یکجہتی کا فقدان، پرانے رسم ورواج، مرگ جہیز، شادی کی فضول رسومات 14 اگست کے جشن وغیرہ تمام سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔

سماجی ترقی کے عمل کو تیز کرنے والے عوامل

1- تعلیم

ذاتی تعلیم، قومی وسیاسی شعور، قومی سوچ کو اُجاگر کرنا، یکجہتی، تعلیم نسواں کو اجاگر کرنا، میٹرک تک تعلیم کو لازمی کرنا۔

2- سماجی اصطلاحات

دولت کی مساوی تقسیم، عورتوں کے حقوق اور تحفظ کی طرف دھیان، غربت کے خاتمے کے لئے اقدامات، زراعت پر زور، زکوٰۃ کے نظام کو موثر کرنا، بے روزگاری کو ختم کیا جائے، جرائم، گداگری، جہیز، منشیات کا خاتمہ، عورتوں کو کام کرنے کی اجازت، فضول رسومات کا خاتمہ، سمگلنگ کی روک تھام، جاگیردارانہ نظام ختم کرنا۔

3- ذرائع نقل وحمل

ذراعت کو فروغ دینا، تنگ نظری ختم کرنا، ترقی کی خواہش پیدا کرنا، قومی معاملات پر سوچ اجاگر کرنا، سوچ کو وسیع کرنا۔

4- ذرائع ابلاغ

جدید معلومات حاصل ہوتی ہے۔ وسائل اور مسائل سے آگاہی، خیالات کے اظہار کی اجازت ہونی چاہئے۔ لوگوں کو مسائل سے آگاہی ہونی چاہئے۔

5- سماجی خدمات

ملک لوگوں کا اپنا مقام ہوتا ہے اس لئے انہیں اس بات کا یقین دلانا چاہیئے تاکہ وہ اپنی کارکردگی کو اجاگر کرسکیں اور اپنا کردار اچھے طریقے سے اجاگر کرسکیں۔

6- آبادی کی منصوبہ بندی

ترقی اور مسائل کی کمی کے لئے لوگوں کو مسائل سے آگاہی دینی چاہیئے تاکہ وہ خود ان مسائل کو حل کرنے کے لئے کوششیں کرسکیں۔

7- عوام کی خدمات

عوام کی خدمات لینی چاہیئے، سڑکیں، ہسپتال، سکول وغیرہ کی تعمیر کرنے میں لوگوں کی مدد حاصل کرنی چاہیئے۔

8- دیانتدار قیادت کی ضرورت

سیاستدان، لوٹ کھسوٹ میں کمی کریں، لوگ عمل کریں، منصافانہ الیکشن ہوں، جمہوری نظام ہو، مضبوط اپوزیشن ہو اور کردار صحیح ادا کرے۔

اہم سوالات

1- معاشرہ سے کیا مراد ہے (تعریف، پس منظر، خصوصیات، اقسام) نیز پاکستانی معاشرہ کی خصوصیات تحریر کریں؟

2- دیہی اور شہری معاشرہ میں فرق کو مثالوں کے ذریعے واضح کریں؟

3- سماجی ترقی کے عمل کو تیز کرنے والے عوامل بیان کریں نیز اس عمل کی راہ میں رکاوٹوں کا بھی ذکر کریں؟

باب نمبر 2

ثقافت

1- ثقافت کی تعریف، مفہوم اور اہمیت

2- پاکستانی ثقافت پر دیگر ثقافتوں کے اثرات

3- پاکستانی ثقافت کی خصوصیات

4- سماجی رویے، تعریف اور اقسام جیسے عادات، رسومات، قوانین

5- سماجیانہ، معاشرت یا سماجی تربیت کی تعریف اور مفہوم نیز معاشرت کے
عوامل جیسے خاندان، ہمسائیگی، تعلیمی ادارے، ذرائع ابلاغ
جیسے ٹی وی، ریڈیو وغیرہ

باب نمبر 2

ثقافت (Culture)

لفظ ثقافت انگریزی زبان کے لفظ کلچر (Culture) کے ہم معنی ہے۔ جس کا مطلب تہذیب، دوستی، تراش خراش سے آراستگی اور تزئین ہے۔ عربی میں یہ لفظ آداب سکھانے، سنوارنے اور مہذب بنانے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

اَلـمُنجِدُ میں ثَقّفَ کے معنی سیدھا کرنا۔ تعلیم دینا اور مہذب بنانا کے تحریر ہیں۔ لیکن یہ تمام تر معانی فعلی نوعیت کے ہیں۔ انگریزی زبان کا لفظ کلچر (Culture) دراصل اسم ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں، تہذیب و تمدن، زراعت اور کاشتکاری۔ اس کے علاوہ انگریزی آکسفورڈ ڈکشنری میں اس لفظ کے معنی کی تشریح کچھ اس طرح کی گئی ہے۔ ''ذہنی اور جسمانی تربیت کے ذریعے عقلی اور فکری ترقی۔'' جرمن زبان کا ایک لفظ ہے کلٹیور (Kulture) اس کے لفظی معانی، جوتنا، بونا اور اگانا ہیں۔

کلچر کے انگریزی زبان میں معانی ہل چلانے کے بھی ہیں۔ چنانچہ اس سے یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ سماج میں کچھ اقدار حالات کے ہل چلنے سے پروان چڑھتی ہیں اور بار آور ہوتی ہیں۔ جس طرح فصل کا حاصل کل فصل کے پک جانے کے بعد ملتا ہے۔ چنانچہ انسانی اعمال و کردار کی فصل کے ماحصل اور ثمرات کو کلچر کا نام دیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں کچھ اہل دانش اور اہل فکر حضرات کی آراء بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(1) فلپ بیگ بی (PHILIP BAG BY) اپنی کتاب کلچر اینڈ ہسٹری میں رقمطراز ہے کہ ''بنیادی طور پر ذہنی ترتیب و تہذیب کا نام کلچر ہے۔ تاہم بعد ازاں اس میں اچھے

آداب۔ آرٹ اور سائنس نے بھی جگہ پائی۔“

(2) ای۔ بی۔ ٹیلر کی ثقافت کی تعریف بہت شہرت رکھتی ہے۔ وہ ثقافت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

”ثقافت مرکب سالمیہ کا نام ہے جس میں علم، عقیدہ، فن، اخلاق، قانون، رسم ورواج، اور سب صلاحیتیں شامل ہیں جو انسان نے معاشرے کے رکن کی حیثیت سے سیکھی ہوں۔“

اس تعریف نے معاشرتی زندگی کے تقریباً بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے تاہم اس کی تعریف میں مادی چیزوں کا ذکر نہیں ہے۔ اگر اس تعریف میں مادی چیزیں بھی شامل کر لی جائیں جو انسان بناتا اور استعمال کرتا ہے تو یہ تعریف خاصی جامع ہو جاتی ہے۔

ایف۔ ای سیول ثقافت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

(3) ”ثقافت معاشرتی عمل یا تفاعل کی پیداوار ہے اور اپنے وجود کے لئے معاشرہ کے دوام پر انحصار کرتی ہے۔“ یعنی ثقافت معاشرے کے بغیر نہ وجود میں آ سکتی ہے اور نہ جاری رہ سکتی ہے۔

(4) رالف لنٹن (Ralph Linton) کہتا ہے کہ ”ثقافت معاشرتی ورثے کا نام ہے جو عہد بہ عہد اگلی نسلوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔“ معاشرتی ورثے میں روایات، رسم ورواج عقائد اور دوسری مادی چیزیں شامل ہیں جو انسان نے تخلیق کی ہیں اور پچھلی نسلوں سے اگلی نسل تک منتقل ہوتی ہیں۔

(5) سی ایس کون (C.S.Coon) کہتا ہے ”انسان کے رہن سہن کا وہ مجموعہ جو سیکھنے کے عمل کے ذریعے نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے، ثقافت کہلاتا ہے۔“ اس تعریف میں ثقافت کے اکتسابی ہونے پر زور دیا گیا ہے۔

(6) ینگ اور میک ثقافت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”ثقافت ایسے رویوں اور کرداروں کا مجموعہ ہے جو نہ صرف انسان نے سیکھے ہوں بلکہ وہ کسی معاشرہ کے لوگوں کی مشترکہ میراث بھی ہوں۔“ اس تعریف میں ثقافت کی اکتسابی خصوصیت کے علاوہ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ یہ معاشرے کی مشترکہ میراث تھے۔ مثلاً سب عرب ممالک میں رہنے والے مشترکہ عربی زبان بولتے ہیں اور تقریباً یکساں قسم کی عادات اور طرز زندگی

رکھتے ہیں۔

(7) Hers Kovits نے کہا ہے کہ ’’ ثقافت ایسے ماحول کا نام ہے جو انسان نے خود تخلیق کیا ہو۔‘‘ یعنی ثقافت قدرتی ماحول اور قدرت کی طرف سے بنائی ہوئی چیزوں کے برعکس صرف ایسی چیزوں پر مشتمل ہے جو انسان نے خود بنائی ہوں۔ مثلاً دریا، پہاڑ، چاند، ستارے اور موسم وغیرہ قدرتی تخلیق کردہ چیزیں ہیں لہٰذا یہ ثقافت نہیں کہلا سکتیں۔ لیکن اس کے برعکس موٹر کار، ریڈیو، اخلاق، رسم ورواج، اور معاشرتی آداب وغیرہ چونکہ انسان کے تخلیق کردہ ہیں اس لئے ثقافت کہلائیں گی۔

(8) جان نے ثقافت کی عمومی اور خصوصی تعریف کی ہے۔ عمومی تعریف کے مطابق ’’ ثقافت ایسے انسانی رویوں کا نام ہے جو انسان نے سیکھے ہوں۔‘‘ اس کی خصوصی تعریف کے مطابق ’’ ثقافت کسی معاشرہ کے لوگوں کی منفرد طرز زندگی کا نام ہے۔ جس کی بنا پر کسی معاشرہ کو دوسرے معاشروں سے علیحدہ کیا جا سکتا ہو۔‘‘ مثلاً برطانوی معاشرے کے لوگوں کا اپنا منفرد طرز زندگی ہے جو پاکستانی معاشرے کے لوگوں سے یکسر مختلف ہے۔ برطانوی معاشرے میں شراب، جوا اور مردوں اور عورتوں کا آزادنہ میل جول ایک عام چیز ہے لیکن یہی چیزیں پاکستانی معاشرہ میں بہت بری خیال کی جاتی ہیں۔

ان سب تعریفوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ثقافت انسان کے کرداری نمونوں کا ایسا مربوط نظام ہے جو انسان نے معاشرے میں رہ کر سیکھا ہو اور اس میں مادی اور غیر مادی ہر قسم کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ یعنی اس میں موٹر کار، ریڈیو، عمارات اور ان کے استعمال کے طریقے اور رسوم ورواج، اخلاق، آداب مجلس سے لیکر پیدائش سے موت تک کی رسومات وطور طریقے شامل ہیں۔ مختصر یہ کہ ثقافت سے مراد وہ ضابطہ حیات ہے جس کے تحت انسان معاشرے میں زندگی گزارتا ہے یا بالکل سادہ الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ثقافت کسی معاشرے کے لوگوں کی منفرد طرز زندگی کا نام ہے جس کی بنا پر پاکستانی معاشرہ کے لوگ اپنے آپ کو افغانستانی یا ایرانی معاشرہ سے جدا کر سکتے ہیں۔

ثقافت کو نظامِ کردار یا معاشرتی معیارات کا نظام بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ثقافت ہی مختلف معاشرتی معیارات کو منظّم طریقے سے پیش کرتی ہے۔ خاص طور پر یہ معیارات

ہمارے معاشرتی کردار کو متعین کرتے ہیں اور ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ مختلف معاشرتی موقعوں پر ہمارا رویہ کیا اور کیسا ہونا چاہیے۔ گھر سے باہر کس قسم کا لباس پہننا چاہیے، شادی یا موت کے موقع پر ہمیں کسی قسم کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، وغیرہ۔ یعنی ثقافت زندگی کے سب معاشرتی موقعوں پر ہماری راہنمائی کرتی ہے اور اس طرح سے ہمارے کردار اور رویے کو منظّم کرتی ہے۔ انسان کسی ثقافت میں پرورش پانے کی وجہ سے اپنے ثقافتی معیاروں اور طریقوں کو صحیح سمجھنے لگتا ہے جو اس کی ثقافت میں اس کے سامنے آتے ہیں۔

جامع تعریف

"کسی بھی معاشرہ میں رہنے والے افراد جو کچھ سوچتے ہیں، کرتے ہیں بناتے ہیں، بولتے ہیں اور اگلی نسل کو منتقل کرتے ہیں وہ تمام مادی اور غیر مادی اشیاء اُس معاشرہ کی ثقافت کہلاتی ہیں۔"

- سوچنے میں عقائد، خیالات، نظریات، ترجیحات
- کرنے میں عبادات، رسم ورواج، کھیل، ثقافتی سرگرمیاں، عادات واطوار، مہمان نوازی
- بنانے میں منصوبے، طرزِ تعمیر، ایجادات
- بولنے میں زبان لہجہ، الفاظ شامل ہیں۔

ثقافت کیا ہے؟

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے ثقافت انگریزی لفظ (Culture) کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ لفظ روز مرہ زندگی میں عام استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ثقافت کا عمرانی پہلو بیان کرنے سے پہلے اس کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ عام طور پر کلچر یا ثقافت، شائستگی اور تمیز لی جاتی ہے۔ جو آداب مجلس، کھانے پینے اور دوسرے آداب کی صحیح اور واضح معلومات پر مشتمل ہو۔ اگر کوئی شخص ان باتوں سے آگاہ ہے تو اسے تہذیب یافتہ خیال کیا جاتا ہے۔ کئی لوگ ناچ، گانے، ادب، مصوری اور دوسرے فنون لطیفہ کو ہی ثقافت خیال کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص

ان موضوعات کی باریکیوں پر بحث کر سکے تو اسے کلچرڈ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ چیزیں ثقافت کا حصہ تو ہیں لیکن ثقافت نہیں کہلا سکتیں۔ اسی طرح اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ثقافت صرف اونچے معاشرتی طبقے اور شہری علاقوں میں محدود ہے۔ حالانکہ ثقافت معاشرہ کے سب لوگوں میں پائی جاتی ہے خواہ وہ نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں یا شہری اور دیہاتی طبقے سے۔ ہمارے معاشرے میں کئی لوگ ثقافت کو پڑھے لکھے لوگوں تک محدود خیال کرتے ہیں۔ یہ خیال بھی درست نہیں ہے۔ علماء میں بھی ثقافت کے بارے میں اختلافات رائے موجود ہے۔ کئی لوگ قوم اور ثقافت کو ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں جو درست نہیں ہے۔ دونوں اصطلاحات الگ الگ مفہوم رکھتی ہیں ایک قوم میں کئی ذیلی ثقافتیں بھی ہوسکتی ہیں جیسے پاکستان میں سندھی، پنجابی، بلوچی اور سرحدی ذیلی ثقافتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ہماری قوم کی مخصوص پاکستانی ثقافت ہے۔ (بعض مفکرین ثقافت اور تہذیب کو ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں، جبکہ تہذیب کا لفظ (Civitization) کا ترجمہ ہے) اور یہ لفظ لاطینی لفظ ''Civis'' سے بنایا گیا ہے۔ اس سے مراد شہروں میں رہنے والے لوگ ہیں۔ لہٰذا تہذیب سے مراد وہ معاشرہ ہے جس میں معاشی نظام خاصا ترقی کر چکا ہو۔ جبکہ ثقافت کا تصور نہ صرف مذکررہ بالا چیزوں کا احاطہ کرتا ہے بلکہ ماہرین کی رائے میں ہر شخص کی ثقافت ہوتی ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی، جاہل ہو یا اعلیٰ تعلیم یافتہ، نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہو یا اعلیٰ طبقے سے مختصر یہ کسی بھی معاشرے میں رہنے والے سب لوگ ثقافت کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''کسی بھی معاشرہ میں رہنے والے افراد جو کچھ سوچتے ہیں، بناتے ہیں، کرتے ہیں اور اگلی نسل کو منتقل کرتے ہیں وہ تمام مادی اور غیر مادی اشیاء اس معاشرہ کی ثقافت کہلاتی ہیں۔''

ثقافت کی اقسام

ماہرین (بشریات وعمرانیات) نے ثقافت کو مختلف اقسام کی صورت میں بیان کیا ہے۔ جن میں (1) مادی ثقافت (2) غیر مادی ثقافت (3) مثالی ثقافت (4) حقیقی ثقافت (5) بنیادی ثقافت (6) اکتسابی ثقافت کی تقسیم عام مشہور ہے۔

1- مادی ثقافت

مادی ثقافت سے مراد ثقافت میں پائی جانے والی ایسی چیزیں ہیں جو جگہ گھیرتی میں اور جن کو چھو کر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان چیزوں کو انسان نے تخلیق کیا ہے اور یہ کسی خاص طریقے یا شکل میں استعمال ہوتی ہیں۔اس میں پرانے زمانے کے بھدے برتنوں سے لے کر آج کل کے زمانے کے خلائی راکٹ شامل ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ایسی تمام مادی اشیاء جو انسان نے تخلیق کی ہوں اور جو کسی خاص شکل یا مقصد کے لئے استعمال ہوتی ہوں، مادی ثقافت کہلاتی ہیں۔ ہمارے مکان، ہمارا لباس، موٹر کاریں، ہوائی جہاز، ٹیلیفون، میز، کرسیاں وغیرہ مادی ثقافت کی مثال پیش کرتی ہیں۔ مادی ثقافت کی شناخت آسانی سے ہو جاتی ہے۔لیکن اس کا تعلق غیر مادی ثقافت سے بھی ہوتا ہے مثلاً ایک ہی چیز کو مختلف ثقافتوں میں مختلف مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔مثلاً پرانی ثقافت کے لوگ تیر اور کمان اپنے دفاع اور شکار کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے لیکن جدید دور کی ثقافت میں تیر کمان بچوں کے کھلونوں کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح انگریز لوگ ہیٹ کو مخصوص معاشرتی آداب کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں ہیٹ کے استعمال کا کوئی خاص مفہوم نہیں ہے۔صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں میں لوگ رائفل ہر وقت اپنے کندھے سے لٹکائے رکھتے ہیں لیکن بڑے شہروں میں ایسا کرنا خطرے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

2- غیر مادی ثقافت

غیر مادی ثقافت سے مراد انسان کی تخلیق کردہ سب غیر مادی چیزیں ہیں جنہیں چھوا تو نہیں جا سکتا مگر لطافت کی بنا پر محسوس ضرور کیا جا سکتا ہے۔ ان غیر مادی چیزوں میں معاشرتی آداب، زبان، رسم ورواج، عقائد، معاشرتی اقدار اور معاشرتی ادارے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ چیزیں کوئی مادی شکل تو نہیں رکھتیں مگر ان کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔انسان کی تخلیق کردہ یہ غیر مادی چیزیں انسانی کردار اور رویے کو متعین کرتی ہیں۔ مثلاً ہم کس طرح کھانا کھاتے ہیں، کسی طرح سوتے ہیں، کونسا مشروب استعمال کرتے ہیں، ان تمام رویوں

میں غیر مادی ثقافت ہماری راہنمائی کرتی ہے، یعنی غیر مادی ثقافت انسان کے ذہنوں میں پائی جاتی ہے۔ جیسے پہلے بتایا جاچکا ہے کہ غیر مادی ثقافت ہی اس بات کا تعین کرتی ہے۔ کہ مختلف مادی اشیاء کا مفہوم کیا ہوگا اور وہ کیسے استعمال کی جائیں گی۔ مثلاً مٹی کے برتن اور پیڑیاں وغیرہ ہماری ثقافت میں کھانے پینے یا بیٹھنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں لیکن مغربی معاشرے کے لوگ ان چیزوں کو گھر کی سجاوٹ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

3- مثالی ثقافت

اس سے مراد ایسی ثقافت ہے جو لوگوں کے کردار اور عمل کے لئے مثالی حیثیت رکھتی ہو۔ مختلف ثقافتوں کا مشاہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ بعض چیزوں کو لوگ مثالی حیثیت دیتے ہیں اور ان کا شدومد سے اظہار کیا جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ لوگوں کی حقیقی زندگی بھی ایسی ہو۔ ہر ثقافت میں ایسے نمونے طریقے اور رسمیں ملتی ہیں جنہیں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن یہی چیزیں حقیقی زندگی میں عام ملتی ہیں مثلاً ہمارے معاشرے میں جھوٹ بولنے کو بہت برا خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقی زندگی میں ہم گھر، دفتر اور کاروبار میں لوگوں کو اکثر جھوٹ بولتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ رشوت لینے کو برا عمل خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے کی عملی زندگی میں یہ عام ہے۔ امریکہ جیسے مہذب ملک میں جہاں جمہوریت اور مساوات کا بلند بانگ دعویٰ کیا جاتا ہے وہاں بھی حقیقی زندگی میں کالے لوگوں کو سفید لوگوں کی نسبت کمتر سمجھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ بھارت لادینی ریاست ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہاں پر بھی مذہبی فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مثالی ثقافت سے مراد ایسی ثقافت ہے جس کے متعلق لوگ یہ کہتے ہوں کہ ایسی چیزوں پر عمل کرنا چاہیے، حقیقی زندگی میں وہ ایسا کریں یا نہ کریں۔

4- حقیقی ثقافت

اس سے مراد ایسی ثقافت ہے جس پر لوگ اپنی حقیقی زندگی میں عمل پیرا ہوں۔ مثالی ثقافت میں ایسے نمونے اور آداب ہوتے ہیں جن پر عمل کرنے کی معاشرہ ہم سے توقع رکھتا

ہے۔لیکن تقریباً سب ثقافتوں کا مشاہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حقیقی زندگی میں لوگ مثالی نمونوں کی پرواہ نہیں کرتے مثلاً ہمارے معاشرے میں اگر کسی سے بھی پوچھا جائے کہ جھوٹ بولنا اچھی بات ہے یا بری تو اس کا جواب بری بات ہوگا۔لیکن عملی زندگی میں ہم لوگوں کو جھوٹ بولتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ رشوت کو برا کہا جاتا ہے، لیکن جس کا بس چلتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں سب پڑھے لکھے لوگ مرد اور عورت کو برابری کا درجہ دیتے ہے لیکن حقیقی زندگی میں حالات اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ آج کل کے جدید اور پیچیدہ معاشروں میں مثالی اور حقیقی ثقافت میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

بنیادی ثقافت

بنیادی ثقافت سے مراد کسی بھی معاشرہ کی وہ تمام روایات، عادات، رسومات اور اشیاء ہوتی ہیں۔جن کا تعلق معاشرے کے سماجی مذہبی، ثقافتی پس منظر سے ہوتا ہے۔ بہت سے افراد بنیادی ثقافت کو سینے سے لگائے ہوتے ہیں۔ان میں زیادہ تر کا تعلق مذہبی پس منظر سے ہوتا ہے۔ ہماری بنیادی ثقافت میں ہماری مذہبی رسومات، جن میں عیدیں (عیدالضحیٰ، عیدالفطر) کے علاوہ دیگر بہت سی رسومات شامل ہیں۔

اکتسابی ثقافت

اس سے مراد وہ تمام خیالات، اعمال، رسومات، عادات، طرز تعمیر، رہن سہن، لباس، لہجہ، زبان اور ایجادات ہیں۔ جو ایک معاشرہ دوسرے معاشرہ سے مستعار لیتا ہے۔ جیسے ہماری معاشرہ کے افراد نے بھی دوسرے معاشروں سے بہت کچھ مستعار لیا ہے یا اخذ کیا ہے۔ ہمارا مغربی لباس ہماری انگریزی زبان، ہماری رسومات اور عادات میں بسنت، ہفتے کے آخری دن کی رات کو منانا، ہمارا مغربی طرز تعمیر اور ہمارا نظام تعلیم ان تمام اشیاء میں شامل ہے، جو ہم نے دوسرے معاشروں سے اخذ کی ہیں اور اس وقت ہماری ثقافت کا حصہ ہیں۔

فرد کی زندگی میں ثقافت کی اہمیت

1-انسانی سرگرمیوں کی متعین کار

ثقافت انسانی زندگی کی مختلف سرگرمیوں کی راہیں متعین کرتی ہے۔انسان کو معاشرتی زندگی گذارنے کا اہل بناتی اوراس کے وقار کو قائم کرتی ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس کے دائرہ اثر سے لگایا جا سکتا ہے۔جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ثقافت کا مادی وصف انسانی جسم کی تمام بنیادی ضرورتوں کی تسکین کے فرائض ادا کرتا ہے۔ثقافت ہی ان تمام اشیاء کی پیداوار، تقسیم وترسیل اور ایجاد کا باعث بنتی ہے۔

2-اخلاقی وروحانی تسکین

زندگی گزارنے کے عمل کے دوران انسان روحانی طور پر بھی آسودگی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ثقافت روحانی سکون کے لئے مختلف مذاہب، ادب، فلسفہ، آرٹ اور موسیقی کا سہارا لیتی ہے۔ ہر فرد اپنی ثقافت کی موجودگی میں آداب سیکھتا اوراس پر عمل کرتا چلا جاتا ہےاوراس کا ثقافتی ورثہ اس کی روحانی واخلاقی تسکین کا باعث ہوتا ہے۔

3-بنیادی ضروریات کی تقسیم اور ترسیل کا باعث

روٹی کپڑا اور مکان کی صورت میں بنیادی ضروریات زندگی کی تقسیم اور ترسیل کا باعث بھی ثقافت ہی بنتی ہے۔ثقافتی طور پر انسان ایک معاشرہ میں رہتے ہوئے اپنی بنیادی ضروریات کا تعین کرتا ہے۔اُن کے حصول اور اُن کو دوسرے افراد تک پہنچانے میں ثقافت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

4-شخصیت وکردار کی تکمیل

ثقافت انسان کی شخصیت وکردار کو بھی متاثر کرتی ہے۔معاشرہ اور ماحول میں مطابقت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ کرداری نمونے سیکھاتی ہے۔انسانوں کے لئے تربیت اور

عمل کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ معاشرہ کے افراد کا اخلاق سنوارتی اور ذمہ داری نبھانے کے قابل بناتی ہے۔

5- مثبت تفریحات کی ترویج کا باعث

افراد کی زندگی میں مثبت تفریحات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ثقافت افراد کو ان کے بارے میں آگاہ کرتی ہے اور مختلف نئی اور مثبت تفریحات کی ترویج کا باعث بھی بنتی ہے۔

مسلم ثقافت پر مغربی ثقافت کے اثرات

مغربی ثقافت نے پاکستانی ثقافت پر مندرجہ ذیل پہلوؤں سے اثرات قائم کیئے ہیں۔

1- مذہب

مذہب کو ہمارہ معاشرے اور ثقافت میں جو مقام حاصل تھا آج وہ مقام اس لیے نظر نہیں آتا کہ اب لوگ مذہب کو اجتماعی زندگی سے الگ خیال کر رہے ہیں اور مذہب کو ذاتی معاملہ سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے مذہب سے بیگانگی کی فضا پیدا ہو چکی ہے اس کے مقابلے میں دوسرے غیر مسلم نظام جیسے اشتراکیت وغیرہ کو اہمیت دی جا رہی ہے یہ سب کچھ مغربی ثقافت کا نتیجہ ہے۔

پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا مسلمانوں کی لاثانی جدوجہد اور ان گنت قربانیوں کا مقصد پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام تھا جو مغربی ثقافت کے زیر اثر اب تک جبکہ پاکستان کے قیام کو اٹھاون (58) سال ہو چکے ہیں یہ مسلم خواب اب تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

2- قانون سازی پر اثرات

مسلمانوں کے دور حکومت میں قاضی اور شرعی عدالتیں مقدمات کے فیصلے کرتے تھے مگر انگریزوں کی آمد کے بعد موجودہ عدالتوں اور قوانین نے جگہ لے لی۔ قاضی اور شرعی عدالتیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق فیصلے کرتی تھیں جبکہ انگریز نے ریاستی قوانین کے ذریعے موجودہ عدالتی نظام رائج کیا جس سے مسلم ثقافت پر اثر پڑنا لازمی تھا۔

3- کلین شیو

داڑھی رکھنا سنت رسولؐ ہے اور اسلامی ثقافت میں اس کا اہتمام اور احترام باعث ثواب ہے لیکن انگریزی ثقافت کے گہرے چھاپ کی وجہ سے یہ تصور دن بدن تبدیل ہوتا جارہا ہے اور انگریزی نقل سے داڑھی منڈوانے کا رواج تو اپنی جگہ Clean Shave کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں بالوں کی تراش خراش اور اسٹائل میں انگریز کی پیروی باعث فخر سمجھ کر کی جاتی ہے۔

4- لباس

برصغیر کے مسلمانوں کا تہذیبی لباس لمبا چوغہ، کرتہ یا جامہ تہمند اور شلوار ہے۔ انگریز نے ترکی پاجامہ کو تنگ کر کے پتلون کی شکل دے دی اور اچکن کی بجائے کوٹ بنایا۔ ہمارے لباس میں پینٹ شرٹ ٹائی اور کوٹ کا رواج مغربی ثقافت کی مثال ہے جسے پاکستانی معاشرہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

5- فرنیچر کا استعمال

انگریز کی آمد سے قبل مسلمانوں کے ہاں فرشی نشست کا اہتمام ہوتا تھا مگر انگریز کی آمد کے بعد ان چیزوں کی جگہ میز کرسی صوفہ ڈائننگ ٹیبل اور مووِنگ چیرز نے لے لی۔

6- کھانے پینے کے طریقے

ایک طرف تو مسلم ثقافت میں فرنیچر کے استعمال کے ساتھ ساتھ گلے سڑے انگریز نوابوں کی ثقافت نے مسلمانوں کے کھانے پینے پر اثرات مرتب کیے اس کے علاوہ شادی بیاہ میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

7- زبان

ہماری زبان اردو ہے جبکہ یہاں پر دفتروں میں رائج زبان انگریزی ہے ہمارے تمام صوبوں میں علاقائی زبانیں بولیں جارہی ہیں حالانکہ ہماری قومی زبان اردو ہے۔ یہ بھی مغربی ثقافت کا نتیجہ ہے۔

8- تبلیغ کا انداز

برصغیر پر آمد کے بعد انگریزوں نے تبلیغ کا جو انداز اپنایا مسلم قوم اس سے متاثر ہوئی۔ تعلیمی ادارے عیسائی مشنریوں کے لیے بنائے جو ان اداروں میں فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ تبلیغ بھی کرتے تھے جس سے کافی لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی مسلم تہذیب و ثقافت پر اس کا اثر پڑا۔

9- تفریحی مشاغل

تفریحی مشاغل کے لیے موجودہ حیران کن ایجادات مثلاً ریڈیو ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ کا استعمال ہمارے ہاں بنیادی ضروریات کی حد تک فروغ پا چکا ہے جو کہ تمام مغربی ثقافت کا حصہ ہیں۔

10- منافقت

مسلم ثقافت ایک وسیع اور باشعور قوم تھی انگریز جب برصغیر پر قابض ہوئے تو انہوں نے یہاں پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو اہم قومیں پایا۔ جن میں اس نے اپنی کامیابی اور حکومت پر مستقل قابض رہنے کے لیے دوغلہ پن کی پالیسی اپنائی۔ جو ان سے منتقل ہو کر پوری دنیا اور خصوصاً پاکستان کے سیاستدانوں کے حصہ میں کچھ زیادہ مقدار میں آ گئی جس کا مسلم تہذیب و ثقافت پر گہرا اثر مرتب ہوا ہے۔

11- پردہ سے اجتناب

اسلامی ثقافت میں پردہ کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اسلامی معاشرہ میں اس کو ضروری تصور کیا جاتا ہے لیکن مغربی ثقافت کے اثرات کی وجہ سے اب عورتیں اس کو اہمیت نہیں دیتیں اور اس کو فیشن کے خلاف تصور کرتی ہیں۔

12- رشوت

برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے قبل مسلم ثقافت رشوت سے پاک تھی۔ انگریز نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے رشوت کا وسیع استعمال کیا۔ جس کی مثالیں اہل علم و دانش

بخوبی جانتے ہیں۔ انگریز ثقافت کی رشوت پاکستانی ثقافت کا حصہ بن چکی ہے اور اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

14- بیوروکریسی

انگریز نے مسلمانوں کی ثقافت پر اثر انداز ہونے کے لیے خاص نفسیاتی اور عملی طریقے استعمال کیے۔ تعلیم کا ایک خاص نظام رائج کیا جس کی بدولت اور جس کے نتیجہ میں بیورو کریسی ایک خاص اثر رکھتی ہے اور خاص مقام حاصل کر چکی ہے۔ گورا صاحب کے بعد کالے صاحب نے عوام کو محکوم بنا رکھا ہے۔

15- سودی نظام

انگریز ثقافت نے مسلم طریقہ مالیات پر زبردست اثرات مرتب کیے۔ جس سے مسلم مالی معاملات میں کمی واقع ہوئی۔ اس نے سودی نظام رائج کیا۔ سودی نظام مسلمانوں کے لیے حرام ہے مگر پھر بھی یہ ایک ہماری ثقافت پر اہم اثر انداز مقام رکھتا ہے۔

16- نظریات

لباس اور رہائش کے علاوہ مغربی ثقافت ہمارے نظریات پر بھی بہت زیادہ اثر انداز ہو رہی ہے سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں ہماری سوچ مغربی تہذیب کا نتیجہ ہے ہمارے تصورات و نظریات بہت زیادہ حد تک مغربی ثقافت سے اثر انداز ہوئے ہیں۔

17- رہائش

مغربی تہذیب ہماری رہائش پر بھی اثر انداز ہوئی ہے پہلے پہل لوگ بڑے بڑے گھروں اور کھلی جگہوں میں رہنا پسند کرتے تھے لیکن اب رہائش کیلئے کوٹھیاں بنائی جاتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت کمرے بنائے جاتے ہیں جو مغربی تہذیب کے زیر اثر ہیں۔

18- نظام تعلیم

ہمارے ملک میں جو نظام تعلیم رائج ہے یہ بھی مغربی تہذیب کی پیداوار ہے آج کل ہمارے والدین کی خواہش ہے کہ وہ اپنے بچوں کو انگلش تعلیم حاصل کروائیں تا کہ وہ اچھی

ملازمت حاصل کر سکیں لیکن اس نظام کی بدولت بچوں میں اپنے ملک وقوم کی خدمت کا وہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا جو علامہ اقبال اور قائداعظم نے طلبا سے متوقع رکھا تھا۔ تعلیم جیسے اہم شعبے میں بھی ہم مغرب کی پیروی کرر ہے ہیں۔

19- بزرگوں کے احترام پر اثرات

پاکستانی معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ ہے اوراس کی ثقافت اسلامی ثقافت کہلاتی ہے بزرگوں کا احترام اس معاشرہ کی نہایت اہم خصوصیت ہے مگر اب مغربی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے بزرگوں کے احترام میں کمی واقع ہوئی ہے لوگ بوڑھے والدین کو گھروں میں رکھنا پسند نہیں کرتے کیونکہ مغرب میں تو بوڑھے افراد کے لیے خاص قسم کے ادارے قائم ہیں جو صرف اور صرف بوڑھے افراد کے لیے ہیں جن میں ان کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ مغربی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے بزرگوں کے احترام میں کمی واقع ہوئی ہے۔

20- خاندان

ہماری ثقافت میں مشترکہ خاندان کو بہت اہم حیثیت حاصل تھی لیکن اب یہ صرف نفسانفسی اور خودغرضی کا عالم ہے لوگ اب اپنے لیے ہی کچھ کرتے ہیں اور زندگی بسر کرتے ہیں یہ تصور اب معدوم ہوتا جارہا ہے کہ مشترکہ خاندان میں قیام کیا جائے اب خاندان معاشی وجوہات کی بنا پر ٹوٹتے ہیں جو مغربی ثقافت کی وجہ سے ہے۔

21- صنعت پر اثر

مغربی ثقافت نے ہماری صنعت کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے پہلے کھڈیوں پر کپڑا تیار ہوتا تھا۔ اب مشینوں پر تیار کیا جارہا ہے ملک کی صنعتی ترقی مغرب کی مرہون منت ہے۔ صنعتوں میں بھاری مشینوں کا استعمال بھی مغربی ثقافت کے اثرات کی وجہ سے ہے۔

22- زراعت

مغربی ثقافت کی بدولت ہم جدید زرعی آلات سے بھی روشناس ہو چکے ہیں اب جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ہمارے ہاں ترقی کی راہیں ہموار ہورہی ہیں اور زراعت مسلسل ترقی کی طرف گامزن ہے۔ یہ بھی مغربی ثقافت کے مثبت پہلوؤں میں سے ایک ہے۔

23- معاشرتی ادارے

پہلے زمانے میں چیزوں کا تبادلہ ہوتا تھا اور لوگ اپنی چیزوں سے دوسروں کی چیزوں سے بدل لیا کرتے تھے لیکن اب جو نیا نظام رائج ہے ہر جگہ روپے کی فراوانی ہے یہ مغربی تہذیب کا نتیجہ ہے کہ لوگ زائد مقدار میں چیزیں پیدا کر کے منڈیوں میں لے جاتے ہیں اس طرح تجارتی ادارے وجود میں آنا شروع ہو گئے جو مغربی تہذیب وثقافت کا اثر ہے۔

24- معاشرتی اقدار

مغربی ثقافت کی بدولت ہماری معاشرتی اقدار بہت زیادہ تبدیل ہو چکی ہیں نئی نئی سائنسی ایجادات کی وجہ سے ہمارے رویے بھی تبدیل ہو رہے ہیں جن کی مدد سے دنیا ترقی کی طرف جا رہی ہے مگر ہمارے رویوں میں تبدیلی کی وجہ سے اقدار تبدیل ہو رہی ہیں۔

25- رسم ورواج

ہمارے ہاں عیدیں اور دوسرے مذہبی اور قومی تہوار مناتے جاتے ہیں لیکن اب پیدائش کی سالگرہ اور نئے سال کی تقریبات کا اہتمام کیا جا رہا ہے یہ رسم ورواج مسلمانوں میں مغرب کی بدولت آئے ہیں۔

26- اپنا دفاع پہلے

مسلم تہذیب وثقافت میں تلوار اور گھوڑوں سے جنگیں لڑی جاتی تھی مگر مغرب نے اپنے دفاع کے لیے تباہ کن بمبار طیارے، طیارہ شکن مزائل اور ٹینک وغیرہ خصوصاً ایٹم بم ایجاد کیے ہیں جن سے دنیا ایک منٹ میں ختم ہو سکتی ہے اس کے زیر اثر مسلم معاشرہ نے بھی یہ تباہ کن ہتھیار بنائے ہیں جن سے دوسری ثقافتوں کو بہت زیادہ خطرہ ہے۔

پاکستانی ثقافت کی خصوصیات

1- پاکستانی ثقافت کا ارتقاء

پاکستان کی ثقافت بھی مختلف ثقافتوں کے اختلاط سے عبارت ہے۔قدیم دراوڑ‘ یونانی‘

ہندو، مغل اور آخر میں یورپی لوگوں نے برصغیر کی ثقافت پر اپنے نقوش چھوڑے ہیں لہٰذا مروجہ ثقافت صدیوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔ درحقیقت برصغیر پاک و ہند قدیم زمانہ سے ہی مختلف تہذیبوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ایک طرف بیرونی تہذیبوں نے یہاں کی دولت اور وسائل سے استفادہ کیا تو دوسری طرف انہوں نے اپنے اداروں اور ثقافتی نظریات کا بیج بھی بودیا۔

2- تاریخی ثقافت

پاکستان کی آبادی پر مجموعی طور سے آریائی تہذیب نے اپنا رنگ چڑھایا۔ان کے بعد عربوں مغلوں' اور دیگر مسلمانوں کو غالب حیثیت حاصل رہی۔ان کی ثقافت آریاؤں پر چھا گئی۔حتیٰ کہ آریا یا تو مشرف بہ اسلام ہوئے یا پھر انہوں نے اپنی مادی اور غیر مادی ثقافت کو اسلام کے ڈھانچے میں اس طرح ڈھال لیا کہ ایک نئی ثقافت نے جنم لے لیا۔ بلاشبہ ہندوئں کے ساتھ مشترکہ رہن سہن کے باعث بھی ہندوئں اور مسلمانوں کے ثقافتی تصورات ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

3- یورپی اثرات

انگریز کے صد سالہ دور حکومت میں یورپی ثقافت نے بھی یہاں کے لوگوں کے ثقافتی تصورات پر اثر کیا۔اونچے طبقہ میں بالخصوص لباس' فنون لطیفہ' رہائش اور زبان وغیرہ کے معاملہ میں یورپی اثرات غالب رہے۔اس طبقہ نے اپنے حاکموں کی تقلید میں نئے ثقافتی معیار قائم کرنے میں گرم جوشی کا اظہار کیا ہے اور اپنے اثرورسوخ کے باعث وہ ثقافت کا ایسا مفہوم متعارف کرانے میں کامیاب ہوگئے جسے آج بھی ابلاغ عامہ کے ذریعہ ایک طبقہ مستحکم کرنے میں سرگرداں ہے۔

4- غلط رخ

ہمارے ہاں ثقافتی تصورات پر نہ صرف یورپی بلکہ امریکی اور سوشلسٹ ملکوں کی ثقافتی اقدار کی چھاپ لگانے کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔ ابلاغ عامہ کے ذریعہ ترقی پسندی کے نام پر نئی ثقافتی قدروں کو فروغ دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ چنانچہ ثقافت کا ایک ہی پہلو نماں ہوتا جارہا ہے جس کا مقصد محض فنون لطیفہ اور راگ رنگ یا پھر عملی طور پر بے راہ روی کو

فروغ دینا ہے۔ ثقافت کے اس مفہوم میں ہر قسم کے بندھنوں سے آزادی' مذہب سے فرار اور مادہ پرستی کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔ اس مخصوص طبقہ کے ہاں مثالی ثقافت کا بس یہی تصور قائم ہے۔

5- نظریاتی پہلو

پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کی ثقافت پر اگرچہ بیرونی تقاضوں اور دیگر عوامل نے نقوش مرتب کئے ہیں۔ اس کے باوجود اُن پر ان کے مذہبی عقائد کا اثر نمایاں رہا۔ پاکستانیوں کے لباس' خوراک' رہن سہن' رسوم و رواجات' عقائد اور طرز بودوش پر اسلامی اثرات شروع سے ہی غالب رہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو کے لئے راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا پاکستانی معاشرے نے ہمیشہ سے حرام و حلال کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کو ہی مقدم رکھا ہے۔ عربی یا ایرانی تمدن کے اثرات کو بھی پاکستانیوں نے ہم مذہبی کی وجہ سے آسانی سے قبول کیا۔

ثقافتی ارتقاء کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں ہمارے معاشرہ پر اسلامی ثقافتی اقدار کی گرفت زیادہ مضبوط رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی تسلط کے بعد ایک طویل عرصہ تک مسلمانوں نے اپنے روائتی لباس' رسم رواج اور زبان کو ترک نہ کیا۔ آج کل ایک مخصوص طبقہ ترقی پسندی کے نام پر ذرائع ابلاغ کا اس طرح استعمال کر رہا ہے تاکہ غیر ملکی ثقافتی یلغار کے ذریعہ مروجہ ثقافتی اقدار کو تباہ کر دے۔ اس کے باوجود پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت کی ثقافت پر اسلامی اثرات اب بھی نمایاں ہیں۔

6- صوبائی عصبیت

مخصوص طبقہ صوبائیت پرستی کو فروغ دینے کے لئے علاقائی ثقافتوں کی تشہیر کر رہا ہے۔ اور ہر صوبہ کی الگ ثقافت کو نمایاں کرنے کے لئے ثقافت کے محدود تصور کو ابھار رہا ہے۔ قومی یک جہتی اس بات کی متقاضی ہے کہ ثقافت کے اسی ہمہ گیر تصور کو اجاگر کیا جائے جس پر ہر صوبہ کے عوام کی اکثریت عمل پیرا ہے۔ پاکستان کے تمام صوبوں میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لہٰذا ثقافت کے اس رخ کو اجاگر کرنا چاہیے جو خالص نظریاتی اصولوں پر

استوار ہو۔ثقافت کو محض راگ رنگ یا عیش وتفریح کا مفہوم دینا ملک کی نظریاتی اساس کے بھی منافی ہے۔

7- ثقافتی ہم آہنگی

اگر پاکستان کے مختلف علاقوں کی ثقافتوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ محض ہم مذہبی کی وجہ سے ثقافتی اجزاء میں ہم آہنگی برقرار ہے۔مثلاً لباس اگرچہ ایک جیسا نہیں لیکن سب صوبوں کے عوام میں ایک بات مشترکہ ہے وہ ہے سادگی اور ستر پوشی کا وہ تصور جو اسلامی تعلیمات نے پیش کیا ہے۔اسی طرح خوراک کے معاملہ میں بھی عوام کی کثیر تعداد حرام وحلال کے اسلامی معیاروں کو ہی مدنظر رکھتی ہے۔شادی بیاہ نکاح طلاق اور سوگ وغیرہ سے متعلق طورطریقوں میں مماثلت ایک حدتک اسلامی تعلیمات ہی کے زیراثر ہے۔ بلاشبہ اگر ابلاغ عامہ کا صحیح سمت میں استعمال کی جائے تو مشترکہ ثقافت کی نشوونما کے لئے فضا سازگار ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلہ میں مثالی ثقافت کے معیار غیرملکی ثقافتوں سے مستعار لینے کی بجائے ملکی نظریہ پر استوار کئے جائیں۔

8- روحانیت

پاکستان کے عوام کی غالب اکثریت دین اسلام کی پیروکار ہے۔ان کی ثقافت میں وحدانیت اور رسالت کا تصور موجود ہے۔ پاکستان کا مطلب ہے۔"پاک سرزمین" گویا اس کا نام ہی اسلامی تہذیب وثقافت کا ترجماں ہے۔ یہاں مسلمان سختی سے اسلامی شعائر کی پابندی کرتے ہیں۔اور غیراسلامی عقائدونظریات کوناپسند کرتے ہیں۔تاہم پاکستانی لوگوں کی معاشرت کو خالص اسلامی قرار دینا بھی درست نہیں۔ کیونکہ ان کے مذہبی نظریات اور معاشرتی طریقے غیراسلامی اثرات سے بالکل پاک نہیں۔

9- سادگی

پاکستانی ثقافت میں سادگی کا عنصر نمایاں ہے۔تصنع اور بناوٹ کو پسند نہیں کیا جاتا اگرچہ شادی بیاہ اورتہواروں کے موقع پر زرق برق لباس پہنے جاتے ہیں۔لیکن عام حالت میں لباس اور سادہ باوقار ہوتا ہے۔عام طور پر تمام ملک میں شلوار قمیض پہننے کا رواج ہے۔

پورے ملک کی خواتین بھی زیادہ تر شلوار قمیض اور دوپٹہ یا چادر کا استعمال کرتی ہیں۔ البتہ امرا ء کا طبقہ مغربی یا جدید طرز زندگی کی طرف مائل ہے۔

10- خوراک

خوراک میں زیادہ تر گندم کی روٹی اور چاول کا استعمال ہوتا ہے۔ دودھ' دہی' مکھن' گھی سبھی اپنی بساط کے مطابق کھاتے ہیں۔ گوشت کے ساتھ سبزیاں اور ترکاریاں استعمال ہوتی ہیں۔ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں پلاؤ' زردہ اور قورمہ وغیرہ بڑے اہتمام سے تیار کرائے جاتے ہیں۔ آج کل چائے اور بوتلوں میں بند مشروبات کا رواج بڑھ رہا ہے۔

11- شادی بیاہ کی رسوم

شادی کی تقریب بینڈ باجے کے ساتھ برات کی روانگی سے شروع ہو کر انواع واقسام کے پر تکلف کھانوں سے تواضع کے بعد جہیز کے سامان کے ساتھ واپسی پر ختم ہوتی ہے۔ والدین یا دیگر بزرگوں کی طے شدہ شادی کا عموماً رواج ہے۔ عام طور پر ایک ہی بیوی رکھنے کا رواج ہے۔ عائلی قوانین کی موجودگی میں ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

12- پیدائش کی رسوم

پیدائش کی رسوم بھی خوب دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں۔ لڑکے کی پیدائش کو زیادہ مبارک خیال کیا جاتا ہے اور اس کی ولادت پر شادی بیاہ کی طرح پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور بعض گھرانوں میں ناچ گانے کی محفلیں بھی برپا کی جاتی ہیں۔

13- مذہبی تہوار اور میلے

مذہبی تہوار اور میلے ہر قوم کی ثقافت کا اہم جزو ہوتے ہیں۔ پاکستان میں ہر سال کئی تہوار اور میلے بڑی شان وشوکت سے منعقد ہوتے ہیں۔ پاکستان میں درج ذیل بڑے تہوار منائے جاتے ہیں۔

(i) عیدیں

عیدالفطر اور عیدالضحیٰ ہمارے دو اہم دینی تہوار ہیں۔ عیدالفطر ماہ رمضان ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہیں جب کہ عیدالضحیٰ 10-ذی الحج کو منائی جاتی ہے۔ ان دونوں عیدوں پر مسلمان نئے کپڑے پہنتے ہیں اور پھر نماز عید ادا کرنے کے بعد' رشتہ داروں' عزیزوں اور دوستوں سے عید ملتے ہیں۔ ہر صاحب حیثیت شخص عیدالفطر پر صدقہ' فطرانہ ادا کرتا ہے اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانور کی قربانی دیتا ہے۔

(ii) عید میلا دالنبی ﷺ

خدا کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ولادت باسعادت 12-ربیع الاول کو ہوتی ہے۔ اس روز مسجدوں' گھروں' محلوں اور بازاروں کو خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے۔ جلسے منعقد کیے جاتے ہیں اور جلوس نکالے جاتے ہیں۔

(iii) غیر مسلم تہوار

پاکستان میں غیر مسلم اقلیتیں بھی بستی ہیں' ان کے اپنے مذہبی تہوار ہوتے ہیں مثلاً عیسائی 25-دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایسٹر کا تہوار مناتے ہیں۔ ہندو دیوالی' ہولی اور سکھ بیساکھی کا تہوار مناتے ہیں۔

(iv) عرس اور میلے

صوفیا اور اولیاء کرام سے پاکستانی خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ اور ان کے عرس وغیرہ بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ اور ان میں شرکت کے لیے لوگ دور دراز سے آتے ہیں۔ لاہور میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ حضرت میاں میرؒ ملتان میں حضرت بہاوالدین زکریاؒ اسلام آباد میں امام بریؒ سندھ میں عبداللطیف بھٹائیؒ حضرت شہباز قلندرؒ اور حضرت سچل سرمستؒ کے عرس کے موقعوں پر میلے لگتے ہیں۔ لاہور میں مادھولال حسین کے مزار پر مشہور میلہ چراغاں بھی لگتا ہے۔

یہ تمام تہوار' عرس اور میلے پاکستانی ثقافت کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔ ان کے ذریعے

ہماری تہذیبی، معاشرتی اور مذہبی روایات کی ترجمانی اور عکاسی ہوتی ہے۔

14- کھیل اور تفریح

ہماری تفریحات اور فراغت کے مشاغل میں دیسی، مشرقی اور مغربی کھیلیں شامل ہیں۔ کھیلوں میں ہاکی، سکواش، فٹ بال، ٹینس، والی بال، کبڈی، کشتیاں، کشتی رانی، گھڑ سواری، نیزہ بازی، تیراکی، گلی ڈنڈا وغیرہ یکساں طور پر مقبول ہیں۔ تمام علاقوں کے لوگ ان کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ کھیل ہماری ثقافت کے آئینہ دار ہیں۔

15- روایت پرستی

پاکستانی ثقافت کی ایک نمایاں خصوصیت روایت پرستی ہے۔ روایت سے مراد وہ تمام رسم و رواج اور طور طریقے ہیں جو نسل در نسل ہمارے بزرگوں سے ہمیں ملے ہیں۔ جو سینکڑوں سال پرانے ہیں۔ اسی لیے پاکستانی قوم بہت سی قدیم رسوم کی پابند ہے۔ مثلاً شادی بناہ کے رسم و رواج، جہیز اور ذات برادری سے میل ملاپ یہ تمام رسومات ہندو سوسائٹی کی پیداوار ہیں۔

16- عورت کا مقام

پاکستانی معاشرہ میں مرد کو بالادستی حاصل ہے۔ مرد ہی گھر کا سربراہ ہے اور اسی سے شجرہ نسب چلتا ہے۔ تاہم عورت کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اسلام نے عورت کا مقام متعین کر دیا ہے۔ پاکستانی عورت یا تو مغربی ہم صنفوں کی طرح مادر پدر آزاد ہے اور یا وہ روائتی ہندو معاشرہ کی طرح گھٹن کا شکار ہے۔ اسے گھر کی مالکہ تصور کا کیا جاتا ہے۔ ماں کی قدموں کے نیچے جنت کے تصور کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔

17- موسیقی

فنون لطیفہ میں انسان سب سے زیادہ موسیقی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسے روح کی غذا بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت امیر خسرو مختلف علوم وفنون میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ہندی اور ایرانی دونوں قسم کی موسیقی میں بھی کمال کی مہارت رکھتے تھے۔ صوفیاء کرام نے اپنے

اپنے حلقوں کی پاکیزہ فضااور دیندار ماحول میں معرفت کی غزلوں کوموسیقی کی دھنوں سے آراستہ کر کے جگہ دی۔ پاکستان کے لوگ موسیقی کو بے حد پسند کرتے ہیں' انہیں ایسی موسیقی پسند ہے جس میں درداور سوز ہو۔ عام طور پر قوالی ان کا مقبول راگ ہے۔

18- مہمان نوازی

پاکستانی بڑے مہمان نواز ہیں۔ ان کے گھر جو آجائے اس کی دل و جان سے خاطر تواضع کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے کومختلف تہواروں پر بلانا اور تحفے تحائف دینا بھی اسلامی تہذیب کا ایک جزو ہے۔

19- علیحدگی پسند

ذات پات' برادری کی تفریق اور دیگر تعصّبات کی وجہ سے پاکستانی ثقافت کی ایک اور خاصیت علیحدگی پسندانہ روش ہے۔ اسی لیے پاکستانی معاشرہ چھوٹے چھوٹے قرابت دارانہ گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ جو اپنے معاشرتی تعلقات اور خاص طور پر شادی بیاہ میں دوسرے گروہوں اور لوگوں سے الگ اور علیحدہ رہتے ہیں اور غیر رشتہ دار اور غیر قرابت داروں کی شرکت کو ناپسند کرتے ہیں۔

20- اجتماعیت

اجتماعیت کا عنصر پاکستانی ثقافت میں نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ شادی کا موقع ہو یا رنج وغم کا دوستوں اور عزیز واقارب کو مدعو کیا جاتا ہے اور سب لوگ اس غم اور دکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ جب کہ مغربی ثقافت میں نفسا نفسی کی کیفیت پائی جاتی ہے اور کوئی کسی کا ہمدرد اور مونس وغمگسار نہیں۔ مشترکہ خاندانوں میں اکثر بوڑھے افراد کا راج ہوتا ہے۔ مغربی مما لک میں تو عمر رسیدہ افراد کو بے کار سمجھ کر خاندان سے الگ کر دیا جاتا ہیں۔ ہماری عبادت میں بھی اجتماعیت کا تصور واضح طور پر نمایاں ہے۔

21- مخلوط ثقافت

پاکستان ایک وسیع ملک ہے' اس میں کسی ایک رنگ یا نسل کے لوگ آباد نہیں ہیں۔ یہ علاقہ جہاں آج پاکستان قائم ہے ہمیشہ سے بیرونی اقوام کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ یہاں بہت

سی اقوام آئیں اور آباد ہوگئیں' دراوڑ' آریائی' یونانی' منگول' ترک' ایرانی' عرب' افغان سبھی نسلوں کے افراد پاکستان میں بستے ہیں' اس لیے اس علاقے کی ثقافت پر بیرونی اقوام کی ثقافتوں کے نمایاں اثرات مرتب ہوئے ہیں' اس لیے یہاں کے بسنے والے باشندوں کے رہن سہن' رسم رواج' لباس' خوراک میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف اور فرق کی وجہ سے ہماری ثقافت مخلوط اور اس کا دامن وسیع ہوگیا ہے۔ اسلامی ریاست ہونے کے ناطے ہماری تہذیب وثقافت پر اسلام کا رنگ غالب ہے۔

22۔ اسلامی ثقافت

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ ہماری آبادی کا 80 فیصد حصہ مسلمان ہے لہٰذا پاکستانی ثقافت بنیادی طور اسلام کے عقائد اور اصول ونظریات اور روایات پر مبنی ہے اسلامی ثقافت کی اپنی ایک منفرد حیثیت ہے جو اسلامی ضابطہء حیات کی عکاسی کرتی ہے۔ اسلام صرف ایک عقیدہ کا ہی نام نہیں بلکہ مکمل ضابطہ حیات ہے' اس لیے ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ پاکستانی ثقافت دراصل اسلامی ثقافت کا دوسرا نام ہے۔ پاکستانی ثقافت پر مذہبی عقائد ورسومات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ بلاشبہ مذہب ثقافت کا ایک اہم جزو ہمیشہ سے رہا ہے لیکن اسے ثقافت کی واحد بنیاد بنانا بھی درست نہیں' بہرحال ثقافت کی تشکیل وتعمیر میں مذہب نے ہر دور میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

آج پاکستان جس خطہ ارضی پر واقع ہے' یہاں کئی تہذیبوں نے جنم لیا اور مختلف ثقافتوں کو عروج حاصل ہوا۔ ہر ثقافت نے کم وبیش اس سرزمین پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس لیے ہم پاکستان کی پوری ثقافت کو اسلامی ثقافت نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں دوسرے عناصر بھی شامل ہوگئے ہیں' تاہم ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان اسلامی ثقافت کا ترجمان اور علمبردار ہے۔

گو پاکستان ایک نوزائیدہ مملکت ہے مگر یہ مملکت قدیم ترین ثقافت کی امین ہے۔ پاکستانی ثقافت قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ لہٰذا اس پر متعدد قسم کے نئے اور پرانے اثرات اور دباؤ بھی پڑ رہے ہیں' دور حاضر میں پاکستان ثقافت جدید اور قدیم رجحانات اور اثرات

کی کشمکش سے دوچار ہے' پاکستان کے لوگ دو مختلف اور متضاد ثقافتوں کو اپنانے کی بے سود کوشش میں سرگرداں ہیں معاشرے میں بالعموم اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ مغرب کی اندھا دھند تقلید میں مصروف ہیں اور ذہنی سکون کی نعمت سے محروم ہیں۔لیکن اس کوشش میں وہ ابھی تک مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوسکے کیونکہ یہاں پر ایک نہایت مضبوط طبقہ ایسا موجود ہے جو پوری شدومد سے پرانی روایات پر کاربند ہے اور غلط اور گمراہ کن تصورات ونظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کررہا ہے' اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں دو ثقافتیں پروان چڑھ رہی ہیں اور ان دو ثقافتوں کا الجھاؤ تضاد اور ٹکراؤ پاکستانی ثقافت کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہے' یہ ٹکراؤ اور کشمکش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہمارے علما اہل علم ودانش اور ارباب اقتدار واختیار نظام اسلام کو دور جدید کے تقاضوں کی روشنی میں پوری قوت اور حکمت کے ساتھ نافذ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

23- حب الوطنی

پاکستانی اسلامی ثقافت کے پیروکار حب الوطن ہوتے ہیں۔ یہ مفاد پرست اور موقعہ پرست نہیں ہوتے کیونکہ ان کی ثقافت ان کو ایسا کرنے کا درس نہیں دیتی۔تاریخ شاہد ہے کہ پاکستانی اسلامی ثقافت کے لوگوں نے حب الوطنی کی ایسی مثالیں رقم کی ہیں جن پر دنیا ہمیشہ رشک کرے گی یہ صرف ثقافت ہی کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ پاکستانی اسلامی ثقافت کے اراکین حب الوطنی کے تحت جسموں پر بم باندھ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔

24- ایثار اور قربانی

پاکستانی اسلامی ثقافت ایثار اور قربانی کا درس دیتی ہے یہ صرف اسلامی پاکستانی ثقافت کی بنیاد ہی نہیں ہیں بلکہ آج کے جدید دور میں یہ اسلامی پاکستانی ثقافت کی روح ہیں جن سے اسے ایک الگ اور منفرد مقام کی حیثیت حاصل ہے۔

25- زکوٰۃ وعشر

پاکستانی ثقافت میں زکوٰۃ وعشر کو بہت اہمیت حاصل ہے اس سے فرد میں جذبہ ہمدردی و ایثار اور قربانی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف اس سے دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کو

ختم کرنے میں مدد ملتی ہے۔اسلامی ثقافت کا یہ نظریہ انسان کو اشرف المخلوقات گردانتا ہے۔

26- پردہ

مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے پاکستان معاشرہ میں پردہ کو بہت اہمیت حاصل ہے پردہ اسلامی رسم و رواج کے احترام کا نام ہے اور معاشرے میں کھلم کھلا برائی کی روک تھام کا ذریعہ ہے۔

27- نظام تعلیم

پاکستانی معاشرہ وثقافت میں دوہرا معیار تعلیم رائج ہے۔ عام تعلیم کلرک پیدا کر رہی ہے، جبکہ درآمد شدہ نظام تعلیم کے تحت ایسی کلاس پیدا ہو رہی ہے جو مغرب کی دلدادہ ہے، تیسری طرف دینی رجحان رکھنے والے الگ سے طالب علم پیدا کر رہے ہیں۔

28- جذباتی قوت

پاکستانی ثقافت میں جذباتی قوت کا عنصر نمایاں ہے عوام کافی جذباتی واقع ہوئے ہیں کیونکہ اس کا مظہر بڑی حد تک مذہبی یکسانیت ہے لوگ فوراً مذہب کے نام پر وہ کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں جو بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں کر پاتی ہے۔

29- تصور نسل

پاکستانی ثقافت میں شجرہ نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے۔ باپ خاندان کا اہم رکن ہوتا ہے۔عورت کی کارکردگی ثانوی ہوتی ہے لیکن عمر کے ساتھ ساتھ عورت کے اختیارات میں اضافہ ہوتا ہے جس سے معاشرتی یکسانیت کو فروغ ملتا ہے۔

30- جذبہ جہاد

پاکستانی معاشرہ میں عوام جذبہ جہاد سے بھرپور ہیں یہ جذبہ قائد کی پیروی مذہب کی برتری اور خدا کی واحدانیت کے ساتھ ساتھ عزت نفسِ انسانی کا علمبردار ہے۔

31- زبان

ہماری زبان اردو ہے لیکن ہمارے یہاں دفتروں میں رائج زبان انگریزی ہے۔ یہ

بھی مغربی ثقافت کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ ہماری قومی زبان اردو ہے۔ ہمارے تمام صوبوں میں علاقائی زبانیں بولی جارہی ہیں۔

معاشرتی معمولات

(Social Norms and Values)

''ہر معاشرہ معاشرتی زندگی گزارنے کے اصول مقرر کرتا ہے۔ زندگی گزارنے کے ان اصولوں کو معاشرتی معمولات کہتے ہیں۔ معاشرتی معمولات معاشرے کے وہ آداب ہیں جو ہماری زندگی میں مقبول ہیں اور رواج پا جاتے ہیں۔'' معاشرے نے انہیں نہ صرف قبول کرلیا ہے بلکہ افراد کو زندگی گزارنے کا ضابطہ دیا ہے۔ جو افراد اس کے مطابق چلیں گے معاشرے میں ان کا مقام ہوگا اور ان کا منصب بلند ہوگا۔ اور جو ان کی خلاف ورزی کریں گے معاشرہ انہیں سزا دے گا، جرمانہ کرے گا، ڈانٹ ڈپٹ کرے گا۔ انسان کو معاشرتی زندگی میں نئے نئے حالات پیش آتے ہیں۔ ان حالات میں اپنا کارمنصب انجام دینے کے لئے اسے تیار رہنا پڑتا ہے۔ مختلف حالتوں میں فرد مختلف کردار ادا کرتا ہے۔ ان معاشرتی حالات میں ایسا کردار انجام دینے کے لئے کوئی طریقہ، رواج، ادب یا اصول ہونا ضروری ہے۔ یہی رواج یا اصول جو معاشرتی حالات میں فرد کی رہنمائی کرتے ہیں ''معاشرتی معمولات'' کہلاتے ہیں۔ فرد ہر نئی حالت میں نیا کردار انجام دیتا ہے اور کردار کی انجام دہی میں ان اصولوں کو استعمال کرتا ہے جو اس نے اپنی گروہی زندگی میں سیکھے ہیں۔ فرد کی تربیت گھر میں، سکول میں، دوستوں میں، بازار میں اور دیگر اداروں میں ہوتی رہتی ہے۔ یہی تربیت معاشرتی معمولات کی ہے۔ جس طرح فرد نے انہیں سیکھا اور جن کے گروہ میں سیکھا۔ اس طرح وہ اپنے کارِ منصب کو انجام دے گا جس سے اسے معاشرے میں منصب یا مقام حاصل ہوتا ہے۔

تعریف

آ گبرگ اور نمکاک

''معاشرتی معمولات انسانی کردار کے لئے رہنما اصول ہیں۔ جنہیں افراد اپنے

مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں۔''

''معاشرتی معمولات گروہ کے ارکان کا وہ متوقع کردار ہیں جو وہ مخصوص معاشرتی مواقع پر انجام دیتے ہیں۔''

''معاشرتی معمول وہ اصول یا معیار ہے جو انسانوں کے کردار کو اس معاشرتی موقع پر کنٹرول کرتا ہے جس میں وہ لوگ عملی طور پر حصہ لیتے ہیں۔''

یہ سماجی زندگی کے وہ طریقے ہیں جن کو اپنا کر فرد خود کو سماجی حیثیت دیتا ہے اور وہ جو وقت اور جگہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ معاشرہ ہم سے امید کرتا ہے کہ ہم اپنے کردار کو ثقافت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ادا کریں۔ دوسری صورت میں گروہی زندگی منتشر ہونے لگے گی۔ جس کی وجہ سے بدمزگی بڑھے گی اور معاشرہ کی اقدار پامال ہوں گی۔ یعنی معاشرتی معمولات وہ ثقافتی معیار ہیں جس پر فرد کا کردار پرکھا جاتا ہے۔ یہ افراد کے مابین متوقع کردار ہے۔ ایک فرد جب کسی خاص حالت میں ایک کام کرتا ہے تو دوسرا فرد اس کے کام کا ردعمل بھی ظاہر کرتا ہے۔

معاشرتی معمولات کے وظائف

معاشرتی معمولات میں معاشرتی زندگی کے رسم و رواج اور معاشرتی زندگی کے رہن سہن سیکھے جاتے ہیں۔ یہ خودبخود فرد میں پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ فرد انہیں معاشرتی تربیت کے مراحل کے ساتھ ساتھ سیکھتا ہے۔ فرد گروہ میں زندگی گزارتا ہے تو معمولات کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ جو رسمی بھی ہوتی ہے جیسے سکول، کالجوں اور تربیتی اداروں میں اس کے علاوہ غیر رسمی تربیت بھی ہوتی ہے۔ جیسے خاندان میں، محلے میں، بازاروں میں، مسجدوں میں، اگر فرد گروہی زندگی میں نہ رہے تو معمولات کی تربیت ناممکن ہے۔ معمولات کے وظائف حسب ذیل ہیں:

- معمولات فرد کو اس کی زندگی کے ہر مرحلے میں رہنمائی دیتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ اپنا کارِ منصب انجام دیتا ہے۔
- معاشرتی معمولات فرد کو معاشرہ میں اس کا مقام عطا کرتے ہیں۔

O معاشرتی معمولات فرد کے کردار کو ان کے معاشرتی حالات کے مطابق کنٹرول کرتے ہیں۔فرد اپنا کردار، تربیت اور سامنے آنے والی معاشرتی حالت کے مطابق انجام دیتا ہے۔اس طرح معاشرے کے تمام افراد اپنے اپنے کردار میں مصروف رہتے ہیں۔جن سے معاشرہ میں ضبط قائم رہتا ہے۔

O معاشرتی معمولات کسی ثقافت کی روحِ رواں ہیں۔اس لئے کہ ان کے وجود میں معاشرہ کی ثقافت زندہ رہتی ہے۔

O معاشرتی معمولات قانون کی تابعداری سکھاتے ہیں اور خلاف ورزی پر سزا کی اطلاع دیتے ہیں۔

معاشرتی معمولات کی اقسام درج ذیل ہیں:

1- لوک ریت (پرانے رواج)

یہ ایسی اقدار ہیں جن کی پیروی کرنے سے گروہی سالمیت برقرار رہتی ہے۔یہ لوگوں میں خوبخو درہن سہن کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔معاشرہ ان کو پسند کرتا ہے اور ان کی خلاف ورزی کو ناپسند ہی نہیں بلکہ برا سمجھتا ہے۔اگرچہ کوئی رسمی سزا نہیں ہوتی۔لوک ریت غیر رسمی روایات یا معمولات ہیں۔یہ کسی کتاب میں تحریر شدہ نہیں ہوتے لیکن ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں۔یعنی جس طرح بزرگوں نے نصیحت کی، ان کو اختیار کر لیا۔ان آداب میں ملنے جلنے کے طریقے، کھانے پینے کے آداب، خرید وفروخت کے طریقے، شادی بیاہ کی رسومات، عید اور دیگر تہواروں پر میل جول کے طریقے وغیرہ شامل ہیں۔یہ معاشرے میں خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ایک عرصے میں ختم ہو جاتے ہیں۔یہ کوئی بھی شکل اختیار کر لیتے ہیں ان کی خلاف ورزی میں ہنسی اُڑائی جاتی ہے اور اس فرد کو بے وقوف اور احمق کہا جاتا ہے اور جو فرمانبرداری کرے وہ عقلمند اور سعادت مند کہلاتا ہے۔

2- لوک ریت کے وظائف

O لوک ریت معاشرہ میں بنیادی ضبط سے پیدا ہوتے ہیں یہ افراد کے کردار کو ایک خاص انداز عطا کرتے ہیں۔

- یہ ایسے رواج ہیں جن سے گروہ کے افراد ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ ان میں گروہی سالمیت پیدا ہوتی ہے۔
- یہ رواج معاشرہ کے افراد پر اخلاقی دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ ان کی فرمانبرداری کریں۔
- یہ رواج معاشرے کے افراد کو خلاف ورزی پر خوف دلاتے ہیں کہ معاشرہ انہیں برا کہے گا۔
- یہ بنیادی رسم و رواج ہماری ثقافت کا گہوارہ ہیں اور ہماری ثقافت کی چھوٹی اقدار ان میں محفوظ رہتی ہیں۔
- یہ رواج گروہوں کو وجود میں لاتے ہیں۔ افراد آپس میں سماجی تفاعل کرتے ہیں اور ایسے حالات کی تسکین کیلئے گروہ بناتے ہیں۔ جن میں رسم و رواج کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔

3- معروف آداب

یہ معروف آداب اسی ثقافت کے زیادہ مضبوط اور مستحکم معمولات ہوتے ہیں۔ ان کا مقام لوک ریت سے بلند ہوتا ہے۔ اس لئے انکی اہمیت بھی معاشرہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ زندگی کے خصوصی رواج ہیں۔ جو خاص حالتوں میں فرد کے کردار کی رہنمائی کرتے ہیں۔ لوگ ان پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ یہ اچھائی اور برائی کا معیار ہیں۔ کوئی تصور یا فعل معاشرتی اصولوں کے خلاف ہے یا نہیں ان باتوں کا فیصلہ معروف آداب کرتے ہیں۔ یہ بھی غیر رسمی معمولات ہیں جو تحریر شدہ نہیں ہوتے یہ بزرگوں سے سیکھے جاتے ہیں ان کے کردار کا مشاہدہ کرنے سے یا ان کی نصیحتوں سے متعلق ان کی معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ معروف آداب سنجیدہ حالات میں فرد کی راہنمائی کرتے ہیں اس لئے ان پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ ان کے ٹوٹنے سے معاشرے میں بدنظمی پھیل جاتی ہے اور سماجی برائی پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں انحراف کرنے والوں پر معاشرہ کافی دباؤ ڈالتا ہے اور خلاف ورزی پر غیر رسمی سخت سزا دی جاتی ہے جس میں ان کا معاشرتی بائیکاٹ، برادری سے اخراج، مار پیٹ، بے عزتی، توہین اور ڈانٹ ڈپٹ شامل ہیں۔ معروف آداب کی چند

مثالیں حسب ذیل ہیں:

- O پرائے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا۔
- O خواتین کا احترام کرنا۔
- O والدین اور بزرگوں کا احترام کرنا۔
- O قرآن پاک کا، نماز کا اور مسجد کا احترام کرنا۔
- O حرام کھانے سے پرہیز کرنا اور حلال جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا۔
- O حلال روزی کمانا۔
- O نکاح کے بغیر عورت کو بیوی نہ بنانا۔

معروف آداب کے وظائف

- O معروفِ آداب غیر رسمی طور پر افراد میں ضبط قائم کرتے ہیں یعنی رسمی اداروں مثلاً عدالت وغیرہ کے بغیر ہی معاشروں میں کنٹرول رکھتے ہیں۔
- O معروف آداب معاشرے کی پیچیدہ اور گہری اقدار کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس میں جان و مال کی حفاظت، عزت و آبرو کا خیال اور مذہبی اقدار شامل ہیں۔
- O معروف آداب معاشرہ میں باہمی سلوک، باہمی اعتماد اور جذبات پیدا کرتے ہیں۔ لوگوں کی رائے کو ایک رُخ پر ڈالتے ہیں جس سے ان میں یکسانیت اور باہمی سلوک کے نمونے پیدا ہوتے ہیں۔
- O معروف آداب معاشرے میں گنڈہ تعویز اور بری عادات، جوئے بازی جیسی عادات کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
- O معروف آداب لوک ریت سے نجی تعلق قائم رکھتے ہیں جس طرح سے دن سے رات کا تعلق قائم رہتا ہے۔

3- قوانین

یہ وہ رسمی معمولات ہیں جو کتابوں میں موجود ہیں۔ قوانین قانون کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ وکیل انہی قوانین پر مہارت حاصل کرتے ہیں۔ قوانین کی خلاف ورزی

پر پولیس مداخلت کرتی ہے اور عدالتوں میں جرم ثابت ہوں تو سزا دی جاتی ہے۔ قانون معاشرے کو کنٹرول کرنے کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے۔ اس طرح معاشرہ اپنے کارِ مقصد کو ٹھیک طرح سے سرانجام دیتا ہے۔ ہمارے ہاں قانون بنانے والے اداروں کا نام صوبائی اسمبلی اور قومی اسمبلی ہے۔ یہ ادارے قانون بناتے ہیں۔ قانون میں ترمیم کرتے ہیں ان میں اضافہ کرتے ہیں۔ قانون کو رد کرنے یا اس کی خلاف ورزی کرنے پر سزائیں بھی تجویز کرتے ہیں۔ خوردنی اشیاء میں ملاوٹ قرآنی آیت میں تحریف، جعلی سکے اور نوٹ بنانا۔ امتحانی پرچوں پر راز فاش کرنا، نکاح درج نہ کروانا وغیرہ جرائم میں شامل ہیں۔ اور قانون کی خلاف ورزیاں ہیں اس کے مطابق مجرموں کو سزا دی جاتی ہے یہ سب سے پہلے لوک ریت یا معروف آداب کی خلاف ورزی تصور ہوتے ہیں۔

قانون کے وظائف

- قانون معاشرے میں سخت ضبط قائم رکھتا ہے اور مجرموں کو سزا دیتا ہے۔
- قانون معاشرے میں انصاف قائم رکھتا ہے اور سزا دیتے وقت رعایت نہیں کرتا۔
- قانون افراد میں اتحاد، امن، تنظیم پیدا کرتا ہے جس کے تحت وہ زندگی میں سالمیت پاتے ہیں۔
- قانون لوگوں کو سکون کی زندگی مہیا کرتا ہے اور مجرموں سے تحفظ دلاتا ہے۔
- قانون معاشرے کے تمام اداروں میں معمولات کی تربیت کا نظام قائم کرتا ہے اور اس طرح تمام ادارے قانون کے مطابق چلتے ہیں۔
- قانون معاشرتی حالات و واقعات کا تعین کرتا ہے اور جو واقعہ جن حالات میں رونما ہوں اس کی حد بندی سے اس پر سزا کا تعین کرتا ہے۔

معاشرتی تربیت کا مفہوم اور تعارف

آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ پیدائش کے وقت بچہ گوشت کا ایک لوتھڑا سا لگتا ہے۔ اس کی ضروریات محض دودھ پینے، پیشاب و پاخانہ کرنے اور سونے تک محدود ہوتی ہیں۔ اس

کی یہ ضروریات اس کے والدین پوری کرتے ہیں۔ والدین پر اس کی ان ضروریات کے انحصار سے اس کی معاشرتی تربیت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

''عمرانیات میں معاشرتی تربیت اس عمل کا نام ہے جس کی رو سے بچہ ثقافت کو اپناتا ہے اور ذات اور شخصیت کا مالک بنتا ہے۔ یہ معاشرتی تربیت ہی ہے جس سے انسان کی ابتدائی فطرت کو معاشرتی فطرت میں ڈھالا جاتا ہے۔''

معاشرتی تربیت یا سماجی تربیت

(Socialization) کا ترجمہ سماجیانہ بھی کیا گیا ہے لیکن ہندی الاصل ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں ہوسکا۔ کراچی یونیورسٹی کی شائع کردہ کتاب، فرہنگ اصطلاحات عمرانیات، مصنفہ محمد لطیف احمد حسن، میں اس کا ترجمہ سماجیانہ اور معاشرتی تربیت دونوں دیئے گئے ہیں۔ یہاں معاشرتی تربیت کی اصطلاح کو ترجیح دی گئی ہے۔

مشہور ماہرین عمرانیات آگبرگ اور نمکاف کے نزدیک

''معاشرتی تربیت ایک ایسا عمل ہے جس سے فرد گروہی معمولات کی اطاعت کرنا سیکھتا ہے۔'' معاشرتی تربیت کا عمل بچپن سے شروع ہو کر ساری عمر جاری وساری رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گود سے لے کر گور تک فرد کا معاشرتی تقاضوں اور توقعات سے مطابقت پیدا کرنے کا نام معاشرتی تربیت ہے اور فرد معاشرہ میں رہتے ہوئے ساری عمر نئے افکار وخیالات سیکھتا اور اپناتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر باپ بننا اور خاندان کی ذمہ داریاں سنبھالنا فرد کی بالغ عمر کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ والدین بچوں کو تربیت دینے کا ذریعہ و واسطہ ہیں۔ بچے بڑے ہو کر والدین کا کردار اپنا کر پھر اسی عمل کو دہراتے ہیں۔

معاشرتی تربیت کی اقسام

معاشرتی تربیت یا تو شعوری ہوتی ہے یا لاشعوری

معاشرتی تربیت کا زیادہ تر حصہ لاشعوری ہوتا ہے۔ معاشرتی تربیت کا عمل دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک شعوری اور دوسرا لاشعوری، شعوری حصہ وہ ہوتا ہے جو سمجھ سوچ کر عقل وفکر کو

کام میں لاکر کیا جائے یا سیکھا جائے۔ لاشعوری وہ ہوتا ہے جو بغیر عقل وفکر کے، دیکھا دیکھی اپنایا جائے۔ معاشرتی تربیت کا زیادہ تر حصہ لاشعوری ہوتا ہے جو معاشرے کا رکن ہوتے ہوئے ہم خود بخود سیکھ جاتے ہیں اس کیلئے ہمیں جسم وذہن کی توانائیاں خرچ نہیں کرنا پڑتیں۔

معاشرتی تربیت کے ادارے

تعارف

معاشرتی تربیت کے ادارے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کو ہم رسمی کہہ سکتے ہیں اور دوسرے وہ جو غیر رسمی کہلاتے ہیں۔ اگر معاشرتی تربیت چند مخصوص قواعد اور ضوابط کے تحت ہو تو ایسے ادارے رسمی کہلائیں گے اور ان کی تربیت شعوری قسم کی ہوگی۔ معاشرتی تربیت اگر بغیر کسی قاعدے اور ضابطے کے ہو تو ایسی تربیت لاشعوری تربیت کہلائے گی جو غیر رسمی ادارے سرانجام دیتے ہیں۔ اب ہم مختصر طور پر ان اداروں کا ذکر کریں گے جو معاشرتی تربیت میں حصہ لیتے ہیں سب سے پہلے ہم خاندان کو لیتے ہیں۔

خاندان (Family)

خاندان معاشرتی تربیت کا سب سے اہم ادارہ ہے جس کا فرد پر سب سے گہرا اور انمٹ اثر ہوتا ہے۔ ہر بچہ خاندان میں جنم لیتا ہے۔ ماں کی گود اس کی پہلی درس گاہ ہے۔ گھر میں بچہ والدین اور بہن بھائیوں کے ذریعہ سے اپنی ثقافت کے بنیادی خدوخال سے روشناس ہوتا ہے۔ بول چال کے طریقے، کھانا کھانے، بولنے کے آداب، مختلف اشیاء کے نام، رشتے داروں سے واقفیت، بڑوں سے ملنے کے طریقے، زبان کا سیکھنا، ہر موقع پر کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت، اور مختلف ضروریات کی تسکین وغیرہ اور معاشرتی روایات کا علم خاندان کے ماحول سے سیکھتا ہے ایک بچہ کیا بنے گا اور کیا نہ بنے گا۔ یہی اس کی بنیادی شخصیت کی تعمیر کا وقت ہوتا ہے اور اس عمارت کا سنگ بنیاد خاندان میں ہی رکھا جاتا ہے۔ خاندان کے گھریلو ماحول میں رہ کر اسے فرائض منصبی کا پتہ چلتا ہے۔ معاشرتی توقعات کا علم ہوتا ہے اور ثقافتی روایات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ غرض کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا

نہیں کرنا چاہیے کا ادراک یہیں سے حاصل ہوتا ہے۔خاندان ہماری نفسیاتی، جذباتی اور معاشی ومعاشرتی ضروریات پوری کرتا ہے۔ہارٹ سارٹ کی تحقیق کے مطابق فرد پر اثرات کے لحاظ سے اداروں کا تناسب درج ذیل ہے۔

1-	والدین	55
2-	دوست	25
3-	کھیلوں کے کپتان	14
4-	اساتذہ	4
5-	پادری/مذہبی رہنما	2

یہ تحقیق جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے امریکی معاشرہ سے متعلق ہے مگر پھر بھی اس تحقیق سے بنیادی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ والدین کا بچوں کی تربیت میں سب زیادہ حصہ ہوتا ہے۔

سنگتی گروہ (Pear-Group)

معاشرہ خواہ جدید دور کا ہو یا قدیم کا، خاندان اور سنگتی گروہ دو ایسے ادارے ہیں جو ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔گھر کی چار دیواری سے باہر معاشرتی تربیت کا ایک اہم ادارہ سنگتی گروہ ہے۔ساتھیوں اور دوستوں کا گروہ صرف بچپن کے دور تک ہی نہیں رہتا بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ ہمارے احباب اور دوستوں کا گروہ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔سنگتی حلقہ ہماری شخصیت، ہمارے کردار، عادات، اور اخلاق پر اثر انداز ہوتا ہے۔سنگتی گروہ کی رفاقت اور میل جول سے ہماری ذہنی دنیا کی تعمیر ہوتی ہے۔سنگتی گروہ کا اثر فرد کی شخصیت پر اس صورت میں اور بھی زیادہ ہوتا ہے جب خاندان کا ماحول سخت گیر اور آمرانہ قسم کا ہو۔اس صورت میں بچہ معاشرتی توقعات، روایات، وغیرہ کی تعلیم اپنے ساتھیوں سے حاصل کرتا ہے۔

پڑوسی (Neighbour)

ہم جہاں بھی رہتے ہوں وہاں ہمارا کوئی نہ کوئی ہمسایہ ضرور ہوتا ہے جس کے ساتھ رہنے اور قربت کی وجہ سے ہماری شخصیت کا متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے۔دیہات میں جہاں

پر فرد دوسروں سے نہ صرف ذاتی طور پر واقف ہوتا ہے بلکہ اس سے جذباتی طور پر کسی حد تک وابستہ بھی ہوتا ہے۔ وہاں پڑوس کا دائرہ وسیع اور اہمیت کا حامل ہے۔ دیہات میں اب بھی بچے اپنا زیادہ تر وقت پڑوس کے بچوں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ ان کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا اور کھیلنا کودنا سارا دن جاری رہتا ہے۔ اس ماحول سے بچہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ جدید دور کی مضافاتی بستیوں میں پڑوس کا دائرہ اثر کافی حد تک کم ہوتا جا رہا ہے کیونکہ یہاں افراد کا ہم پیشہ اور باہم مفادات اور دلچسپی والے لوگوں سے پڑوس والوں کی بہ نسبت زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ یہاں پڑوس سے تعلق داری بہت ہی کم ہے۔ اسلام آباد، کراچی حیدرآباد اور لاہور جیسے بڑے بڑے شہروں کے مضافاتی علاقوں میں برسوں قریب رہتے ہوئے بھی افراد ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ تاہم قدیم شہروں جیسے لاہور، حیدرآباد، پشاور، وغیرہ کے قدیمی محلوں میں پڑوس کی اہمیت اب بھی خاصی ہے کیونکہ یہاں زندگی کی ڈگر میں اور تعلقات کی نوعیت میں ابھی تک انقلابی تبدیلی نہیں آئی۔ یہاں بچے ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

مسجد، سکول اور کالج (Mosque, School and College)

معاشرتی تربیت کے رسمی اداروں میں جہاں بچے علم و ہنر باضابطہ طور پر اور چند قواعد وضوابط کی پابندی میں رہ کر سیکھتے ہیں ان میں مسجد، اسکول اور کالج بہت اہم ہیں۔ اکثر پاکستانی بچے اپنی تعلیم کا آغاز مولوی صاحب کے ہاں مسجد میں کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اسکول میں جانا شروع کر دیتے ہیں۔ مسجد میں بچے کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ اور اس میں اسلامی اصولوں کی وضاحت و پیروی پیدا کی جاتی ہے۔ اسکول اور پھر کالج میں جا کر بچہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ اساتذہ کتابوں اور ساتھیوں سے وہ بہرہ ور ہوتا ہے۔ اسکول اور کالج معاشرے کی ضروریات کے مطابق نئی پود ہر سال بھیجتے ہیں۔ جہاں وہ معاشرتی مقاصد اور معاملات کو چلانے کے لئے مختلف فرائض منصبی سرانجام دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی شخصیات پر اسکول و کالج کی تعلیم کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔

ذرائع ابلاغ

ابلاغ عامہ کے ذرائع میں اخبارات، رسائل وجرائد، کتب، ریڈیو وسینما، ٹیلی ویژن وغیرہ شامل ہیں۔ان وسائل کی دولت سے آج ساری دنیا کے طویل فاصلے سمٹ کررہ گئے ہیں۔ان کی وساطت سے ہمیں دوسری ثقافتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اوررسائل سے ہر ملک اپنی پالیسیوں کا پروپیگنڈا کرتا ہے اوراپنے موقف کے بارے میں رائے عامہ کوہموار کرتا ہے۔اخبارات، رسائل، ٹی وی اورریڈیو پر مخصوص نفسیاتی جذبوں سے کام لے کراپنی ثقافت، اقداراور پالیسی کی وضاحت کی جاتی ہے۔تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے متاثر ہوسکیں۔آج کے دور میں فرد پرابلاغ عامہ کے ذرائع ہر طرف سے حملہ آور ہیں اور متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔

اہم سوالات

1- ثقافت سے کیا مراد ہے (تعریف، مفہوم اوراقسام) نیز معاشرہ میں ثقافت کی اہمیت پرروشنی ڈالیں؟

2- پاکستانی ثقافت کی خصوصیات بیان کریں اور پاکستانی ثقافت پر دیگر ثقافتوں کے اثرات کا جائزہ لیں؟

3- مختلف سماجی عادات ورسومات اورقوانین کی اہمیت کریں؟

4- سماجی تربیت سے کیا مراد ہے نیز مختلف سماجی عوامل کی وضاحت کریں؟

باب نمبر 3

سماجی ادارے

1- سماجی اداروں کی تعریف اور تشریح/ مفہوم

2- سماجی اداروں کی اقسام

3- مندرجہ ذیل سماجی اداروں کے وظائف

خاندان کا ادارہ، مذہبی ادارے، سیاسی ادارے

مالیاتی ادارے، تعلیمی ادارے، سماجی ادارے اور ان کی اہمیت

باب نمبر3

سماجی یا معاشرتی ادارے

(Social Institutions)

تعارف

معاشرے کے مطالعے میں معاشرتی ادارے اہم حیثیت رکھتے ہیں چونکہ ہم پاکستانی معاشرہ، اس کی ضروریات اور مسائل کا مطالعہ کر رہے ہیں لہٰذا معاشرتی اداروں کا مطالعہ ہمارے مطمع نظر کو حاصل کرنے میں بڑا مددگار ہوگا ماہرین کہتے ہیں حقیقت میں معاشرہ ان چند اداروں کا مجموعہ ہوتا ہے جن کی بدولت افراد کی ضروریات کی تسکین ممکن ہوتی ہے۔ ادارے معاشرتی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیں معاشرتی بقاء اور وجود کا احساس ہوتا ہے۔ بیشمار تغیرات و انقلابات صدیوں کے باوجود معاشرہ اداروں کی معرفت اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے۔ معاشرتی ڈھانچے کا تانا بانا یہی ادارے فراہم کرتے ہیں۔ گڈنگز کے الفاظ میں ''ادارے وہ ذرائع ہیں جو نسل انسانی کے کارناموں کو محفوظ رکھتے ہیں۔''

ڈرخائم کے قول کے مطابق:

''معاشرتی اداروں کا مطالعہ ہی معاشرے کا مطالعہ ہے'' ارسطو نے انسان کو معاشرتی حیوان قرار دیا ہے۔ وہ اس لیے کہ اکیلا انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور تمام ضروریات کے حصول کی خاطر اسے کسی مددگار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضروریات کے حصول کا یہی ذریعہ فرد اور معاشرے میں مختلف تعلقات کو جنم دیتا ہے۔

معاشرے کے بغیر انسان کا وجود ناممکن ہے۔ لہٰذا انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باہمی میل جول کا سہارا لیتا ہے۔ اور معاشرہ میں کسی قسم کی ترقی اس وقت تک عمل میں نہیں آ سکتی جب تک اسے منظّم طریقہ سے استوار نہ کیا جائے۔ انسانی ضروریات کو اور سرگرمیوں کو پورا کرنے والی اس تنظیم کو ادارہ کہتے ہیں۔ یہ ادارے معاشرے میں اپنے قیام کے لیے انسانی ضروریات کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ اور افراد کے کردار کا معیار مقرر کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

معاشرتی ادارے کا مفہوم

معاشرے میں بڑے بڑے وظائف جن سے انسانی احتیاجات کی تسکین ہوتی ہے۔ ان متعلقہ معاشرتی معمولات اور لوک رِیت کا سلسلہ اور مجموعہ ''ادارے'' کہلاتے ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے انسان کی متعدد احتیاجات اور ضرورتیں ہوتی ہیں۔

مختلف انسانی احتیاجات کی تکمیل و تسکین کے لئے معمولات اور لوک ریت جنم لیتے اور باہم وابستہ ہوتے ہیں جن سے ادارے وجود میں آتے ہیں۔

1- سیمر اور کیک کے الفاظ میں!

''ادارہ ایک دلچسپی یا سرگرمی عمل کا نام ہے جس سے متعدد لوک ریت اور رسم و رواج وابستہ ہوں۔''

2- گرین کے مطابق

''گرین کے مطابق ادارہ متعدد لوک ریت اور معاشرتی مصروفیات کی ایک اکائی میں تنظیم کا نام ہے جو کئی معاشرتی وظائف سرانجام دے۔''

3- بارنس کے نزدیک

''معاشرتی ادارے سے مراد معاشرتی ڈھانچہ اور کل پرزے ہیں جن کے ذریعے معاشرہ انسانی احتیاجات کی تسکین سے متعلق سرگرمیوں کی تنظیم، رہنمائی اور تعمیل کرتا ہو۔''

ہر سماجی ادارہ افراد اور گروہوں کے رشتوں کو منظّم و مربوط کرتا ہے اور انہی کے ذریعے گروہ کے طرز بود و باش، رسم و رواج اور طور طریقوں کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ یہ

معاشرہ کے ایسے پہیے ہیں جو معاشرتی زندگی کو رواں دواں رکھتے ہیں۔

(1) سی۔ایل ووڈ (C.L.WOOD) کے نزدیک ''ادارے مل جل کر رہنے کے وہ دائمی اور مستقل طریقے ہیں جو کہ معاشرہ کی طرف سے تسلیم شدہ ہوں اور نظم وضبط رکھتے ہوں۔''

(2) اگبرن اور نمکاگ لکھتے ہیں کہ ''سماجی ادارے منظّم اور مربوط طریقے ہیں جن سے مخصوص انسانی ضروریات کی تسکین ہوتی ہے۔''

(3) ای۔اے۔روز (E.A.Rose) نے کہا، ''ایسی گروہ بندی یا تعلقات جن کو معاشرہ قبول کرتا ہے۔''

(4) ڈکشنری آف سوشیالوجی میں ہے، ''طرزِعمل' تعلقات' عملہ اور مادی آلات جو کسی خاص سماجی مقصد یا مفاد کے لئے جمع کیے گئے ہوں سماجی ادارہ کہلاتے ہیں۔''

(5) ڈکشنری آف انتھروپالوجی میں سماجی ادارہ کی تعریف یوں کی گئی ہے ''ہر معاشرتی ادارہ چند معاشرتی معمولات کا مستقل مجموعہ ہے جو دیرپا اور مرکب کردار سے بنا ہے تا کہ معاشرتی دباؤ ڈالا جا سکے۔یہ افراد کی بنیادی احتیاجات کو بھی پورا کرتا ہے۔''

(6) برٹرنڈ (Bertrand) لکھتے ہیں ''ادارے سماجی تعلقات کے وہ نظام ہیں جو مختلف انسانی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔''

(7) ہورٹن اور ہنٹ (Horton and Hunt) کی رائے میں ''سماجی ادارہ مربوط سماجی تعلقات کا نظام ہے جس کی مخصوص اقدار اور طریقہ کار ہوتے ہیں اور وہ معاشرہ کی مخصوص ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔''

(8) ینگ اور میک (Young and Mack) کے خیال میں ''معاشرتی معمولات کے باہمی تعلق کا نام ادارہ ہے۔'' نتیجتاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ادارہ ایسا گروہ ہوتا ہے جس نے ایک مخصوص طرزِعمل اپنا لیا ہو اور روانی سے اپنے فرائض ادا کر رہا ہو۔

(9) چارلس ونک (Charles Wink) کے خیال میں ''ادارہ معاشرتی معمولات کا ایک ایسا مستقل ادارہ ہے جو دیرپا ہو نیز کسی قدر مربوط ہوتا کہ وہ اپنے ارکان پر معاشرتی دباؤ ڈال سکے۔یہ افراد کی بنیادی احتیاجات کو پورا کرتا ہے۔''

سماجی اداروں کی بنیادی اقسام

ماہرین نے سماجی اداروں کی بنیادی طور پر دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

(1)قدرتی ادارے (2)اختیاری ادارے

1)قدرتی ادارے

یہ وہ ادارے ہیں جو کہ افراد اپنی پیدائش کے ساتھ ہی قدرتی طور پر خو بخود ان کے رکن بن جاتے ہیں۔ یہ ادارے فرد کے تحفظ' بقاء' اخلاق و کردار کی تشکیل ونشو ونما کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہ ادارے دنیا کے ہر خطے میں ہر قبیلے اور ہر ریاست میں موجود ہوتے ہیں۔ ان اداروں کی مثال خاندان ہے جو روز اول سے قدرتی طور پر موجود ہے۔خاندان کی مثالیں اوران کے وظائف بھی عالمگیر حیثیت وافادیت رکھتے ہیں۔

2)اختیاری ادارے

یہ ادارے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی رکنیت بھی اختیاری ہوتی ہے اور فرد جب چاہے ان اختیاری اداروں میں شامل ہوسکتا ہے اور جب چاہے نکل سکتا ہے۔

اختیاری ادارے درج ذیل ہیں۔

(1)مذہبی ادارے (2)تعلیمی ادارے (3)سیاسی ادارے

(4)معاشی ادارے (5)تفریحی ادارے

سماجی یا معاشرتی اداروں کی دیگر اقسام

بڑے بڑے معاشرتی اداروں میں خاندان، شادی اور معاشی، سیاسی، مذہبی، تعلیمی اور تفریحی ادارے قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ ضرورت کے پیش نظر ان کی مزید تقسیم بھی کی جاسکتی ہے۔ ہرٹزلر (HERTZLER) نے اپنی کتاب معاشرتی اداروں میں اداروں کی درج ذیل بڑی بڑی اقسام بیان کی ہیں۔

(1) معاشی و صنعتی ادارے
(2) ازدواجی وخانگی یا خاندانی ادارے
(3) سیاسی ادارے
(4) مذہبی ادارے
(5) اخلاقی ادارے
(6) تعلیمی وسائنسی ادارے
(7) ابلاغی ادارے
(8) تفریحی ادارے
(9) امن وامان کے ادارے
(10) قانون بنانے کے ادارے
(11) صحت کے متعلق ادارے

سماجی یا معاشرتی اداروں کے وظائف

معاشرتی اداروں کے وظائف انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ انفرادی طور پر ہر ادارہ اپنے مخصوص دائرہ کار میں اپنے وظائف سرانجام دیتا ہے اور ساتھ ساتھ اجتماعی فرائض بھی پورے کرتا ہے۔ ذیل میں ہم ان کے چیدہ چیدہ وظائف کا ذکر کرتے ہیں۔

1) ضرورتوں کی تکمیل و تسکین کرنا

ادارے انسانی ضروریات کی تسکین کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ خاندانی ادارہ، تسکین جنس، بقائے نوع اور بچوں کی پرورش جیسے اہم وظائف پورے کرتا ہے حکومت امن وامان کی پاسداری اور شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کرتی ہے۔ اقتصادی ادارے روٹی، کپڑا، مکان وغیرہ کی ضرویات پوری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے احکام کی تعمیل مذہبی اداروں سے ہوتی ہے۔ غرضیکہ تمام بڑے بڑے معاشرتی ادارے مختلف اقسام کے وظائف ادا کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر دوسرے اداروں کے وظائف بھی سرانجام دیتے ہیں مثلاً خاندان، تعلیمی اور مذہبی ادارے تینوں مل کر بچوں کی تعلیم کا فرض سرانجام دیتے ہیں۔

2) ثقافت کی منتقلی کرنا

معاشرہ اداروں کے مجموعے کا نام ہے اور یہ ادارے ایک نسل سے دوسری نسل تک ثقافت کی ترویج میں حصہ لیتے ہیں۔ اس طرح ثقافت میں ترقی بھی ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہر نئی نسل پچھلی نسل کے کارناموں کو آگے بڑھاتی ہے۔

3) شخصیت کی تعمیر کرنا

خاندانی، مذہبی، تعلیمی اور سیاسی ادارے تصور ذات اور سیرت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ہر ثقافت چند مماثل اوصاف کی حامل ہوتی ہے جو ایک نمائندہ شخصیت بنانے میں مدد دیتے ہیں۔اداروں کے اختلاف سے مختلف ثقافتوں میں شخصیتوں کے اختلاف کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔کیونکہ ہر ادارہ شخصیت کی تعمیر، مروجہ ثقافتی اسلوب اور معیارات کی روشنی میں کرتا ہے۔

4) معاشرتی ہم آہنگی

معاشرے کا ہر ادارہ اپنے معاون وظائف اس طرح سرانجام دیتا ہے کہ اس سے گرد ہی استحکام کو تقویت ملتی ہے۔ خاندانی، مذہبی اور تعلیمی ادارے افراد میں جذبہ ایثار، تعاون اور یگانگت پیدا کرتے ہیں۔ جب مختلف افراد میں جذبات جڑ پکڑ جاتے ہیں تو اس سے معاشرتی ہم آہنگی اور نظم وضبط پیدا ہوتا ہے جو معاشرے کو استحکام بخشتا ہے۔

5) جذبات اطاعت وحب الوطنی

مذہبی، خاندانی اور تعلیمی ادارے جذبہ اطاعت، قربانی، ایثار اور باہمی احترام کو پروان چڑھاتے ہیں جبکہ سیاسی ادارے اطاعت، حب الوطنی اور وفاداری کے فضائل وخصائل پیدا کرتے ہیں۔

6) افزائش وبقائے نسل انسانی

خاندانی ادارہ افزائش نسل انسانی کا ضامن ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی نسل کی بقاء اور اس کو امن وحفاظت بھی مہیا کرتا ہے جبکہ دوسرے ادارے یعنی معاشی، سیاسی، مذہبی اور تعلیمی ادارے انسان کی زندگی کی مختلف ضروریات کو پورا کرتے ہیں تا کہ انسان عزت سے زندہ رہ سکے۔ سب ادارے اپنے اپنے انداز میں بنی نوع انسان کی بقا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انسانی تاریخ میں بہت سی قومیں محض اس لئے معدوم ہوگئیں کہ ان کے ادارے مختلف وظائف کو سرانجام دینے میں ناکام ثابت ہوئے۔ معاشرتی ادارے

معاشرے کی بقاء اور افزائش کا سبب ہیں۔ ان سے ہی ہمیں معاشرہ کے وجود کا احساس ہوتا ہے۔

7) معاشرتی ضبط کی پاسبانی

معاشرتی نقطہ نظر سے ادارے منظّم، مسلم اور مرتب شدہ کردار کو واضح کرتے ہیں اس لئے یہ ثقافت کے بنیادی اسلوب کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ ان سے ہمیں جائز و ناجائز کردار و عمل کے پیمانوں کا پتہ چلتا ہے۔ معاشرتی روایات سے معاشتی ادارے رسمی اور غیر رسمی ضبط کو بروئے کار لاتے ہیں جس میں خاندان، مذہب اور تعلیمی اداروں کے قواعد و ضوابط افراد پر غیر رسمی دباؤ ڈالتے ہیں۔ ان سے انعام و اکرام، عزت و تکریم، مار پیٹ، تعریف و توصیف اور تحقیر و مضحکہ اور دیگر ایسے ہی ذرائع سے لوگوں کو نوازا اور کنٹرول کیا جاتا ہے۔ رسمی ضبط کا اطلاق حکومت قوانین، عدالتوں اور پولیس کے ذریعے کرواتی ہے۔

8) معاشرتی اداروں کا باہمی تعلق

ادارے معاشرتی نظام کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس لئے معاشرتی نظام کی وحدت، اتحاد اور ہم آہنگی کے لئے اس کی اکائیوں کا باہمی طور پر مربوط ہونا ضروری ہے۔ ہر ادارہ اپنے اپنے وظائف صحیح طور پر سرانجام دے رہا ہو تو اس سے امن و سکون اور استحکام بحال ہوتا ہے جیسا کہ قدیم معاشروں میں زندگی ایک ہی ڈگر پر دریا کے بہاؤ کی مانند بغیر کسی رکاوٹ کے رواں دواں ہوتی تھی۔ معاشرے کو اگر مختلف مسائل کی تلخی سے بچانا ہو تو مختلف اداروں میں باہمی اتحاد اور بط کا پایا جانا لازمی ہے۔ جدید زمانے میں معاشرتی پیچیدگی کی بناء پر یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ اداروں کے وظائف میں آئے دن تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور تغیرات کی وجہ سے وظائف آپس میں گڈ مڈ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہر ادارے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ افراد کو معاشرتی و ثقافتی معیار کے مطابق تربیت دے کیونکہ ہر آدمی معاشرے کے بہت سے اداروں کا ممبر ہوتا ہے اور مختلف اداروں میں اپنے کام سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ ہر ادارہ اس کام کو انجام تک پہنچانے کے لئے مختلف اصول وضع کرتا ہے اور اپنے افراد کی تربیت اپنے وضع کردہ معیاروں کے مطابق کرتا ہے۔

افراد کی شخصیت ان مختلف اداروں میں ابھرتی ہے۔ اس طرح ان میں تمام معاشرتی اداروں کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی شخصیت ان تمام خصوصیات کی حاصل

ہوتی ہے جن میں اس نے تربیت پائی ہے۔ مثال کے طور پر ایک بچے کو دیکھئے جو ایک خاندان میں پیدا ہوا وہ خاندان کے اصول وضوابط کے مطابق پرورش پاتا ہے۔ یہ اصول اس کی شخصیت پر نمایاں اثر چھوڑتے ہیں۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو گلی محلے کے بچوں سے اس کی دوستی ہوتی ہے جن سے وہ چند نئی باتیں سیکھتا ہے۔ پھر تعلیم کے حصول کے لئے اسے سکول جانا ہوتا ہے وہاں وہ اپنے اساتذہ اور ہم جماعتوں کا اثر قبول کرتا ہے۔سکول کے اصول وضوابط اس کی شخصیت کو نکھارنے کا کام کرتے ہیں۔ وہ عمر کے اس حصے میں ہے کہ اس کو سکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جائے تا کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق ذہن کو بنائے اور شخصیت کی تعمیر کرے۔ جس کے لیے اُسے مذہبی ادارے میں تربیت حاصل کرنا ہوتی ہے جب وہ بڑا ہوتا ہے تو روزی کمانے کے لئے اسے معاشی اداروں کا رخ کرنا پڑتا ہے اور ایک بااصول اور پرامن شہری بننے کے لئے حکومت کے قوانین کو جاننا پڑتا ہے تا کہ وہ کسی غلطی کا مرتکب نہ ہو سکے۔

اس مثال سے اس بات کی وضاحت ہوگئی ہوگی کہ کس طرح مختلف ادارے مل کر انسان کی شخصیت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

خاندان کا ادارہ

موجودہ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے دور میں معاشی اور تعلیمی تبدیلیوں کے سبب خاندان کے چند وظائف حکومتی اداروں نے لے لیے ہیں۔اس کے باوجود خاندان کی سماجی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اب بھی خاندان ہی افراد کو تحفظ اور خلوص ومحبت مہیا کرتا ہے بچوں کی نگہداشت، دوستی، بھائی چارہ، رومانس، خلوص اور جنسی آسودگی ہر سماج میں خاندان کے وظائف سمجھے جاتے ہیں، اور ہر جگہ خاندان ان کو پورا کر رہا ہے۔ والدین بچہ کی پرورش کرتے ہیں اور ان کو پیار ومحبت دیتے ہیں جو ان کی شخصیت کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ اکثر والدین ناراضگی کا اظہار کر کے بچے کے اخلاق کو بلند کرتے ہیں۔ اور اُن کو مہذب بناتے ہیں۔

خاندان جنسی تعلقات کو استوار کرتا ہے۔ شوہر، بیوی اور بچوں کے درمیان محبت

سے خاندانی زندگی مستحکم ہوتی ہے۔ خاندان میں اعتماد اور اتحاد پیدا ہو جاتا ہے جس کے سبب ہر شخص دوسرے کے لئے قربانی دینے کو تیار رہتا ہے۔ جوں جوں ہماری زندگی تجارتی ہوتی جاتی رہی ہے ہمیں خاندان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا جا رہا ہے، اس جدید دور میں خاندان ہی ایک واحد ادارہ رہ گیا ہے، جو افراد کو محبت تحفظ اور سکون مہیا کر سکتا ہے۔

بحیثیت ادارہ خاندان کی اہمیت

اگر ہم غور سے دیکھیں تو معاشرے کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ معاشرہ مختلف سماجی اداروں کے مجموعے کا نام ہے جب بھی معاشرے کا ذکر ہوتا ہے دراصل اس سے مراد یہاں کے سماجی ادارے اور ان کا کردار ہوتا ہے۔ ان سماجی اداروں میں سب سے اہم اور بنیادی اہمیت کا ادارہ خاندان ہے یہ وہ سماجی ادارہ ہے جس پر تمام معاشرتی ڈھانچہ تعمیر کیا گیا ہے فرد کی شخصیت اور معاشرے میں اس کے کردار کا تعین اس کا خاندان ہی کرتا ہے یہی وہ ادارہ ہے جو فرد کی پیدائش سے لے کر اس کی وفات تک اس کا ساتھ دیتا ہے۔

خاندانی اداروں کی تعریف

''خاندان افراد کا ایک مجموعہ ہے جو شادی، خون اور متبنیٰ کے رشتوں میں منسلک ہوں اور ان کے درمیان محبت و خلوص کے جذبات پائے جاتے ہوں اور وہ مشترکہ ثقافت کو جنم دیتے ہوں۔''

خاندان بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش، مذہب، معشیت، تفریح، تعلیم اور معاشرتی تربیت کا مرکز ہوتا ہے۔

ماہرین عمرانیات نے خاندان کی مندرجہ ذیل تعریفیں کی ہیں:

گلٹن کی تعریف: ''خاندان افراد پر مشتمل ہوتا ہے جن میں خونی یا اور کوئی قریبی رشتہ پایا جائے۔''

بوگارڈس کے مطابق: ''خاندان ایک مختصر سماجی گروہ ہے جو عام طور پر ایک باپ ایک ماں اور ایک یا ایک سے زیادہ بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

مختلف ماہرین عمرانیات نے خاندان بحیثیت سماجی ادارہ کے مختلف تعریفیں کی ہیں

لیکن اگران سب تعریفوں کو یکجا کریں تو خاندان کی تعریف کچھ یوں ہوگی۔

''خاندان ایک سماجی ادارہ ہے جس میں افراد خون، شادی یا متبنیٰ کے رشتوں سے منسلک ہو کر ماں، بہن، بیٹی، اور بھائی وغیرہ کے روپ میں رہ رہے ہوں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خاندان ایک بنیادی' اور اہم ادارہ ہے جو اپنے معاشرے کی اقدار کے مطابق کسی خاص کام کو سرانجام دینے کے لئے وقوع پذیر ہوتا ہے۔'' خاندان کی تعریف آسان لفظوں میں یوں کی جاسکتی ہے کہ'' خاندان دو یا دو سے زیادہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے جن کا بنیادی مقصد بچے پیدا کرنا اور انہیں اس طرح پرورش کرنا ہے کہ وہ معاشرے کے کارآمد رکن بن سکیں۔'' اس کے علاوہ خاندان کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ'' خاندان چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ شادی، خون یا متبنیٰ کے رشتے کی وجہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ افراد اپنے آپ کو معاشرے کی ایک مکمل اکائی کی حیثیت سے پہچانتے ہیں اور بیشتر ضروریات مل جل کر پوری کرتے ہیں۔'' معاشرے کی بقاء کے لئے خاندان کو تمام دنیا میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں خاندان وہ ادارہ ہے جس سے نسل انسانی کی بقاء وابستہ ہے جو انسان کو تربیت دے کر اسے معاشرہ کا کارآمد رکن بناتا ہے۔ انسان کی ابتدائی تربیت کا ذمہ دار خاندان ہے۔ ثقافتی معمولات انسان ماں کی گود ہی سے سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ فرد کی تمام بنیادی ضروریات پوری کرنا خاندان کی ذمہ داری ہے۔ بہرحال خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس کے ساتھ انسان سب سے زیادہ اپنائیت محسوس کرتا ہے۔ اپنائیت کا بھی احساس بعد میں اس کی شخصیت کے نکھارنے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ ان ہی خصوصیات کی بناء پر خاندان کو بحیثیت ادارہ معاشرے کے تمام اداروں میں بنیادی اور اہم مقام حاصل ہے۔

خاندان کی اقسام

خاندان کو مختلف وجوہات کی وجہ سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے ان کی بنیادی اقسام چار ہیں جو ساخت اقتدار نسب اور رہائش کے لحاظ سے تقسیم کی گئی ہیں ان کو حسب

ذیل خاکے سے یوں واضح کیا جاسکتا ہے۔

ساخت کے لحاظ سے خاندان کی اقسام درج ذیل ہیں:

1) مشترکہ خاندان (Combined Family)

"جب ماں باپ یا میاں بیوی اپنے غیر شادی شدہ اور نرینہ شادی شدہ بچوں کے ساتھ کسی گھر میں رہ رہے ہوں اس خاندان کو مشترکہ خاندان کہا جاتا ہے۔"

یہ خاندان شوہر، بیوی اور چند دوسرے رشتہ داروں پر مشتمل ہوتا ہے اس قسم کے خاندان میں بعض اوقات دو، دوتین، تین نسلیں اکٹھی رہتی ہیں یہ افراد ایک ہی گھر میں اور ایک ہی جگہ اکٹھے کھاتے پیتے ہیں۔ مثلاً دادا، دادی، ان کے بیٹے اور بہوئیں اور پھر ان کے بچے اور ان کی بیویاں۔ ان افراد کی پیشہ کی تجارت یا زمینداری سب اکٹھی ہوتی ہے اگر ان میں کچھ نوکری پیشہ ہوں تو وہ سب اپنی آمدنی ایک جگہ اکٹھی کر کے گھر کے تمام افراد کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور ہر قسم کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ بچے خاندان کی مشترکہ ذمہ داری ہوتے ہیں۔ ایک انسان انفرادی طور پر کچھ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے ہر عمل کے لیے خاندانی اقدار و روایات کا پابند ہوتا ہے ہر فرد پورے خاندان کی بہبودی و نیک نامی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر بچے کی پرورش اور فلاح و بہبود سارے خاندان کی ذمہ داری ہوتی ہے مثال کے طور پر اگر کسی بچے کی ماں مر جائے یا وہ کسی اور وجہ سے والدین سے الگ ہو جائے تو خاندان کے دوسرے افراد اس بچے کو ہر قسم کے احساس محرومی میں مبتلا ہونے سے بچائیں گے۔ اس طرح بچے احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے ہیں اور ان کی بقیہ زندگی متاثر ہونے سے بچ جاتی ہے۔ ہمارے دیہات میں اس قسم کے خاندانوں کا رواج ہے۔ شہروں میں بھی اس قسم کے خاندان کثیر تعداد میں موجود ہیں، گو مقابلتاً ان کی تعداد گاؤں کی نسبت کم ہے۔

2) سادہ خاندان (Simple Family)

خاندان کی یہ قسم بیوی، شوہر اور ان کی ایسے غیر شادی شدہ بچوں پر مشتمل ہوتا ہے جو عام طور پر اپنی کفالت خود نہیں کر سکتے۔ فی زمانہ ترقی یافتہ معاشروں کا مطالعہ کرنے سے پتہ

چلتا ہے کہ وہاں خاندان کی یہی قسم رائج ہے۔ان کے رواج کے مطابق بچہ جونہی ذرا بڑا ہوکراپنی کفالت کے قابل ہوتا ہے وہ اپنا علیحدہ گھر بنالیتا ہے ماں باپ کے ساتھ عموماً وہی بچے رہتے ہیں جو کافی چھوٹے ہوں اوراپنی ضروریات خود پوری کرنے کے قابل نہ ہوں۔ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات مثلاً تقسیم کار، صنعتی ترقی، مخصوص تخصیص کار وغیرہ کی وجہ سے اب ترقی پذیر مما لک میں بھی اسی قسم کے خاندان کا زیادہ رواج ہورہا ہے۔ پاکستان میں بھی خاص طور پر شہری، آبادی میں خاندان کی یہی شکل رواج پا رہی ہے۔اس قسم کے خاندان کے افراد میں صرف شادی ہی وجہ رشتہ ہوتی ہے۔اس لیے یہ عام طور سے سادہ یا مرکزی خاندان ہی کہلاتا ہے۔

3) یک سربراہ خاندان (Single Parent Family)

یہ وہ خاندان ہے جس میں ماں باپ میں کسی وجہ سے علیحدگی ہوگئی ہے بچے اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہ رہے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ بچے والد کے ساتھ رہ رہے ہوں اور کچھ والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہوں۔اس قسم کے خاندان عموماً مغربی اور یورپی مما لک میں موجود ہیں بہت کم تعداد میں یہ خاندان پاکستان میں بھی موجود ہیں۔

اقتدار واختیار کے لحاظ سے نسلی خاندان کی اقسام

خاندان نے زمانے کے ساتھ ساتھ کچھ ارتقائی منازل طے کرلی ہیں۔ یہ منازل اقتدار کے لحاظ سے مندرجہ ذیل ہیں۔

1) پدرسری خاندان (Patriarchal Family)

ایسا خاندان جس میں مرد خاندان کا سربراہ ہو، اہم ترین فیصلوں کا وہ ذمہ دار ہو، بیوی اور بچوں پر اسے ہر حال میں فوقیت ہو اور وہ اس کے احکام کے پابند ہوں، پدرسری خاندان کہلاتا ہے۔اگرچہ ایسے خاندان میں کچھ حقوق عورت کے بھی ہوتے ہیں لیکن مرد کی حاکمیت مستند ہوتی ہے۔

2) مادرسری خاندان (Matriarchal Family)

اس قسم کے خاندان میں اکثر اقتدار عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ خاندان کی سربراہ ہوتی ہے اور تمام افراد اس کے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ عورت خاندان کے جملہ امور طے کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ معاشی مسائل کی بھی وہی ذمہ داری ہوتی ہے۔

3) جمہوری خاندان (Democratic Family)

خاندان کی اس قسم میں شوہر اور بیوی متفقہ طور پر خاندانی امور طے کرتے ہیں عورت مرد کا ہر معاملے میں مثلاً جسمانی، ذہنی، معاشی اور تعلیمی لحاظ سے ساتھ دیتی ہے۔ یہ قسم آج کل کے ترقی یافتہ معاشرہ کی پیداوار ہے۔

نسب کے لحاظ سے خاندان کی اقسام

1) پدر نسبی (Patrilinear)

اس قسم میں بچے کا نسب باپ دادا سے ملایا جاتا ہے اور جائداد و املاک بھی بچوں کو باپ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔ موجودہ متمدن دنیا میں نسب کے لحاظ سے خاندان کی یہی قسم رائج ہے۔

2) مادر نسبی (Matrilnear)

اس قسم کے خاندان میں بچے کا نسب ماں اور نانی سے ملایا جاتا ہے۔ عرب معاشرے میں لڑکی کا تعلق ماں سے اور لڑکے کا تعلق باپ سے ملایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے عرب میں خاندان دو نسبی کہلاتے ہیں۔

رہائشی کے لحاظ سے خاندان کی قسمیں

رہائش کے لحاظ سے خاندان کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1) پدر مقیمی (Patrlocal)

اگر دولہا اور دلہن شادی کے بعد دلہا کے اہل خانہ کے ساتھ جا کر رہائش اختیار کریں

تو یہ قسم پدر مقیمی کہلائے گی۔ پاکستان اور دنیا کے بیشتر تہذیب یافتہ اقوام میں یہی خاندان رائج ہے۔

2) **مادر مقیمی** (Matrilocal)

اگر دلہا اور دلہن شادی کے بعد دلہن کے اہل خانہ کے ساتھ جا کر رہائش اختیار کریں تو اس قسم کا خاندان مادر مقیمی کہلاتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں اگر داماد سسرال کے ساتھ رہائش اختیار کرتا ہے تو وہ گھر داماد کہلائے گا اور ایسے آدمی کو اکثر عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ کیونکہ ایسا کرنا سماجی اقدار کے خلاف ہے۔

3) **آزاد مقیمی** (Independent)

اس خاندان میں میاں بیوی اپنے والدین سے علیحدہ رہائش اختیار کرتے ہیں اور وہ اپنا علیحدہ گھر بنا کر رہتے ہیں۔ آج کل مغربی اور دوسرے متمدن معاشروں میں اس قسم کا رواج عام ہے۔

مذہبی ادارے

(Religious Institutions)

مذہبی اداروں کی تعریف و وظائف کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ مذہب کے معانی و مطالب کا مختصراً جائزہ لیا جائے۔ مذہب انسان کے ساتھ زمانہ قبل از تاریخ سے ہے۔

بوکٹ

بوکٹ کے مطابق مذہب یونانی لفظ ریلی جو (Religo) سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی جمع کرنا گننا یا مشاہدہ کرنا ہیں۔ اس طرح مذہب سے مراد اُن افعال کا کرنا ہے جو انسان کا مافوق الفطرت اشیاء کے ساتھ رابطہ قائم کرتے ہیں۔ اس طرح تمام مذاہب مافوق الفطرت قوت کی طرف ایک مخصوص رویہ رکھتے ہیں اور عقائد و رسومات کے ذریعہ اس رویہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ماہرین عمرانیات نے مذہب کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ذیل میں چند تعریفیں پیش کی جاتی ہیں۔

1-اے ڈبلیو: گرین کے الفاظ میں ”مذہب عقائد علامتی روایات اور مفروضات کا ایسا نظام ہے جس پر علم کے بجائے ایمان کی حکمرانی ہو اور جو انسان کو ایک ایسے اَن دیکھے مافوق الفطرت جہان سے وابستہ کرتا ہو جسے جاننا اور مسخر کرنا اس کے قابو سے باہر ہو۔“

2-اے بی ڈبلیو: ٹیلر کے خیال میں۔”مذہب سمجھ میں نہ آنے والی بات کو سمجھنے نا قابل قیاس کو قیاس میں لانے اور لامحدود کو احاطہ علم میں لانے کی تمنا کا نام ہے۔“

3-ورکیم: ورکیم کے نزدیک ”مذہب ایک عقائد ورواج کا ایک ایسا مربوط نظام ہے جو کہ اشیاء سے متعلق ہے اور اپنے معتقدین کو یکجا کرتا ہے۔“

4-ینگر: ینگر کے مطابق ”مذہب ہماری زندگی کے اضافی، وقتی اور الم انگیز پہلوؤں کو مستقل، پائیدار اور امید افزا آفاقی حقیقتوں سے منسلک کر دیتا ہے۔“

دنیا میں جن بڑے بڑے مذاہب کو مانا جاتا ہے ان میں قابل ذکر اسلام، عیسائیت، یہودیت اور بدھ مت ہیں۔ان کے علاوہ بھی بے شمار مذاہب ہیں جن کے ماننے والوں کی تعداد کم ہے۔ان مذاہب کو پھیلانے اور ان کے اصولوں کو روشناس کروانے کے لئے مختلف ادارے ہر معاشرے میں قائم ہیں جو مذہبی ادارے کہلاتے ہیں۔یہ ادارے اپنے اپنے انداز اور عقیدے کے مطابق اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

ماہرین نے مذہبی اداروں کی تعریف یوں کی ہے:

مذہبی ادارے کی تعریف محمد اقبال چودھری کے الفاظ میں ”مذہبی ادارہ ان عقائد اور دستوروں کا ایک نظام ہے جو ایسے انسانی واقعات پر اثر انداز ہوتے ہیں جن کی وضاحت کرنے سے انسان عاجز ہوتا ہے۔“

مذہبی اداروں کے فرائض

1) معاشرتی استحکام کا باعث

مذہبی خیالات اور جذبات کی ہم آہنگی ہر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔اس

کے لئے کوئی خاص طریقہ کار استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ ایک مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں خود بخود بات پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ مذہب ان کو ایک جیسے عقائد اور ایک جیسے طریقہ کار سے روشناس کرواتا ہے۔ جس پر عمل کرنا ہر پیروکار کا فرض سمجھا جاتا ہے جب لوگ ذہنوں میں ایک ہی عقیدہ لئے ہوئے کوئی کام کرتے ہیں تو مختلف لوگوں کے کاموں میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

''اے لوگو! پکڑے رکھو اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ اور آپس میں اختلاف مت پیدا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کی اور اس کی مہربانیوں کی بدولت بھائی بھائی بن گئے۔''

اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ جو کہ آپس میں دشمن تھے صرف اسلام کے رشتے سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور بھائی بھائی بن گئے۔ انہوں نے جب ایک عقیدہ اپنایا تو اپنے اختلافات بھول گئے۔

اسی طرح دوسرے مذاہب کا مطالعہ بھی کریں تو پتہ چلتا ہے کہ صرف مذہب کی بدولت ان معاشروں میں استحکام پایا جاتا ہے۔ جس معاشرے میں مذہب کا اثر جتنا زیادہ ہوگا وہاں معاشرتی استحکام بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

2) معاشرتی کنٹرول کا ضامن

ہر مذہب اپنے پیروکار کے لئے اچھائی برائی کے معیار متعین کرتا ہے اور علمائے دین لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ان کو زندگی کس انداز میں اور کن حدود کے اندر رہ کر گزارنی ہے۔ ہر مذہب میں خیر کی طاقت کے عقیدے کے ساتھ ساتھ برائی کی طاقت کا تصور بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے ہاں خدائے بزرگ و بدتر اور شیطان کا ہے، اور یہ بتایا جاتا ہے کہ کون سے راستے پر چلو گے تو وہ نیکی کا راستہ ہوگا اور تمہیں اللہ سے ملائے گا جس پر چل کر تم انعام و اکرام کے حق دار ہو گے اور کون سے ایسے راستے ہیں جو تمہیں اللہ سے دور اور شیطان

کے راستے پر ڈالتے ہیں جن پر چل کر تم جہنم کا ایندھن بنو گے۔ برائی اور اچھائی کے اصول ہر معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مذہب کی پابندی انسان کو برائیوں سے دور رکھتی ہے جس سے معاشرے میں خود بخود معاشرتی کنٹرول پیدا ہوتا ہے۔لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی ادارے معاشرتی کنٹرول کے ضامن ہیں۔

3) دوسرے معاشرتی اداروں کی راہنمائی

مذہبی اداروں کا اثر معاشرے کے تمام اداروں پر بڑا نمایاں ہوتا ہے۔ یہ اداروں کے افعال و کردار کو متعین کرنے کے لئے ایک راہ دکھاتے ہیں۔ مذہبی ادارے اعمال اور کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

4) مذہبی اداروں کا خاندان پر اثر

مذہبی اداروں کا اثر معاشرے کے تمام اداروں پر بڑا نمایاں ہوتا ہے۔ یہ اداروں کے افعال و کردار کو متعین کرنے کے لئے ایک راہ دکھاتے ہیں۔ مذہبی ادارے خاندان کے اعمال اور کردار پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ جو بھی کسی خاندان کا مذہب ہوگا بچے کی پرورش اسی کے مطابق کی جائے گی۔ مثلاً جب کسی عیسائی کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو صلیب دکھائی جاتی ہے جبکہ مسلمان کے گھر، بچے کی پیدائش کے فوراً بعد اس کو اذان سنائی جاتی ہے۔اس کے علاوہ مذہب ہی کے مطابق مختلف رسومات کی ادائیگی کی جاتی ہے۔شادی کی رسومات، موت کی رسومات، میل جول کے طریقے غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو پر مذہب کا اثر ہوتا ہے۔

5) تعلیمی اداروں پر اثر

خاندان کے علاوہ یہ تعلیمی اداروں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب تعلیمی پالیسی پر بھی گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ ہر معاشرہ اپنے مذہب کے مطابق بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے۔

6) معاشی اداروں پر اثر

بعض معاشروں میں یہ مذہب ہی ہے جو معیشت کے اصول وضوابط مرتب کرتا ہے

تاکہ معاشرہ میں امن وامان سے زندگی گزاری جاسکے۔

7) سیاسی اداروں پر اثر

اسی طرح سیاسی ادارے پر بھی مذہب کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ زیادہ تر معاشروں کا قانون ان کے مذہب کے مطابق ہوتا ہے اور کوئی قانون ایسا نہیں وضع کیا جاتا جو مذہب کے کسی بھی پہلو کی خلاف ورزی کرتا ہو۔ عدالتی اور غیر عدالتی سارے قوانین مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے بنائے جاتے ہیں۔

8) معاشرتی معمولات

ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو بہتر بنانے کے لئے ان کو ایک معیار مہیا کرتا ہے جن پر کم وبیش معاشرے کا ہر فرد عمل پیرا ہوتا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے معمولات کو مذہب کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اصول معاشرتی زندگی کا جز بن جاتے ہیں۔

9) مافوق الفطرت ہستی کا تصور

مذہبی ادارے سب سے بڑا اور اہم فرض جو ادا کر رہے ہیں وہ اور کسی ادارے کے حصے میں نہیں آیا یہ مافوق الفطرت ہستی کے متعلق معاشرہ کے افراد کو آ گاہ کرتا ہے اور اپنے نظریات، عقائد وقوانین سے انسان اور اس عظیم ہستی کے درمیان مضبوط رشتہ استوار کرتا ہے، مذہب کوئی بھی ہو وہ انسان کو اپنے پروردگار، معبود برحق کے حوالے سے ضرور روشناس کراتا ہے۔ تمام مذاہب اس مافوق الفطرت ہستی کو راضی کرنے پر زور دیتے ہیں۔

10) دلی اطمینان

مذہب کے ادارے اپنے ماننے والوں کو دلی سکون مہیا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں دل کو اطمینان دینے کے لئے مذہبی ادارے افراد کے لیے کامیابی، خوشی، جنت، صبر وشکر اُمید اور ہمت کا درس دیتے ہیں۔ ان کی بنا پر افراد اس عارضی دنیا کی

مصیبتوں، دکھوں، تکالیفوں، اورغموں کا سامنا کرنا جان جاتے ہیں انسان باہمت، بامروت، باغیرت بن جاتے ہیں جس سے انسان سکون قلب کی منزل پا لیتا ہے۔

دریا کو کوزے میں بند کیا جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی ادارے انسانی زندگی کو نا صرف بہتر بلکہ مثالی بنانے کے سنہری، قابل تقلید و قابل عمل اصول وطریقے بتاتے ہیں۔ یہ ادارے معاشرہ کے افراد کو جو عقائد طور طریقے بتاتے ہیں وہ مستقل ہوتے ہیں۔ البتہ یہ متفقہ نکتہ ہے کہ مذہبی ادارے انسان کی فلاح و بہبود نا صرف اس دنیا میں چاہتے ہیں بلکہ آنے والی دنیا میں بھی یہ انسانوں کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔

تعلیمی ادارے

(Educational Institutions)

تعارف

تعلیمی اداروں کے مفہوم ووظائف سمجھنے سے پہلے ہم تعلیم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تعلیم ایک ایسی توانائی ہے جس کے ذریعے سے ایک قوم اپنے ثقافتی ذہنی اور مذہبی ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے اور ان میں زندگی کے ان مقاصد سے لگاؤ پیدا کرتی ہے جنہیں اس نے اختیار کیا ہے تعلیم ایک ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد اونچے درجے کے ایسے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے جو اچھے انسانوں کی حیثیت سے اور کسی ریاست کے ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے اپنے فرائض کو انجام دینے کے اہل ہوں۔ ہر دور کے ممتاز ماہرین تعلیم کے نظریات کا مطالعہ اسی تصور تعلیم کا پتہ دیتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے، تعلیم کا مادہ علم (ع ل م) ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کا ادراک کرنا۔ اس سے باب تفصیل ''تعلیم'' آتا ہے۔ تعلیم کے معنی بار بار اور کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں۔ حتیٰ کہ متعلم کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے۔

انگریزی زبان کا لفظ Education لاطینی لفظ بہ معنی، نکالنا اور بہ معنی رہنمائی سے ماخوذ ہے۔ لفظی طور پر اس کے معنی ''معلومات کا جمع کر دینا'' اور ''مخفی صلاحیتوں کو نکھارنا''

کے ہیں۔ اصلاً یہ لفظ معلومات فراہم کرنے اور متعلم کی مخفی صلاحیتوں کو نکھارنے کے مفہوم میں آتا ہے۔

جان اسٹوارٹ مل مغرب کے ان مشاہیر میں سے ہیں جنہوں نے تعلیم کے مفہوم کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے وہ کہتا ہے۔

''تعلیم صرف ان باتوں ہی کا احاطہ نہیں کرتی جو ہم اپنی فطرت کے کمال سے قریب تر ہونے کی بنا پر، واضح مقصد کی خاطر اپنے لیے کرتے ہیں یا دوسرے ہمارے لیے کرتے ہیں۔ اپنے وسیع تر مفہوم میں اس کی حدود بہت زیادہ ہیں۔ انسانی کردار اور صلاحیت پر پڑنے والی اُن چیزوں کے بالواسطہ اثرات بھی اس کے دائرہ کار میں شامل ہیں جن کے فوری مقاصد بالکل ہی دوسرے ہوتے ہیں۔''

جان ملٹن تعلیم کی تعریف یوں کرتا ہے:

''میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو بحالت جنگ وامن اپنی اجتماعی ونجی زندگی کے فرائض دیانت ومہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔

اوپر بیان کی گئی مختلف تعریفوں کی روشنی میں ہم جامع تعریف اخذ کرتے ہیں۔

تعلیم

''تعلیم سیکھنے کے ایسے مسلسل عمل کا نام ہے جس کے ذریعے ایک فرد سمجھ بھوج کے ساتھ ساتھ علم بھی حاصل کرتا ہے۔''

تعلیم کا یہ وسیع ترین تصور ہے

امریکی فلسفی جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم افراد اور فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے۔

ڈاکٹر پارک کا خیال ہے کہ تعلیم رہنمائی یا مطالعے سے علم حاصل کرنے اور عادات اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے۔

پس تعلیم وہ مسلسل عمل ہے جس کے ذریعے سے نئی نسلوں کی اخلاقی، ذہنی اور جسمانی نشو ونما بھی ہوتی ہے اور وہ اپنے عقائد وتصورات اور تہذیب وثقافت کی اقدار بھی اس سے اخذ کرتے ہیں۔

ماہرین تعلیم اس لفظ سے دو مفہوم لیتے ہیں۔

وسیع تر مفہوم میں یہ ان تمام طبیعی وحیاتیاتی، اخلاقی وسماجی اثرات کا احاطہ کرتا ہے جو فرد اور قوم کے طرز زندگی کی تشکیل کرتے ہیں۔

محدود مفہوم میں یہ صرف ان اثرات پر حاوی ہے جو اساتذہ کے ذریعے سے اسکولوں، کالجوں اور دوسری درس گاہوں میں مرتب ہوتے ہیں۔

بہر کیف تعلیم ایک ہمہ گیر عمل ہے اور شاگرد کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اس کا گہرا اثر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک قوم کی زندگی کا انحصار ہی اس کی تعلیم پر ہے۔

ایک چینی کہاوت اس بات کی کتنی صحیح عکاسی کرتی ہے۔

"تمہارا منصوبہ اگر سال بھر کے لیے ہے تو فصل کاشت کرو، دس سال کے لیے ہے تو درخت اُگاؤ، دائمی ہے تو تعلیم یافتہ، مہذب، قابل افراد پیدا کرو۔"

تعلیمی اداروں کی اہمیت

تعلیم دنیا کے ہر دور کی اہم ضرورت رہی ہے۔ مگر اس کی اہمیت آج کے کمپیوٹرائزڈ اور خلائی ٹیکنالوجی کے دور میں اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ تعلیم ہی ایک واسطہ ہے جس کے ذریعہ سے بنی نوع انسان اپنے ورثہ کو نسل در نسل منتقل کرنے کے قابل رہا ہے اور اس کے ذریعے اپنے اسلاف کی روایات، تجربات اور علم کو محفوظ کر سکا ہے۔ اگر یہ ذریعہ ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہر نسل کو اپنی زندگی کا آغاز شروع سے کرنا پڑتا۔ لیکن یہ تعلیم ہی ہے جس کے ذریعے ہم اپنی پرانی نسلوں کے تجربات کو محفوظ کر سکے اور ان کی تعلیمات سے اپنے آپ کو آگے بڑھا سکے ہیں۔

دنیا کا کوئی معاشرہ ایسا نہیں جس میں تعلیمی ادارے نہ ہوں۔ تعلیم کے ذریعے ہی ثقافتی ترسیل ممکن ہے اور پرانی ثقافت نئی نسل تک پہنچتی ہے۔ اس طرح دو نسلوں کے درمیان

تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیمی ادارے ہمیں معاشرہ میں مختلف روزگار حاصل کرنے کے لئے بھی مناسب تربیت دیتے ہیں اور ہنر سکھاتے ہیں۔ مثلاً انہی اداروں کی بدولت کوئی ڈاکٹر بن جاتا ہے تو کوئی انجینئر اور کوئی معلم وغیرہ۔

تعلیمی اداروں کے فرائض

ہر معاشرہ میں تعلیمی ادارے چند بنیادی فرائض انجام دیتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔"

1- ثقافتی ترسیل

ہر معاشرہ کی اپنی ثقافت ہوتی ہے اور اس کا تحفظ اس معاشرے کے ارکان کا فرض ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ثقافت کی تعریف کے مطابق یہ ایک سماجی ورثہ کا نام ہے جس میں تمام مادی اور غیر مادی اَشیاء شامل ہیں جو ہم نے اپنے آباءواجداد سے حاصل کیں۔ اس میں علم، پیشہ، مہارت، علم تعمیر اور علم مصوری سے لے کر معاشرہ کی رسوم ورواج تک تمام چیزیں شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جو ہم نسل درنسل بالمشافہ منتقل کرتے ہیں یعنی باپ سے بیٹا زندگی کے آداب اور گھریلو معاملات سیکھتا ہے۔ مگر فن مہارت، معاشیات کے اصول، علم ریاضی، علم کیمیا، جراحی اور طب وغیرہ ایسے معاشرتی ورثے ہیں جن کو کتابوں کی شکل میں محفوظ کرلیا جاتا ہے۔ اور تعلیمی اداروں کے ذریعے ان کو اگلی نسلوں تک منتقل کیا جاتا ہے۔ اس طرح علم وفن ارتقائی منازل بھی طے کرتا رہتا ہے اور اس میں آنے والی نسلیں مزید اضافہ بھی کرتی رہتی ہیں۔

2- ایجادات

تعلیمی ادارے علم کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر تحقیق بھی جاری رکھتے ہیں جس کے نتیجہ میں نئی باتوں کا علم میں اضافہ ہوتا ہے اور ایجادات بھی ہوتی ہیں۔ یہ ایجادات عملی زندگی میں معاشرہ کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔ یہ ایجادات صرف اس لئے ممکن ہیں کیونکہ ہمارے پاس ماضی کا سرمایہ علم اور تجربات محفوظ ہیں جس سے آنے والی نسلیں نئی راہیں تلاش کرنے میں کامیاب رہتی ہیں۔ اور یہ عمل تعلیمی

اداروں میں ہی تکمیل پاتا ہے۔

3- سماجی یک جہتی

تعلیمی ادارے کسی ملک یا معاشرہ کی یک جہتی میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان اداروں کے ذریعہ ہی آپ اپنے معاشرہ کی روایات اور تجربات یکساں طور آنے والی نسلوں میں منتقل کرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ان کے خیالات اور سوچ میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ انہی اداروں کی بدولت آپ اپنی قوم کے نظریات اور مقاصد اُجاگر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انہی اداروں کے ذریعے وہ نسل پروان چڑھ رہی ہوتی ہے جس نے آئندہ کسی قوم یا ملک کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہوتی ہیں۔ اس طرح سے نظریات اور روایات یکساں طور پر معاشرہ میں پھیلتی ہیں۔ جس سے لوگوں کے سوچنے اور چیزوں کے پرکھنے کا انداز تقریباً ایک جیسا ہو جاتا ہے۔

4- تربیت اور افرادی قوت کا مہیا کرنا

کسی بھی معاشرہ میں ایک خاص درجہ تک بنیادی تعلیم لوگوں کو دی جاتی ہے جس کو ہر شخص حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان تعلیم حاصل کرنے والوں میں کچھ یہ مقصد حاصل کر پاتے ہیں اور کچھ ان مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور دیگر مشاغل میں مصروف ہو جاتے ہیں کامیاب طلباء اس تعلیم کے بعد مزید تعلیم حاصل کر کے مختلف کالجوں، یونیورسٹیوں اور پیشہ ور اداروں میں داخلہ کی کوشش کرتے ہیں مگر ان میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اس طرح تعلیمی ادارے معاشرہ میں لائق اور احسن لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں اور ان کو اس کی تربیت دیتے ہیں۔ مختلف درس گاہوں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ مختلف پیشے اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی وکیل بن جاتا ہے تو کوئی ڈاکٹر یا انجینئر۔ اگر گورنمنٹ اور صنعتی اداروں کو معاشی ماہرین اور انجینئر کی ضرورت ہے تو تعلیمی ادارے انہیں بھی افرادی قوت مہیا کرتے ہیں۔

5- ذاتی ترقی

تعلیمی ادارے جہاں ملک وقوم کی ترقی کے لئے خدمات سرانجام دیتے ہیں وہاں یہ انفرادی سطح پر بھی لوگوں کی ترقی اور بہبود کے لئے کام کرتے ہیں ایک طالب علم سکول میں نئی اور اچھی عادات سیکھتا ہے جیسا کہ وقت کی قدر اور پابندی وقت اسی طرح طالب علم کی دوسری خصوصیات کو اُجاگر کرنے میں بھی معاون ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر سکول میں اس کی دوسروں پر انحصار کرنے کی عادت کو غیر ضروری طور پر نمایاں کر دیا جائے تو اس میں احساس کمتری پیدا ہونے کا خدشہ ہو جاتا ہے یا پھر اس کی دماغی صلاحیتیں کند بھی ہو سکتی ہیں۔

6- تعلیم اور معاشرتی تبدیلی

کسی معاشرہ میں تغیر کے تین بڑے عوامل نفوذ، ایجادات اور دریافت ہیں۔ ان تینوں عوامل میں تعلیمی ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی دریافت اور ایجاد کی بنیاد تعلیمی اداروں پر منحصر ہوتی ہے۔ تعلیمی ادارے ماضی کے تجربات اور علم کو محفوظ رکھتے ہیں اور انہی درس گاہوں میں عالم اور فاضل لوگ معاشرہ کو نئی راہیں دکھلاتے ہیں۔ تعلیم کے ذریعے نئی چیزوں کو معاشرہ میں پھیلانے اور ان کو مقبول کرنے کے لئے راہ ہموار کی جاتی ہے۔ پڑھے لکھے لوگ معاشرہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ تفاعل کر کے نئی چیزوں کا استعمال بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔

7- معاشرہ کی ترقی اور تعمیر نو کرنا

تعلیمی ادارے معاشرہ کی اصلاح، تعمیر نو اور ترقی کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں تعلیم معاشرہ سے غربت، جہالت، ناخواندگی، بدعنوانی، گداگری بے روزگاری، توہمات، فرسودہ رسم ورواج اور دیگر برائیوں کو دور کر کے معاشرہ کی ترقی وتعمیر نو میں بڑا کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

8- احترام انسانیت کا درس

تعلیمی ادارے افراد کو انسانیت کا احترام سکھاتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ کے افراد اپنے اردگرد کے لوگوں سے ہمدردی، خلوص، محبت اور حسن سلوک ملتے ہیں۔

9- فرصت کے اوقات کا مصرف

تعلیمی اداروں کا اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ افراد کو فرصت کے اوقات کا درست مصرف سیکھاتے ہیں اور مختلف مشاغل اور ہم نصابی سرگرمیوں کا انعقاد کرتے ہیں۔ جن میں افراد آزادی اور اپنی پسند سے شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ ان مشاغل اور سرگرمیوں سے افراد کو صحت مند تفریح کے ساتھ ساتھ مناسب تربیت بھی ملتی ہے۔

10- ملک کے بنیادی نظریہ سے آگاہی

تعلیمی ادارے طلباء کو ملک کے بنیادی نظریے سے آگاہ کرتے اور ان میں اتحاد اور استحکام پیدا کرتے ہیں۔ اس کی ساتھ ساتھ ملکی مسائل سے واقف کروا کر ان میں غور و فکر کا جذبہ بھی پیدا کیا جاتا ہے۔

11- حکومت و عوام میں رابطہ اور مفاہمت کا باعث

تعلیمی ادارے حکومت و عوام میں رابطہ اور مفاہمت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں اس طرح خواندہ افراد حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات کو سمجھتے ہیں اور حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔

12- جمہوریت کی تربیت و فروغ کرنا

تعلیمی اداروں کا ایک اہم کام طلباء کو جمہوریت کی تربیت فراہم کرنا ہے۔ جمہوری طرز فکر کی تربیت و فروغ معاشرہ اور حکومت دونوں کے لئے مفید اور اہم ہے کیونکہ ہر شخص کی رائے و خیالات کا احترام بہت سے مسائل کو حل کرنے کا سبب بنتا ہے۔

13- قیادت کی تربیت

تعلیم بہترین قیادت پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی ادا کرتی ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں کے لئے مثلاً سائنس، صنعت و حرفت، سیاست و حکومت کے لئے بہترین قائدین کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنی اعلیٰ قوت فکر اور جذبے سے معاشرہ کی خدمت کرسکیں۔

14- ماحول سے مطابقت

تعلیمی ادارے افراد کو ماحول کے مطابق رہن سہن کے طور طریقے سکھاتے ہیں تاکہ افراد ماحول سے مطابقت پیدا کر کے خوشگوار زندگی بسر سکیں اور ماحول کے ناپسندیدہ اثرات سے محفوظ رہیں۔

15- گھریلو زندگی گزارنے کے ڈھنگ

تعلیمی ادارے افراد کو گھریلو زندگی گزارنے کے وہ تمام ڈھنگ سیکھاتے ہیں۔ جو بطور بیٹے، بیٹی کے، بطور شوہر و بیوی کے، بطور ماں باپ کے بطور سسر وساس کے، بطور دادا اور دادی کے، اور بطور نانا اور نانی کے جو کردار انہیں ادا کرنا پڑتا ہے ان کے حوالے سے ان کو گھریلو زندگی کے ڈھنگ سکھاتی ہے۔

16- حب الوطنی

وطن سے محبت کے جذبات واحساسات، اقدار وعقائد تعلیم کی وجہ سے تشکیل پاتے ہیں جیسی تعلیم ہوگی اسی قسم کے جذبات واقدار افراد میں فروغ پائیں گے۔ تعلیمی ادارے حب الوطنی کے جذبہ کو اجاگر کرتے ہیں۔

17- اخلاقی کردار کی تعمیر

تعلیم اچھے و برے کردار میں تمیز کرنے کا شعور دیتی ہے۔ اچھے اخلاق کے حصول کے طریقے سیکھاتی ہے اور برائی سے نفرت دلاتی ہے اور اس سے بچنے کی سوجھ بوجھ پیدا کرتی ہے۔ اس طرح فرد کے کردار کی تعمیر تعلیم کے ذریعے ہوتی ہے۔

18- کردار و شخصیت کی تعمیر

تعلیمی ادارے فرد کے کردار اور شخصیت کی بڑی متوازن اور مثالی تعمیر کرتے ہیں تعلیمی اداروں میں اعلیٰ اخلاقی و کرداری نمونے پیش کیے جاتے ہیں اور ان کے کردار و شخصیت کو متوازن بنانے کے لئے تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

19- معاشرتی جمود کا خاتمہ

تعلیمی ادارے معاشرتی جمود کا خاتمہ کرتے ہیں اس کے لئے یہ ادارے افراد میں سوچنے سمجھنے اور تجزیہ کرنے کی خوبیاں پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ معاشرہ کی پرانی رسموں روایات ونظریات کی خامیوں کو جاننے اور پرکھنے لگتے ہیں۔اس سے معاشرتی جمود ختم ہوتا اور نئی تبدیلیوں کے لئے راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ کیونکہ تعلیم یافتہ فرد نئے تصورات اور نظریات کو تسلیم کر لیتا ہے اور اپنا بھی لیتا ہے۔

20- معاشی ضروریات کی تکمیل

تعلیم فرد کو اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل وتسکین کے قابل بناتی ہے۔ اسے نہ صرف پیشہ کے انتخاب میں راہنمائی مہیا کرتی ہے بلکہ اسے پیشہ سے متعلق فنی تربیت کے مواقع بھی فراہم کرتی ہے۔خواندہ افراد کسی بھی کاروبار یا صنعت سے وابستہ ہو کر ان پڑھ افراد کی نسبت زیادہ آمدنی حاصل کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ جدید پیشوں کے انتخاب اور معیار زندگی کو بہتر بنانے کی جستجو وجذبہ انہیں متحرک رکھتا ہے یہ افراد اپنے خاندان اور ملک دونوں کی معاشی خوشحالی کے ضامن بنتے ہیں اور یہ سب تعلیمی ادارے کے وظائف میں شامل ہے۔

سیاسی ادارے

(Political Institutions)

اجتماعی یا معاشرتی زندگی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ ارسطو کے بقول جو فرد معاشرہ کے بغیر زندگی بسر کر سکتا ہے وہ حیوان ہے یا دیوتا۔ یا تو وہ ان تمام اقدار اور زندگی کے حسن سے بے بہرہ ہے جو انسان اور حیوان میں حد فاصل کرتی ہے یا اس میں ایسی غیر معمولی صلاحیتیں ودیعت کر دی گئی ہیں کہ وہ اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے دوسروں کے تعاون کا محتاج نہیں۔

اجتماعی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل

کرنے کے لئے اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی کہ افراد کو چند قواعد وضوابط اور اصولوں کا پابند بنایا جائے، اور اگر کوئی فرد اپنے ذاتی مفادات کو معاشرہ کے اجتماعی مفاد پر ترجیح دے تو اسے سختی کے ساتھ اس فعل سے باز رکھنے کی تدابیر کی جائیں۔نظم وضبط قائم کرنے کی اس ضرورت نے معاشرے میں سیاسی اداروں کو جنم دیا ہے۔

سیاسی ادارہ کی تعریف

سیاسی ادارے سے مراد ایسی ریاست ہے جس میں عوام کی جمعیت کسی خاص علاقے میں رہائش پذیر وآباد ہو جس کی اپنی منظّم حکومت ہو اور وہ اندرونی و بیرونی لحاظ سے آزاد ہو۔

سیاسی ادارہ کے فرائض

سیاسی ادارہ یا ریاست کے فرائض کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(i) لازمی فرائض (ii) اختیاری فرائض (iii) حتمی فرائض

ان فرائض کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1) لازمی فرائض

ان سے مراد وہ وظائف ہیں جو ریاست کو اپنی بقاء سلامتی کی خاطر لازمی طور پر ادا کرنا پڑتے ہیں ان کی تعداد چار ہے۔

(i) امن وامان کا قیام (iii) عدل وانصاف کی فراہمی

(ii) ملکی دفاع (iv) خارجہ تعلقات

i) امن وامان کا قیام

ریاست کا اہم اور اولین فرض ملک کے اندر مناسب قوانین کے ذریعے امن وامان کو قائم کرنا ہے تاکہ انتشار، بدامنی، لاقانونیت، افراتفری اور سماجی جرائم کا سدباب ہو سکے اور معاشرہ کے تمام افراد پرامن و پرسکون زندگی گزار سکیں۔شہریوں کی حفاظت اور حقوق کے تحفظ کی خاطر ریاست قانون سازی کرتی ہے اور پولیس، عدلیہ اور جیلوں کے نظام بھی واضح

کرتی ہے تا کہ داخلی امن وامان کی خاطر ملک دشمن عناصر اور جرائم پیشہ افراد کو عبرت ناک سزائیں دی جاسکیں۔

ii) **ملکی دفاع**

ریاست اپنی بقاء وسلامتی کی غرض سے اپنی جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کا فریضہ بھی ادا کرتی ہے۔اس مقصد کے لئے اعلیٰ تربیت یافتہ بحری' بری اور ہوائی افواج کو جدید ترین اسلحہ سے لیس کرتی ہے تا کہ بوقت ضرورت بیرونی خطرات سے نپٹا جاسکے۔

iii) **عدل ونصاف کی فراہمی**

ریاست اپنے شہریوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔اس مقصد کے لئے عدل وانصاف کی فراہمی کو آسان' بروقت' سستا اور غیر جانبدار بنانے کے لئے موثر اور آزاد عدلیہ قائم کرتی ہے تا کہ ملک میں قانون کی حکمرانی ہو اور عدلیہ کسی کے دباؤ اور مداخلت کے بغیر تمام شہریوں کو یکساں طور پر انصاف مہیا کرے۔ریاست کی کارکردگی کا انحصار آزاد اور غیر جانبدار عدالتی نظام پر ہوتا ہے۔جتنا ریاست میں انصاف سستا اور سہل ہوگا اتنا ہی معاشرہ کے افراد کی کارکردگی کا معیار اعلیٰ اور بہتر ہوگا۔

iv) **تعلیم وتربیت**

ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔کہ وہ عوام کو تعلیم وتربیت کی یکساں سہولتیں مہیا کرئے۔تعلیم کے علاوہ سائنسی اور فنی تعلیم کے ادارے قائم کرے۔تعلیمی نصاب اور تعلیمی نظام کو قومی سیاست اور نظریات سے ہم آہنگ بنائے۔ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی عوام کی تعلیم کا اہتمام کرے کسی بھی ریاست کی ترقی وخوشحالی کا دارومدار تعلیم یافتہ ہنرمند افراد پر ہوتا ہے۔اس لئے ریاست تعلیم وتربیت فراہم کرکے اپنے عوام میں سماجی وسیاسی شعور بیدار کرتی اور ملکی ترقی کے لئے فعال کارکن بناتی ہے۔

5) **صحت وصفائی**

عوام کے لئے علاج معالجے اور صفائی کی سہولتیں مہیا کرنا بھی ریاست کے فرائض

میں شامل ہے۔شہری ودیہی حدود میں ہسپتال' ڈسپنسریاں' اور ہیلتھ یونٹوں کا قیام حکومتی ذمہ داری ہے جبکہ ڈاکٹروں نرسوں اور دوسرے طبی عملے کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا' ادویات کا ارزاں اور معیاری ہونا' علاج معالجے کی مفت سہولتیں' متعدی امراض سے بچاؤ کی تدابیر' صفائی اور صاف پانی کی فراہمی ونکاسی آب کا انتظام کرنا بھی ریاست کے اہم فرائض ہیں۔ ریاست اپنے عوام کی بہتر صحت کے لئے تفریح گاہوں کا انتظام بھی کرتی ہے۔اس کے علاوہ اشیائے خوردنی کے معیار اور قیمتوں کو بھی کنٹرول کرتی ہے تاکہ عوام جسمانی وذہنی طور پر صحت منداور تندرست زندگی گذار سکیں۔

6) خارجہ تعلقات

موجودہ تیز رفتار دور میں خارجہ تعلقات کو بہتر بنانا بھی سیاسی اداروں کا فرض ہے سیاسی ادارے کے لیےضروری ہے کہ ملک کو اقتصادی طور پر مضبوط اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے وہ دوسرے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات خوشگوار بنائے۔ان کو اپنی ترقی کے لئے دوسرے ممالک سے اقتصادی' سیاسی' تجارتی اور ثقافتی معاہدے کرنا پڑتے ہیں۔اس لئے اب ہر سیاسی ادارے کا فرض ہے کہ وہ اپنی قومی امنگوں' خواہشات' نظریات اور مفادات کے پیش نظر موزوں خارجہ پالیسی بنائے تاکہ دوسرے ممالک سے تعاون اور رابطے بہتر ہوں اور ملکی وقومی خوشحالی ہو۔

7) سہولتوں کی فراہمی

ریاست اپنے عوام کو تمام بنیادی سہولتیں فراہم کرتی ہے جن میں پانی' بجلی' گیس' ٹیلی فون مختلف تفریح گاہیں' پارک' لائبریریاں' مسافرخانے وغیرہ شامل ہیں تاکہ عوام کا معیار زندگی بلند ہوسکے۔

8) ذرائع آمدورفت اور رسل ورسائل کی فراہمی

ریاست اپنے شہریوں کو آمدورفت اور پیغام رسانی کی سہولیتں بھی فراہم کرتی ہے اس میں ریلوے، بسوں، بحری، اور ہوائی سفر کی تمام سہولتیں شامل ہیں۔ملک میں سڑکوں کا جال بچھاتی ہے۔ ڈاک کی ترسیل کا انتظام کرتی ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور

جرائد ورسائل کی سہولتوں کا بھی انتظام کرتی ہے۔

9) صنعت وتجارت اور زرعی شعبہ جات کی ترقی

ریاست کو معاشی طور پر خوشحالی اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ریاست صنعت، تجارت اور زرعی شعبہ جات کی ترقی کے لئے موثر اور مناسب اقدامات کرے تا کہ ملک زرعی اجناس اور خام مال میں خود کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ صنعتی اور تجارتی لحاظ سے بھی ترقی کر سکے۔ ریاست اس مقصد کے لئے تمام شعبوں کے لئے فنی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتا ہے اور تحقیق کی سہولتیں فراہم کرتی ہے اور سڑکوں کا جال اور مختلف نوعیت کے آسان شرائط پر قرضوں کا اجراء کرتی ہے۔ بجلی و پانی کی سہولتیں فراہم کرتی ہے، سرمایہ کاری کو فروغ دیتی ہے۔ بنک اور مالیاتی ادارے قائم کرتی اور درآمد و برآمد کے نظام کو وضع کرتی ہے۔ گویا معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے ریاست تمام شعبوں میں متوازن ترقی کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔

10) معاشرتی واخلاقی اصلاح

ریاست اپنے شہریوں کو معاشرتی واخلاقی برائیوں سے بچانے کے لئے بھی اقدامات کرتی ہے۔ شادی، طلاق، جہیز، جائیداد، وراثت سے متعلق قوانین بناتی ہے۔ نشہ آور اشیاء کی پیداوار، تیاری وفروخت اور استعمال، فحش ادب اور دوسری معاشرتی برائیوں کا سختی سے قلع قمع کرتی ہے۔ اس کا مقصد اخلاقی اقدار کو فروغ دینا اور شہریوں کو بلند سیرت کردار کا حامل بنانا ہے۔

11) ثقافتی اداروں کی حوصلہ افزائی وامداد

ریاست آرٹ، فلسفہ، ڈرامہ، موسیقی، مصوری اور دوسرے فنون لطیفہ سے متعلق تمام تعمیری ثقافتی اداروں کی حوصلہ افزائی اور امداد کرتی ہے مگر فحاشی، عریانی اور بے راہروی پھیلانے والے نام نہاد ثقافتی اداروں کو سختی سے کچلنے کے لئے اقدامات بھی کرتی ہے تا کہ شہریوں کا اخلاق تباہ نہ ہونے پائے۔

عالمی امن اور انسانیت کی فلاح و بہبود

ان سے مراد ریاست کے آخری اور حتمی فرائض ہیں جو موجودہ جدید دور کی پیداوار ہیں۔ ان فرائض کا تعلق بین الاقوامی امن و امان اور عالم انسانیت کی بہتری وفلاح و بہبود ہے۔ سیاسی ادارے پر عالمی برادری کی طرف دے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو جبر وظلم اور استحصال سے بچانے کے لئے دوسرے ممالک کے ساتھ تعاون واشتراک کرے۔ اپنے لوگوں میں بین الاقوامیت کے جذبہ کو روشناس کروائے تاکہ پوری دنیا میں امن و امان کے قیام کے عمل کو ممکن بنایا جا سکے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عالمی امن اور انسانیت کی فلاح و بہبود بھی سیاسی اداروں کے وظائف میں شامل ہے۔

معاشی ادارے

(Economic Institutions)

معاشی ادارہ کی پیداواری سرگرمیوں میں وہ تمام افعال شامل ہیں جو ایسی اشیاء وخدمات کی پیدائش وتقسیم سے متعلق ہوتے ہیں جو انسانوں کی ضروریات کی کفالت کا باعث ہوتی ہیں۔ معاشی ادارے معاشرتی، طبعی وثقافتی ماحول کے سبب علاقہ کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیہی علاقوں میں پائے جانے والے معاشی ادارے اور ان کی سرگرمیاں شہری علاقوں کے اداروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح پسماندہ ممالک کے معاشی ادارے ترقی یافتہ ممالک کی نسبت مختلف معاشی سرگرمیوں کے حامل ہوتے ہیں۔ مثلاً دیہات میں معاشی سرگرمیاں، زراعت، باغبانی، شجرکاری، مویشی پالنا، لکڑی کاٹنا وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان کی تقسیم کار سادہ اور تعلقات میں استحکام وربط موجود ہوتا ہے جبکہ شہری علاقوں میں اہم معاشی سرگرمیاں بنکاری، صنعت، تعمیرات، انجینئرنگ، بجلی، گیس، نقل وحمل، مواصلات، قانونی، طبی، سرکاری، نجی وگھریلو ملازمتوں سے متعلق ہوتی ہیں۔ ان کی تقسیم کار انتہائی ترقی یافتہ اور پیچیدہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دیہات کی نسبت شہری معاشی سرگرمیوں میں حرکت پذیری زیادہ ہونے کے باعث عوامی

فوائد بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

1- ہارٹن اور ہنٹ (Horton and Hunt) کے مطابق ''معاشی ادارے اس وقت ابھرے جب لوگوں نے تقسیم کار کو منظّم کیا اور نجی ملکیت کے حقوق کو تسلیم کیا۔''

2- شاپرڈ (Shaiperd) کے خیال میں ''معاشی ادارہ معمولات کا ایک ایسا نظام ہے جو پیداوار اور اشیاء و خدمات کی تقسیم سے متعلق طرزِ عمل کی راہنمائی کرتا ہے۔''

3- محمد اقبال چودھری نے معاشی ادارہ کی تعریف اس انداز سے کی ہے کہ ''معاشی ادارہ اشیاء اور خدمات کی پیداوار اور تقسیم سے تعلق رکھنے والے معمولات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس ادارے کا ان اعمال اور خیالات سے سروکار ہوتا ہے جن کی جڑیں گروہی عادات اور عوام کے رسم و رواج میں گہری ہوتی ہیں۔''

المختصر معاشی ادارہ ایک ایسی معاشی تنظیم ہے جو افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تمام دستیاب ذرائع استعمال میں لاکر مختلف اشیاء و خدمات کی پیداوار و تقسیم کے فرائض ادا کرتی ہے۔ افراد اپنی تمام جسمانی قوتوں اور ذہنی صلاحیتوں کے ذریعے ان معاشی اداروں کو فعال بناتے اور مضبوط بناتے ہیں تاکہ یہ معاشی ادارے انسانوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے میں ممکنہ طریقوں کو استعمال کر سکیں۔ معاشی سرگرمیوں کا یہ تمام سلسلہ مسلسل اور تواتر کے ساتھ افراد و معاشرہ کی ترقی و خوشحالی کا سبب بنتا ہے۔

معاشی ادارہ کے وظائف

معاشی ادارہ کے وظائف درجہ ذیل ہیں:

1- اشیاء سرمایہ و خدمات پر کنٹرول و باقاعدہ بنانا

معاشی اداروں کا اہم فریضہ تمام اشیائے سرمایہ اور خدمات کو باقاعدہ بنانا اور ضبط میں لانا ہے تاکہ ان کو افراد کی بھلائی کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ ان کے بے جا استعمال کو کنٹرول کرنا بھی معاشی اداروں کا فرض ہے۔ تاکہ تمام وسائل و پیداوار باقاعدہ کسی تنظیم کے تحت ملکی و عوامی مفاد کے پیش نظر ہی استعمال ہوں۔ دیہی اور سادہ معاشرہ میں اشیاء

سرمایہ اور خدمات پر کنٹرول بہت سادہ اور آسان ہوتا ہے جبکہ صنعتی معاشرہ میں ان میں با قاعدگی پیدا کرنے کا نظام پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

2-اشیاء و خدمات کی فراہمی

معاشی اداروں کا اہم بنیادی فرض مختلف اشیاء و خدمات کی پیداوار اور فراہمی ہے تاکہ معاشرہ کے افراد اپنی بنیادی ضروریات کو با آسانی پورا کر سکیں مثلاً خوراک، لباس، ادویات، جیسی اشیاء کی پیدائش و تیاری کے ساتھ ساتھ معاشی ادارے خدمات بھی مہیا کرتے ہیں مثلاً وکالت، انجینئرنگ، مالیات، طب، تعلیم وغیرہ۔

3- تقسیم کار

جدید معاشی دور میں علم و سائنس کی ترقی و فروغ نے انسانی محنت اور معاشی اداروں کے وظائف کو مختلف حصوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اب ہر فرد ایک مخصوص کام یا شعبہ میں مہارت حاصل کر رہا ہے۔ معاشی ادارے افراد کے ہنر و فن میں اضافے کا باعث بن رہے ہیں۔ مختلف تحقیقات نے مہارت کے ایسے دور کا آغاز کیا ہے کہ تقسیم کار کا نظام پیچیدہ صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ لہٰذا جدید رویوں اور ٹیکنالوجی کی مناسبت سے معاشی ادارے بھی اپنی اپنی حدود کو مخصوص و محدود کرتے جا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے کام کے معیار اور مقدار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اب جدید معاشی اداروں کے فرائض میں اپنے افراد کو ان کی صلاحیتوں و مہارتوں کی نسبت سے روزگار فراہم کرنا بھی ضروری سمجھا جا رہا ہے تاکہ افراد اپنے معیار زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکیں۔

5) تقسیم اقتدار

تمام معاشی ادارے اقتدار کی تقسیم کا باعث بنتے ہیں۔ جن افراد کے پاس دولت زیادہ ہو انہیں غریب و پسماندہ افراد پر فوقیت دی جاتی ہے۔ ایسے افراد حکومتی مشینری کو مرعوب کرتے اور اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ صنعتی و زرعی معاشروں میں معاشی اداروں کی اس تقسیم کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اقتدار ہمیشہ معاشی حیثیت و درجہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

6) معاشی روابط وانحصاری

معاشی ادارے اپنی ترقی کے لئے خاندانی، تعلیمی اور سیاسی اداروں پر انحصار کرتے ہیں۔ اس لیے وہ خودمختاری سے اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ جدید دور میں باہمی انحصار روز بروز زیادہ ہورہا ہے۔ مختلف معاشی ادارے بلکہ اقوام بھی اس سلسلہ میں مختار نہیں ہیں۔ انہیں بھی خام مال اور تیار مال کی فروخت کے لئے دوسرے اداروں اور اقوام کا سہارا لینا پڑتا ہے اس لیے تمام معاشی ادارے اپنی خودمختاری قائم رکھنے کے لئے دوسرے اداروں اور اقوام سے باہمی روابط و تعلق پیدا کرتے رہتے ہیں۔

7) وراثت اور جائیداد

معاشی ادارے جائیداد و وراثت کی خریداری و تقسیم کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہ ادارے وراثت اور جائیداد کا تعین کرتے اور اس سے استفادہ حاصل کرتے اور مختلف حقوق ملکیت کا بھی تعین کرتے ہیں۔

8) تشکیل شخصیت

معاشی ادارے افراد کی شخصیت کی تشکیل ونشونما کے فرائض بھی ادا کرتے ہیں۔ معاشی طور پر مضبوط افراد کی شخصیت متوازن ومضبوط ہوگی معاشی کمزوری شخصیت کے خدوخال کو بھی متاثر کردیتی ہے۔

9) سیاسی گرفت

مضبوط معاشی ادارے سیاسی گرفت کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ یہ حکومت کو مضبوط کرتے ہیں اور بین الاقوامی سطح پر بھی ملک کی حیثیت و وقار کو بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ تاریخ اقوام اس بات کی گواہ ہے کہ معاشی طور پر مضبوط ممالک نے دوسرے غریب ممالک پر غلبہ پایا اور انہیں اپنا محکوم بنایا ہے۔

10) معاشرتی ومعاشی مرتبہ کا تعین

معاشی ادارے افراد کو مختلف اشیاء وخدمات فراہم کرتے اور مخصوص وقت اور

مخصوص معاشرہ میں افراد کے زیر تصرف آسائشوں اور تعیّشات کے ذریعے ان کی معاشرتی ومعاشی مرتبہ وحیثیت کا تعین بھی کرتے ہیں۔

تفریحی ادارے

(Recreational Institutions)

تفریح کا لفظ انگریزی زبان کے لفظ Recreation کا ترجمہ ہے۔اس کا مطلب دوبارہ بنانا ہے۔یعنی انسان کی دن بھر کی تھکاوٹ کو دور کر کے اسے دوبارہ کام کرنے کے لئے تازہ دم کرنا۔تفریح وہ کام ہے جو فرد فارغ اوقات میں ذہنی اور جسمانی تھکان کو دور کرنے کے لئے کرتا ہے۔افراد اس سے خوشی حاصل کرتے ہیں۔یہ ان کے ثقافتی اقدار تو ظاہر کرتی ہے۔کسی ثقافت میں تفریح حاصل کرنے کے مخصوص طریقے ہوتے ہیں۔اس کا اہم مقصد فارغ اوقات کو مثبت اور بہتر انداز میں گزارنا ہے۔عموماً تفریح کا مقصد معاشی نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی کھیل وغیرہ رقم کمانے کے لئے کھیلا جائے تو یہ تفریح نہیں رہتی۔یعنی تفریح سے مراد ایسے مفید کاموں کو فرصت کے اوقات میں سرانجام دینا ہے جو کسی معاوضہ کے محتاج نہ ہوں اور انسان لطف اندوز ہو سکے۔

تعریفیں (Definitions)

1- ٹریکر: ''فرصت کے وقت جو مشاغل افراد، گروہوں اور جماعتوں کے فائدہ کیلئے تفریحی جماعتوں کے زیر نگرانی کئے جاتے ہیں تفریح کہلاتے ہیں۔''

2- ڈکشنری آف Sociology : ''تفریح سے مراد وہ حرکات وسکنات ہیں جو ذہنی بوجھ ہلکا کرتی ہیں۔''

3- جارج ڈی ٹیلر: ''ایسا تجربہ یا سرگرمی جسے کوئی فرد اپنی مرضی سے اختیار کرتا ہے اور جس سے مسرت حاصل ہوتی ہے۔''

4- New International Dictionary : ''محنت، مشقت کے بعد طاقت اور روح میں تازگی پیدا کرنا تفریح ہے۔''

چند مزید تعریفیں

''تفریح سے مراد ہے کہ انسان دن بھر کی تھکن، بوریت کو خوشکن انداز میں کم کر سکے۔''

''تفریح فارغ وقت میں ایسی صحت منداور سماجی قبولیت کی حامل سرگرمی ہے جو رضا کارانہ شمولیت کرنے والے کو فوری اور فطری خوشی اور اطمینان فراہم کرتی ہے۔''

تفریح حاصل کرنا ہر شخص کا حق ہے زیادہ تر عورتوں اور مردوں کی تفریح میں فرق پایا جاتا ہے لیکن یہ فرق رفتہ رفتہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مختلف کھیلوں کے قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ کچھ میں ہار جیت ہوتی ہے اور کچھ میں بغیر ہار جیت کے ہی تفریح حاصل ہوتی ہے۔

تفریح کے وظائف

1- ذہنی اور جسمانی صحت کیلئے اہمیت

تفریح سے صحت کا معیار بلند ہوتا ہے۔ انسان کے نامیاتی نظام نشو ونما پاتے ہیں۔ جیسے نظام دوران خون، تنفس، اخراج فضلات وغیرہ۔ اس کے علاوہ کامتی نقائص کی درستگی ہوتی ہے۔ جسمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جذبات اعتدال میں آ جاتے ہیں۔ انسان ذہنی انتشار، جذباتی رجحان اور احساس کمتری سے نجات حاصل کرتا ہے۔

2- سماجی زندگی میں بہتری

تفریح سے میل جول بڑھتا ہے۔ منتظم تفریح کو کئی طریقوں سے بہتر بناتے ہیں۔ سماجی تفریحی پروگرام سے علاقے بہتر صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ صاف ستھرے کھیل سے علاقے اور میدان کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ کھیلیں اور تفریحات یا تقریبات ایک دوسرے سے تعلقات میں اضافہ کرتی ہیں۔ لوگ اپنی پسندیدہ سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ آپس میں ملنے کا موقع ملتا ہے جس سے سماجی زندگی میں بہتری آتی ہے۔

3- لطف اندوزی

تفریح کے ذریعے ہر شخص کو لطف اندوزی کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ دن بھر کی

تھکن کے بعد تفریح سکون مہیا کرتی ہے۔ دوبارہ تازہ دم کرتی ہے اور فرد زیادہ محنت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

4- صلاحیتوں کا فروغ

تفریح کے ذریعے افراد اپنی صلاحیتوں کو فروغ دیتے ہیں اور اپنی ذات پر توجہ دیکر اظہار شخصیت کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔

5- فرصت کے اوقات کا بہتر استعمال

فرصت کے اوقات کا بہتر استعمال تفریحی سرگرمیوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ یہ سرگرمیاں خلاف معاشرہ اور تخریبی سرگرمیوں کے لئے بہترین رکاوٹ ہوتی ہیں۔ جن میں انسان کے ملوث ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ایسے نوجوان جن کے جذبات پر جوش اور عقل ناپختہ ہوتی ہے۔ انہیں فرصت کے اوقات میں تفریحی سرگرمیاں میسر نہ ہوں تو وہ بے راہ روی کا شکار ہو کر اپنا مستقبل تباہ کر لیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے نوجوانوں کو تفریحی سرگرمیوں کی طرف مائل کرنے سے ان کی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

6- کردار کی تشکیل

تفریحی سرگرمیاں جہاں خوشی اور دلچسپی کا سامان ہیں وہاں شخصیت کی نشوونما کا کام بھی سرانجام دیتی ہیں۔ کھیلوں میں شمولیت انسان میں خود اعتمادی، جرأت، منصفانہ برتاؤ، مل جل کر کام کرنا، باقاعدگی، حاضر دماغی اور رواداری جیسی خوبیاں فراہم کرتی ہے جو کردار کی تشکیل میں معاون ہوتی ہیں۔

7- سماجی شعور میں ترقی

کھیلوں اور تفریحی سرگرمیوں کے دوران انسان کو بہت سے افراد کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا ہے اس لئے وہاں سماجی شعور کی بہترین تربیت ہو سکتی ہے۔ اتحاد اور تعاون کی فضا قائم ہوتی ہے۔ آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ شہریت کا شعور پیدا ہوتا ہے، حقوق و فرائض کی پہچان ہوتی ہے۔ اس طرح زندگی میں نئی روح پیدا ہوتی ہے۔

8- فنی مہارت کا حصول

تفریحی سرگرمیوں سے کھیلوں میں مہارت آتی ہے جس سے بعض اوقات انسان جہانگیر خان اور عمران خان بن سکتا ہے۔ خواتین سینا پرونا اور Dress Designing کا فن جان سکتی ہیں۔ موسیقی، خطاطی جیسے فن سیکھے جاسکتے ہیں۔ جو زندگی کی بہترین تفریح ہیں۔

9- معلومات میں اضافہ

تفریحی سرگرمیوں بالخصوص تاریخی مقامات کی سیر، کوہ پیمائی، مطالعہ کتب اور دیگر مشغلوں سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ فرد جہاں تفریح حاصل کرتا ہے وہاں تجربات بھی حاصل ہوتے ہیں۔ معلوماتی فلمیں، ٹی وی وغیرہ اس سلسلے میں کافی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

10- تکمیل تعلیم

تعلیمی سرگرمیوں میں تفریح کا عنصر غائب ہو جائے تو تعلیم خشک ہو جائے اور اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ تفریح بھی شامل ہو تو فرد جو کچھ سیکھتا ہے اس کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔

11- روزگار کی فراہمی

تفریحی سامان سے متعلق صنعت افراد کو روزگار فراہم کرنے کا سبب بنتی ہے مثلاً فلم انڈسٹری سے متعلق اداکار، ہدایت کار وغیرہ اپنی روزی اس کے ذریعے کماتے ہیں۔ اس کے علاوہ تفریحی سامان کی برآمد زرمبادلہ کمانے کا باعث بنتی ہے۔

12- جرائم میں کمی

تفریحی سرگرمیوں کے باعث جرائم میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے انتظامی اخراجات میں بھی کمی آجاتی ہے مثلاً جیل، پولیس، عدالتیں وغیرہ۔

13- بین الاقوامی تعلقات

کھیل بین الاقوامی تعلقات استوار کرتے اور مضبوط بناتے ہیں۔ مختلف قوموں

کے درمیان کھیلوں کا انعقاد دوستی کے رشتے بناتا ہے۔کھلاڑی ملک کے غیر رسمی سفیر ہوتے ہیں اور ملک کی پہچان بن جاتے ہیں۔

سماجی یا معاشرتی اداروں کی اہمیت

سماجی ادارے افراد کے تحفظ، بقاء، ترقی، خوشحالی اور اخلاق و کردار کی تعمیر و نشو و نما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان اداروں کا مقصد و منشاء افراد کے باہمی رشتوں کو منظّم و مربوط کرنا اور ان کی مخصوص سماجی ضروریات کی کفالت کرنا ہے۔موجودہ دور میں جب انسانی زندگی مسلسل مسائل کا شکار ہے۔ یہ ادارے افراد کے درمیان معاشرتی استحکام اور باہمی ربط و پیوستگی قائم کرکے انہیں معاشرتی انتشار سے بچانے میں ڈھال کا کام کررہے ہیں۔

سماجی ادارے دراصل کسی بھی معاشرہ کے ایسے پہیے ہیں جو اس معاشرہ کو رواں دواں رکھتے اور اس کی کارکردگی میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔فرد' گروہ اور جماعت مل کر معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں جبکہ سماجی ادارے معاشرہ میں حرکت پیدا کرتے' افراد کو مقاصد کے حصول کے طریقوں اور مواقعوں سے آگاہ کرتے اور ان میں جدوجہد اور عمل کرنے کا شعور پیدا کرتے ہیں۔ معاشرتی زندگی میں حرکت و سرگرمی انہی سماجی اداروں کی مرہون منت ہے۔ان کی اہمیت و افادیت کو درج ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے۔

1) عمل پیدائش

سماجی ادارے انسانی نسل' اشیاء وخدمات وضروریات اور روایات واقدار کی پیدائش وافزائش کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ انسانی نسل کی پیدائش' افزائش و بقاء قدیم سماجی ادارے خاندان کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ مادی اشیاء وخدمات معاشی اداروں کے ذریعے پیدا و تقسیم کی جاتی ہیں۔

2) عمل مشارکت

انسان ان اداروں میں اور ان کے ذریعے ہی زندگی گزارتا ہے۔اس لئے وہ اپنے معاشرہ کی تمام اقدار اور معاشرتی معمولات اپنے اداروں کے توسط سے سیکھتا ہے۔

3) مخصوص مقاصد کا حصول

سماجی ادارے مخصوص سماجی مقاصد کے حصول کے لئے معرض وجود میں آتے ہیں۔فرد کی زندگی کے متعدد پہلو ہیں اوراس کی ضروریات لامحدود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فرد کو بیک وقت بہت سے اداروں سے تعلق قائم کرنا پڑتا ہے۔موجودہ دور ہیں جب زندگی پیچیدہ صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔یہ ادارے اتنی ہی تندہی سے اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

4) نظم وضبط

انسانی معاشروں کا بنیادی مقصد نظم وضبط قائم رکھنا ہے۔سماجی ادارے مختلف طریقوں سے افراد کے کردار کو کنٹرول اور انہیں معاشرتی قواعدوضوابط کا پابند بنا کر باہمی اتحادوتعاون کی فضاء کو برقرار رکھنا سیکھاتے ہیں تاکہ معاشرتی انتشاراوراس کی تباہ کاریوں سے افرادکو بچایا جاسکے۔سماجی ادارے یہ فرض دوسرے اداروں کے ساتھ ربط وتعاون کے بغیرادانہیں کرسکتے۔

اہم سوالات

1- سماجی اداروں سے کیا مراد ہے(تعریف،مفہوم اوراقسام)؟

2- مندرجہ ذیل سماجی یا معاشرتی اداروں کے وظائف بیان کریں؟

i) خاندان کا ادارہ

ii) مذہبی ادارے

iii) سیاسی ادارے

iv) معاشی ادارے

v) تعلیمی ادارے

3- سماجی اداروں کی اہمیت بیان کریں؟

باب نمبر4

سماجی تبدیلی

1- سماجی تبدیلی کی تعریف اور تشریح

2- سماجی تبدیلی کے عمل کو تیز کرنے اور رکاوٹیں ڈالنے والے عوامل

3- سماجی تبدیلی کے اثرات

باب نمبر 4

سماجی تغیر / معاشرتی تبدیلی

(Social Change)

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

تبدیلی زندگی کا نام ہے۔ اور سکون / قیام کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہر فرد گروہ اور معاشرہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی یہ عمل تیز ہوتا ہے تو کبھی سست' مگر یہ عمل ہمیشہ اور مسلسل جاری رہتا ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ سماجی تبدیلی ہمیشہ مثبت ہوتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں ترقی ہوتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ہمیشہ منفی ہوتی ہے لہٰذا ہمیں معاشرتی تبدیلی کے خلاف مزاحمت کرنی چاہیے۔ یہ دونوں انتہا پسندانہ نقطہ نظر ہیں۔ معاشرتی تبدیلی مثبت بھی ہوتی ہے اور منفی بھی۔

معاشرتی تبدیلی، مادی پہلو میں بھی آتی ہے اور غیر مادی میں بھی۔ گو مادی پہلو میں یہ عمل عام طور پر تیز ہوتا ہے۔ معاشرتی تبدیلی شعوری عمل بھی ہے اور غیر شعوری بھی۔ شعوری عمل میں یہ عام طور پر مثبت نتائج لاتی ہے۔ جبکہ غیر شعوری میں عام طور پر منفی۔ معاشرتی تبدیلی اور ثقافتی تبدیلی میں فرق کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ کسی فرد کا ٹائپ سیکھنا معاشرتی تبدیلی ہے۔ جبکہ ٹائپ رائٹر کو متعارف کرانا ایک ثقافتی تبدیلی ہے۔ لہٰذا سوشل ورک میں ہم معاشرتی اور ثقافتی تبدیلی کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

ایک وقت تھا کہ برصغیر میں انگریزوں کا نام ونشان تک نہ تھا جب انگریز برصغیر پر

قابض ہوئے تو انہوں نے اپنے مفادات و مقاصد کے حصول کے لئے اپنا نظام حکومت لاگو کیا جس کے دوران برصغیر کے باسی انگریزوں کی ثقافت سے آگاہ ہوئے اور نتیجتاً یہاں کے لوگوں کے معمولات اور رسم و رواج متاثر ہوئے سادہ زندگی کی جگہ نمود و نمائش نے لے لی مادہ پرستی عام ہوئی لوگوں کے کھانے پینے رہنے سہنے غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں میں طرح طرح کی تبدیلیاں آتی رہیں کبھی یہ تبدیلیاں اہل معاشرہ کی اپنی مرضی سے آئیں اور کبھی ان کے مسائل کے حل کرنے کے عمل کے دوران رونما ہوئیں کیونکہ جب انسان انسان کے مسائل حل کرتا ہے تو معاشرتی تبدیلیاں وجود میں آتی ہیں لہٰذا یہ کہنا بجا ہوگا کہ اطوار عقائد اور دیگر طرز زندگی میں جو تبدیلی آتی ہے اسے ''سماجی تغیر'' کہتے ہیں۔''

سماجی تغیر ماہرین کی آراء میں

سماجی تغیر سے مراد وہ تبدیلیاں ہیں جو آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ معاشرہ میں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ سماجی تغیر کی اصطلاح کی وضاحت کے لئے مفکرین کی آراء سماجی تبدیلی کی تعریفوں کی شکل میں پیش کی جاتی ہیں۔

1-ایف۔ای۔میرل کے الفاظ میں:

''سماجی تغیر سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد ایسی سرگرمیوں میں حصہ لے رہی ہو جو ان مشاغل سے مختلف ہوں جن میں کچھ عرصے پہلے وہ یا ان کے والدین حصہ لیتے تھے۔''

2- عمرانیات کی لغت میں سماجی تغیر سے مراد:

''سماجی تبدیلی طریق عمل، نمونہ یا ہیت کے کسی گوشہ میں تغیر یا ترمیم و اصلاح ہے۔''

3- پروفیسر آگبرن نے سماجی تغیر کی تعریف یوں کی ہے:

''یہ ایک ایسی تبدیلی ہے جو طبعی ماحول، علوم وفنون یا غیر مادی ثقافت میں ردعمل کا نتیجہ ہو۔''

4-ایم روجرز کے خیال میں:

''معاشرتی تبدیلی مختلف اوقات کے درمیان ایک ایسے مرحلے کا نام ہے جب کسی

معاشرہ کے ارکان کے باہمی معاشرتی تعلقات تبدیل ہو جاتے ہیں۔''

5- گرین اور گرین کے نقطہ نظر سے:

''معاشرتی تبدیلی ان معاشرتی مواقع کو کہتے ہیں۔ جن کی بنیاد پر فطری ماحول' نفسیات' ترکیب آبادی اور غیر مادی ثقافت میں فرق پڑ جاتا ہو۔''

6- کنگز لے ڈیوس کے الفاظ میں:

''سماجی ڈھانچہ اور سماجی تعلقات میں تبدیلی کو سماجی تغیر کہا جاتا ہے۔''

جامع تعریف

''سماجی تغیر سے مراد ایسا عملیہ ہے جو کسی بھی معاشرہ کے رہن سہن' رسم و رواج اور معاشرتی ڈھانچہ میں مثبت و منفی اور عارضی و مستقل نوعیت کی تبدیلیاں لاتا ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے افراد کے افکار و کردار' رویے اور خیالات تبدیل ہوتے ہیں۔''

معاشرتی تبدیلیاں لانے والے اسباب

بہت سے مفکرین نے ان تبدیلیوں کی وجہ جاننے کی بھی کوشش کی ہے جو ان کے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق تھیں اور کئی ایک آج تک ہمیں صحیح معلوم ہوتی تھیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ موجود دور میں تبدیلیاں لانے والے ایسے کون کون سے عناصر ہیں۔

1- سائنسی ایجادات

آج کل سائنسی ایجادات کی بدولت معاشرے میں بڑی جلد اور بڑی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ سائنس کی ترقی نے لوگوں کے عقائد و اطوار علوم و فنون' غرض ہر چیز پر اثر کیا ہے۔ سائنس کی ترقی کی بدولت لوگوں کے ذات پات کے بارے میں نظریات بدل گئے ہیں۔ سائنسی ترقی کی بدولت زراعت میں بہت زیادہ ترقی ہو گئی ہے۔ زرعی ٹیکنالوجی کی بدولت فی ایکڑ پیداوار پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے۔ سال میں کئی کئی فصلیں آ گائی جاتی ہیں۔ امریکہ میں صرف چار فی صد لوگ زراعت سے وابستہ ہیں لیکن چار فیصد لوگ نہ صرف اپنے بلکہ پورے ملک کے لئے اناج اگاتے ہیں۔ صرف

یہی نہیں بلکہ وہ ہر سال ہزاروں ٹن کے حساب سے برآمد بھی کرتے ہیں۔ یہ سب سائنسی ایجادات کی بدولت ہے۔ ہمارے ملک میں بھی یہ چیزیں رواج پا رہی ہیں اور زراعت میں تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔

سائنس کی ایجادات کی بدولت فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ وہ فاصلے جن کو طے کرنے کے لئے مہینے لگ جاتے تھے۔ اب ہوائی جہاز کی بدولت چند گھنٹوں میں طے کر لئے جاتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ میں ترقی کی بدولت انسان وہاں تک پہنچ گیا ہے جہاں پہلے جانے کا تصور بھی نہیں کر پاتا تھا۔ سائنس ہی کی وجہ سے انسان چاند پر پہنچ گیا ہے اور اب دوسرے سیاروں پر جانے کی تیاری میں مصروف ہے۔

سائنس کی ایجادات کسی بھی معاشرے میں نہ صرف مادی تغیرات لانے کا سبب بنتی ہیں بلکہ بعد میں معاشرتی زندگی کے غیر مادی پہلوؤں کو بھی تبدیل کر دیتی ہیں۔

2-افراطِ آبادی

کسی جگہ کی آبادی وہاں پر معاشرتی تغیرات لانے کا بڑا سبب بنتی ہے۔ آگسٹ کومٹے کے مطابق جب کسی جگہ آبادی بڑھتی ہے تو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے معاشرہ ترقی کرتا ہے اور ڈرخائم کہتا ہے کہ جب آبادی زیادہ ہوتی ہے تو لوگوں کی مختلف علوم میں مہارت حاصل کرنے کا رجحان بڑھتا ہے اور مقابلہ سخت ہوتا ہے جس کی بدولت کوئی معاشرہ ترقی کرتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ آبادی کے بڑھنے سے ہمیشہ خوشگوار تبدیلی واقع ہو۔ بڑھتی ہوئی آبادی اکثر اوقات بڑے بڑے مسائل کا باعث بھی بنتی ہے۔ اگر کسی معاشرے میں مادی وسائل اس رفتار سے ترقی نہ کریں جس رفتار سے آبادی بڑھتی ہے تو بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورت مہیا کرنے کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور معاشرہ زوال پذیر ہونے لگتا ہے۔ یہ بھی ایک معاشرتی تبدیلی ہے۔

3-انتقالِ آبادی

جب کسی جگہ پر لوگوں کو زندگی کی سہولتیں میسر نہیں آتیں تو وہ ان علاقوں کی طرف

ہجرت کر جاتے ہیں جہاں انہیں ان سہولتوں کے حصول کی توقع ہوتی ہے۔ جب یہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں تو وہاں کے لوگوں سے باہمی روابط قائم کرتے ہیں۔ دو مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ثقافتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں جب معاشرتی بین عمل پیدا ہوتا ہے تو ثقافتی اختلافات کم ہونے لگتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی ثقافت کو اپناتے ہیں۔ کچھ اثر ان سے قبول کرتے ہیں اور کچھ ان پر چھوڑتے ہیں جس سے معاشرتی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ بازاروں میں خریداروں کا ہجوم دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ یہ تبدیلیاں معاشرے میں نقل مکانی کی بدولت آ رہی ہیں۔

4- قدرتی حادثات

قدرتی طور پر اچانک رونما ہونے والی تبدیلیوں کے باعث بھی معاشرے میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ زلزلے' سیلاب وغیرہ بڑی بڑی تبدیلیوں کا باعث بنتے ہیں۔ جن علاقوں میں اکثر اوقات زلزلے آتے رہتے ہیں وہاں کی معاشرتی زندگی پر ان کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ وہ لوگ ایسے گھر بناتے ہیں جن کے گرنے کی وجہ سے جانی و مالی نقصان زیادہ نہ ہو جیسے جاپان میں۔ اسی طرح سیلابوں کی وجہ سے بھی معاشرتی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ جن علاقوں میں سیلاب آتے ہیں وہاں پر لوگ گھر سے بے گھر ہو جاتے ہیں۔ جیسے 24 دسمبر 2004ء کو مشرق بعید کے جزائر میں زبردست سونامی طوفان و زلزلہ آیا اور تاریخی تباہی کا باعث بنا لاکھوں انسان لقمہ اجل بنے اور ان گنت لوگ بے پناہ مصائب و تکلیف کا شکار ہوئے جس کے نتیجہ میں کئی ایک معاشرتی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

5- تعلیم

تعلیم کی بدولت بھی معاشرے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ جس معاشرے میں جتنے زیادہ لوگ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں' وہ معاشرہ اتنی زیادہ ترقی کرتا ہے' کیونکہ تعلیم یافتہ لوگ اپنے مسائل بہتر طریقے سے حل کر سکتے ہیں۔ تعلیم کی وجہ سے کسی معاشرے میں صنعت' معیشت' سیاست غرض سب ہی اداروں کا معیار بلند ہوتا ہے جس سے سارے معاشرے میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔

6- مذہب

مذہب میں تبدیلیاں بھی کسی معاشرے کوکلی طور پر بدلنے کا سبب بنتی ہیں۔ مذہب یا عقیدے کے تبدیل ہونے سے انسان کا ذہن، اس کے افعال واعمال متاثر ہوتے ہیں۔ اس سے معاشرہ متاثر ہوتا ہے اور معاشرتی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

جب مکہ میں اسلام کا ظہور ہوا اور بعثت نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ ہوئی تو اس وقت وہاں کے لوگ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ شراب نوشی، چوری جیسی برائیاں عام تھیں۔ وہ خداوند تعالیٰ کے عظیم گھر میں ننگے ہوکر طواف کرتے تھے اور انہوں نے اس مقدس گھر کو بتوں کا گھوارہ بنا رکھا تھا اور ان بتوں سے مرادیں مانگتے تھے۔ اکثر اوقات ان کے نام پر انسانی جانیں قربان کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ عورت کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اکثر گھرانوں میں لڑکی کی پیدائش کو منحوس سمجھ کر اسے پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔ لیکن جب اس علاقے میں اسلام آیا تو یہاں پر طرح طرح کی تبدیلیاں آئیں۔

7- دریافت

دریافت کسی بھی معاشرے میں تبدیلیاں لانے کا باعث بنتی ہے دریافت سے مراد کسی ایسی حقیقت کا جاننا ہے جو پہلے سے موجود ہو یعنی کسی موجود چیز یا حقیقت کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کا نام دریافت ہے جیسا کہ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا اگرچہ امریکہ کا وجود اس دنیا میں پہلے سے موجود تھا لیکن لوگ اس براعظم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اس کی دریافت کے بعد مختلف ممالک سے لوگوں نے ادھر کا رخ کرنا شروع کیا اس طرح ایک غیر آباد براعظم کو دنیا کی مختلف قوموں نے آباد کیا جو امریکہ میں اور ان جگہوں پر جہاں سے یہ لوگ گئے تھے تبدیلیوں کا باعث بنا۔ اس کی وضاحت ایک اور مثال سے بھی ہوسکتی ہے جب انسان جنم لیتا ہے تو اس کی رگوں میں خون گردش کر رہا ہوتا ہے اور یہ اصول ازل سے قائم ہے لیکن پہلے انسان صرف یہی جانتا تھا کہ اس کی رگوں میں خون موجود ہے وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کیسے گردش کرتا ہے اس کے اصول وضوابط کیا

ہیں؟ اگر چہ خون جس اصول کے تحت گردش کر رہا تھا اسی کے تحت گردش کرتا رہے گا لیکن جب تک انسان نے اس حقیقت کو نہیں جانا تھا اس کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا جب یہ اصول جانا گیا تو یہ ایک دریافت تھی جس سے انسان کے موجودہ علم میں اضافہ ہوا یہ ایک ثقافتی تبدیلی تھی جب اس اصول کو مختلف بیماریوں کے علاج کے لئے اور مختلف علوم کے فروغ کیلئے استعمال کیا گیا تو اس سے معاشرے میں معاشرتی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

8-ایجادات

ایجاد سے مراد کسی معاشرے میں موجود علوم کو نئے انداز سے استعمال کرنا ہے جیسا کہ بھاپ سے چلنے والے انجن اور سادہ کشتی کو ملا کر بھاپ سے چلنے والی کشتی بنائی گئی۔ جب معاشرے میں پہلے سے موجود عناصر کو بہتر طریقے سے ملا کر ایک نئی چیز بنا دی جائے جو پہلے موجود نہ ہو تو یہ ایجاد کہلاتی ہے۔ اسی طرح گھریلو استعمال کی نئی نئی ایجادات کے باعث خاندانی وظائف میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ آج کل بہت سے کام مشینوں سے ہو رہے ہیں جس سے خواتین کو خاصی سہولتیں میسر آئی ہیں۔ وہ مزید سہولتیں حاصل کرنے کے لئے اور فارغ وقت کو بہتر طور پر استعمال کرنے کے لئے گھر کی چار دیواری سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ تعمیری کاموں میں بھی حصہ لے رہی ہیں۔ بسوں، کاروں، ٹیلی فون وغیرہ کی ایجادات نے بڑے بڑے شہروں میں بے شمار تبدیلیوں کو جنم دیا۔ اس طرح ایجادات معاشرتی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہیں۔

9- ثقافتی نفوذ

ثقافتی خصوصیات کا ایک جغرافیائی علاقے سے دوسرے جغرافیائی علاقوں میں منتقل ہونا اور اپنایا جانا ثقافتی نفوذ کہلاتا ہے۔ ثقافتی نفوذ اس وقت عمل پذیر ہوتا ہے جب دو معاشروں یا دو گروہوں کے لوگ ایک دوسرے سے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ ثقافتی نفوذ دو طرفہ عمل ہے۔

جب لوگ ملتے یا تعلقات قائم کرتے ہیں تو قدرتی طور پر فریقین ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً یورپ سے ہندوستان کی طرف ادویات، مشینری اور

اسلحہ وغیرہ بھیجا جاتا ہے اوراس کے بدلے میں اہل یورپ ہندوستان سے گرم مصالحہ، مکئی، آلو، کپاس، اورتمبا کو وغیرہ حاصل کرتے ہیں۔اس طرح دونوں معاشروں کے درمیان لین دین کی صورت میں کچھ چیزیں اِدھر سے اُدھر گئیں اور کچھ اُدھر سے اِدھر آئیں، جو معاشروں میں تبدیلی کا باعث بنیں۔مختصر یہ کہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں تو بہت سی تبدیلیاں لاتے ہیں۔جیسا کہ ہمارے ملک سے لوگ جب مشرق وسطیٰ یا یورپ جاتے ہیں تو واپسی پر وہ ان ثقافتوں کی بہت سی باتیں سیکھ چکے ہوتے ہیں اسی طرح یہ لوگ وہاں کے لوگوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔غرضیکہ ثقافتی نفوذ ایسا عمل ہے جو مسلسل معاشرتی تبدیلیوں کا باعث بنتا ہے۔

10- منصوبہ بندی اوراصلاحات

معاشرے کےلوگ معاشرے میں رائج پرانی اقدار کو بہتر بنانا چاہتے ہیں اور کچھ نئی چیزوں کا اضافہ بھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام منصوبہ بندی اوراصلاحات کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔اس کے علاوہ ثقافت میں بہت سی تبدیلیاں منصوبہ بندی سے لائی جاتی ہیں۔

11-اجماع کا اصول

اجماع سے مراد اکٹھا ہونا یعنی جب کسی بھی ثقافت میں پہلے سے موجود شدہ اجزاء میں مادی اجزاء مثلاً میز، کرسی وغیرہ اور غیر مادی اجزاء نظریات وخیالات وغیرہ میں نئے اجزاء کا اس طرح سے اضافہ ہوتا ہے کہ پہلے اجزاء ختم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔تو اس وقت سماجی تغیر رونما ہوتا ہے۔

12- بین عمل کا اصول

بعض اوقات کسی شعبہ میں ایک ایجاد دوسرے شعبوں کی تخلیقات کا نتیجہ ہوسکتی ہے مثلاً ڈارون کا نظریہ ''قدرتی انتخاب'' جو حیاتیاتی شعبہ سے تعلق رکھتا ہے دراصل مالھس کے نظریہ آبادی کا نتیجہ تھا ان نظریات کا اثر حکومت کی پالیسی پر پڑا اور خاندانی منصوبہ بندی جیسے تصورات وجود میں آئے اور سماجی تغیر کا محرک بنے۔

13-انداز گفتگو

موجودہ جدید دور میں سماجی تغیر (Social Change) کا ایک اہم سبب انداز گفتگو بھی ہے۔ انداز گفتگو حالات اور تقاضوں کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی اور تنزلی کے تغیر میں انداز گفتگو کا اہم کردار ہے۔

14-زراعت

کوئی بھی معاشرہ بغیر کھائے پیئے زندہ نہیں رہ سکتا پاکستان کے زیادہ تر آبادی کا پیشہ زراعت سے متعلق ہے ایک وقت تھا کہ زراعت کی پیداوار بہت محدود تھی اور آبادی بھی کم مگر آبادی میں اضافہ کے سبب زرعی فصلوں کی پیداوار بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے جس سے معاشرے میں معاشی تغیر آیا ہے۔

15-فرنیچر

ایک زمانہ تھا لوگ زمین پر بیٹھ کر دستر خوان بچھا کر کھانا کھاتے تھے معاشرتی تغیر کی وجہ سے لوگوں نے کھانا میز پر رکھ کر کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا شروع کیا۔ معاشرتی تبدیلی کا اثر فرنیچر پر بھی ہوتا ہے۔

16-سماجی ماحول

ایسا سماجی ماحول جہاں لوگ آزاد ہوں سیاسی استحکام ہو، معاشی خوشحالی ہو اور مسائل کی کمی ہو۔ ایسے معاشرہ میں لوگ نئے نئے تجربات کرتے رہے ہیں اور سماجی تغیرات زندگی کا اہم حصہ بن جاتے ہیں۔

17-جاری وساری تجربات کا اصول

ثقافت کا ہر نیا عنصر موجود عنصر سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً جب کسی ملک کا آئین بنایا جاتا ہے تو پہلے مختلف آئینوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اس طرح نئے تجربات معاشرتی تبدیلیاں لاتے ہیں۔

18- پروپیگنڈہ

معاشرے میں نئے خیالات ونظریات واطلاعات کو مقبول کرانے میں اشتہارات اور پروپیگنڈے کے ذرائع نہایت موثر ثابت ہوتے ہیں جو کہ سماجی تغیر کا سبب بنتے ہیں۔

19- ذرائع ابلاغ

اخبارات کتابیں ریڈیو، ٹی وی، تھیٹر نمائش میلے اور قومی تقریبات وغیرہ بھی سماجی تغیر کا سبب بنتے ہیں۔ یہ ذرائع جس قسم کا مواد نشر کرتے ہیں ویسی ہی معاشرتی تبدیلیاں رونما ہوتیں ہیں۔

20- معاشرتی مسائل

معاشرتی مسائل کے حل کے لئے جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں ان کے نتیجے میں معاشرتی تغیر رونما ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آبادی کے ضبط کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کو مشتہر کیا گیا جس سے افراد کے خیالات تبدیل ہوئے کچھ افراد نے عمل کیا کچھ نے صرف اچھا جانا اور خاموش رہے۔

21- مفکرین، سیاست دان اور شاعر

انگریز سے آزادی حاصل کرنے اور ہندووں سے علیحدہ مملکت پاکستان حاصل کرنے میں مذہبی راہنماؤں مفکرین شعراء کرام اور سیاستدانوں نے اہم کردار ادا کیا جس میں سر سید احمد خاں، علی برادران، علامہ اقبال، قائداعظم وغیرہ وغیرہ کی دن رات کی کاوشیں شامل ہیں اور آخر کار متحدہ ہندوستان اب کئی آزاد مما لک میں تقسیم ہو چکا ہے۔ پاکستان کی سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو کے کردار نے غریبوں کو امید کی شمع سے منور کیا، نواز شریف سابق وزیراعظم پاکستان نے شادی کھانوں پر پابندی لگا کر ایک زبردست معاشرتی تبدیلی کی بنا رکھی۔ اس سے ثابت ہے کہ مفکرین سیاستدان علماء اور شعراء کرام سماجی تغیر کا باعث بنتے ہیں۔ آج کل مشرف صاحب مختلف اقدامات کے ذریعے پاکستانی معاشرہ میں سماجی تبدیلیوں کا باعث بن رہے ہیں۔

معاشرتی تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اسباب

معاشرے میں ہونے والی تمام نئی ایجادات کو معاشرے کے لوگ آسانی سے قبول نہیں کرتے ان میں چند ایک کو فوری طور پر قبول کر لیتے ہیں کچھ کو معاشرے میں رائج ہونے کے لئے لمبی مدت درکار ہوتی ہے۔اور بعض کو خود معاشرہ قبول نہیں کرتا اور ترک کر دیتا ہے۔ کچھ ایجادات ایسی ہوتی ہیں جن کا کچھ حصہ معاشرہ قبول کر لیتا ہے اور کچھ حصے کو ترک کر دیتا ہے۔مثلاً ہم نے مغربی ممالک میں ٹیکنالوجی میں آنے والی تبدیلیوں کو مکمل طور پر قبول کر لیا لیکن ہر شعبہ زندگی میں آزادی اور بے راہ روی کے رجحان کو ہمارے معاشرے کے ایک خاص طبقے نے ایک حد تک قبول کیا ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ ترک کر دیا ہے اور اسی طرح اہل یورپ کے مذہبی عقائد کو ہم نے بالکل قبول نہیں کیا۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نئی بات کو اپنانے کا عمل خود بخود سرانجام نہیں پاتا بلکہ لوگ اس کو اپناتے وقت اپنے مفاد کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

چند تاریخی حقائق

(i) تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں سماجی تغیر کی راہ میں رکاوٹیں حائل تھیں حضرت عیسیٰؑ کو اپنے عقائد تبلیغ کے جرم میں مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ یہودیوں نے آپ کو مسلوب کرنے کی کوشش کی۔

(ii) جناب رسول ﷺ کو اسلام کے تبلیغ کے سبب مکہ کو خیر باد کہنا پڑا۔

(iii) لیگ آف نیشن کے قیام میں مدد کرنے پر لوگوں نے صدر امریکہ ووڈرو ولسن کو برا بھلا کہا۔

(iv) آج کل پرویز مشرف کی حکومت کو اپنی من پسند تبدیلیاں لانے کے لئے بھی دینی حلقوں کی جانب سے مزاحمت کا سامنا ہے۔

معاشرہ کی تبدیلی یا سماجی تغیر کی راہ میں بہت سے عناصر حائل ہیں ان میں چند ایک درج ذیل ہیں:

1- پسماندہ معاشرہ

ایک معاشرہ جتنا زیادہ پسماندہ ہوگا وہاں سماجی تغیر کی رفتار اتنی ہی سست ہوگی مثال

کے طور پر قدیم قبائلی معاشرے آج تک اپنا صدیوں پرانا رہن سہن اپنائے ہوئے ہیں اور اس میں کسی قسم کا تغیر کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کی وجہ ان کا معاشرہ پسماندہ ہے۔

2- تعلیم کا فقدان

تعلیم کا فقدان اور جہالت معاشرتی تبدیلی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں جاہل افراد اپنے رہن سہن اور ثقافت کو بہتر خیال کرتے ہیں اور خامیوں کے باوجود اس میں کسی قسم کی تبدیلی گوارہ نہیں کرتے۔

3- عادات

لوگ اپنی عادات کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ سماجی تبدیلی کا عادات سے بہت گہرا تعلق ہے اس لیے کہ لوگ سماجی تبدیلیوں کی مخالفت کرتے ہیں اور عام طور پر دیہی لوگ شہروں میں رہنا پسند نہیں کرتے ہیں جو کہ سماجی تغیر میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔

4- زبان

زبان سماجی تغیر میں اہم رکاوٹ ہے۔ ایک دوسرے کی زبان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی جس سے اُن کے درمیان رابطہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جس بنا پر وہ ایک دوسرے کے خیالات اور نظریات کو سمجھ نہیں سکتے۔ جس سے سماجی تغیر میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

5- ذرائع مواصلات کا فقدان

ذرائع مواصلات کی کمی کے باعث معاشرے دوسرے معاشروں سے کٹ کر رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے معاشروں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی چنانچہ آج بھی افریقہ کے علاقوں میں ایسے قبائل پائے جاتے ہیں جن کا رہن سہن ثقافتی علیحدگی کی وجہ سے صدیوں پرانا ہے۔

6- نشہ

نشہ کے استعمال سے انسان اپنی حقیقی زندگی سے بہت دور ایک کبھی نہ ہونے والی ناممکن دنیا میں چلے جاتے ہیں۔ نشہ کا عادی دنیا سے کٹ جاتا ہے گویا کہ ایک معاشرہ میں

جتنے زیادہ نشہ کے عادی ہوں گے اتنی ہی سماجی تغیر میں سب سے زیادہ رکاوٹ ہوگی۔

7- نئی ایجادات کو اپنانے میں مشکلات

نئی چیز کو اپنانا ہر ایک کے لیے مشکل ہوتا ہے کیونکہ پرانے طریقوں پر عمل پیرا ہونا بہت آسان ہے اس کے علاوہ بعض ایجادات اتنی پیچیدہ ہوتی ہیں اور ان کا طریقہ استعمال اتنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ معاشرتی تبدیلیاں لانے میں خاصا وقت لے لیتی ہیں۔ مثلاً پاکستان میں اعشاری نظام کو رائج کرنے کے لیے دس پندرہ سال کا عرصہ لگ گیا۔

8- معاشی وجوہات

ایجادات اور سماجی اصلاحات کے لیے خاصی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے جس کی وجہ سے عوام اس کو جلد قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے مثلاً بجلی کی نسبت موم بتی مہنگی پڑتی ہے اس لیے صرف دولت مندان ایجادات سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں جو کہ معاشرتی تبدیلی میں ایک اہم رکاوٹ ہے۔

9- ماضی سے لگاؤ

موجودہ سماجی اداروں اور رسم و رواج سے بہت سے لوگوں کو جذباتی لگاؤ ہو جاتا ہے اور اس لیے وہ نئی چیزوں کی بجائے پرانی چیزوں کو پسند کرتے ہیں لہٰذا وہ ہر قسم کے سماجی تغیر کی مخالفت کرتے ہیں۔

10- سادگی

بہت سے معاشرہ کے افراد سادہ زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں وہ ہر اس چیز کی مخالفت کرتے ہیں جس میں شوخا پن ہو۔ جس سے معاشرہ اسی روایتی طرز پر چلتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے معاشرتی تغیر ناممکن ہو جاتا ہے۔

11- رہائش

اگر کسی معاشرہ میں پرانے طرز پر ہی تمام رہائشیں بنتی رہیں کوئی نیا طریقہ یا ڈیزائن سامنے نہ آئے اور کوئی اس کو نہ اپنائے تو تمام معاشرتی لوگوں کے مکان صرف ایک ہی طرز

کے ہوں گے جس سے معاشرتی تبدیلی رک جائے گی اور معاشرہ ترقی نہ کرے گا۔

12-افراط آبادی

اگر کسی معاشرے میں آبادی اس کے مجموعی وسائل سے زیادہ ہو تو وہ افراط آبادی کا شکار کہلاتا ہے۔افراط آبادی کی وجہ سے لوگوں میں سماجی تغیر کو اپنانے کے لیے وقت نہیں ہوتا وہ اپنے ہی مسائل میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے قاصر رہتا ہے۔

13-فرسودہ رسم ورواج

فرسودہ رسم ورواج بھی سماجی تبدیلی میں اہم رکاوٹ ہیں۔ یہ جاہل لوگوں کے لیے سب کچھ ہوتے ہیں وہ ان فرسودہ رسم ورواج کو قائم ودائم رکھنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں مگر ان کا خاتمہ نہیں کرتے اور نہ ہی نئے اور اچھے رسم ورواج کو جنم دیتے ہیں۔جس سے معاشرتی تبدیلی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

14-غربت اور مہنگائی

زیادہ غربت بھی معاشرتی تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ غریب لوگ کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لیتے اس کے علاوہ ان کو ثقافتی اور معاشرتی تبدیلیوں پر خاصی رقم خرچ کرنا پڑتی ہے مثلاً ایک غریب آدمی بدلتے فیشن کا ساتھ نہیں دے سکتا۔اس کے علاوہ ضروریات زندگی فریج، ٹی وی وغیرہ کی افادیت سے آگاہ ہوتا ہے مگر ان کو خرید نہیں سکتا۔جس کی بنا پر معاشرتی تبدیلیاں ایک خاص گروہ تک محدود رہ جاتی ہیں۔

15-ذاتی مفاد

جو لوگ موجودہ منصوبوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے جن کو نقصان کا خدشہ ہے وہ ہمیشہ ان کی مخالفت کرتے ہیں اس کی وجہ حکومت یا شہرت کی خواہش بھی ہو سکتی ہے عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مخالف لوگ نئی ایجادات کے بدلے میں گمراہ کن پروپیگنڈہ کرتے ہیں تاکہ عوام کو دھوکہ دے کر گمراہ کر سکیں۔

15- معاشرتی اقدار

ہر معاشرے کی کچھ خاص اقدار ہوتی ہیں جو اس کے اعمال پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں غیر مادی تبدیلیاں لانا اور مادی تبدیلیوں کو اپنانا خاصا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق انسان کے خیالات وعقائد سے ہوتا ہے، جن میں تبدیلی بڑی آہستہ آہستہ واقع ہوتی ہے۔ ویسے بھی لوگ جن معمولات پر اپنے بزرگوں کو عمل پیرا ہوتے دیکھ رہے ہیں اور خود بھی عمل کر رہے ہوتے ہیں ان کو ترک کر دینا خاصا مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانی اقدار، رسم ورواج بڑی حد تک معاشرتی تبدیلیوں میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ویسے بھی لوگ کسی نئی چیز کو اپناتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں چاہے اس میں ان کا فائدہ ہی کیوں نہ ہو۔

یہ اقدار معاشرتی تغیرات میں رکاوٹ تو ضرور بنتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی وجہ سے معاشرے میں کوئی تبدیلی رونما ہی نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ ان کی وجہ سے ان تبدیلیوں کو اپنانے کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آباؤ اجداد کی رسوم ورواج کو چھوڑنا بہت مشکل کام ہے۔ دوسرے یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان جب تک کسی چیز کے فوائد ونقصانات نہ دیکھ لے یا اس کو خود نہ آزمالے اس وقت تک اس تبدیلی کو باقاعدہ طور پر اپناتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔ انسان کی فطرت کی بناء پر خود خداوند کریم نے مذاہب کی تبلیغ واشاعت کے لئے درجہ بدرجہ احکامات نازل فرمائے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی اور انہیں اسلام کی تبلیغ کا حکم ملا تو باقاعدہ طور پر یہ احکام بھی دیئے گئے کہ اس کا سلسلہ پہلے گھر سے اور پھر دوست واحباب سے شروع کریں۔ گھر کے افراد اور دوست واحباب تو یہ بات جانتے تھے کہ آنخضرت کس قدر حق گو ہیں، اس لئے وہ ان کی بات کا اثر آسانی سے قبول کر سکتے تھے۔ پھر نبی اکرمؐ نے بلوا کر تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، تو اگرچہ وہ سب اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس کے باوجود ان کی بڑی تعداد آپ کے خلاف ہوگئی۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے آباؤ اجداد غلط راستوں پر چل رہے تھے اور بت جن سے اپنی

طرح طرح کی منتیں منواتے رہے ہیں، جن کی عبادت میں ان کی ساری زندگی گزری ہے، وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ نئے رسم ورواج اور عقائد ہی کی وجہ سے سردار دو جہاں سرورِ کونین احمد مجتبیٰ ﷺ کو بڑی بڑی صبر آزما آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ جن لوگوں نے اسلام کو تہہ دل سے قبول کرلیا تھا، ان پر بھی اسلام کے سارے احکام ایک ساتھ نازل نہیں کیئے گئے بلکہ آہستہ آہستہ ایک کے بعد دوسرا حکم صادر فرمایا گیا کیوں کہ ایک دم سے اتنی بڑی بڑی تبدیلیاں قبول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ مثلاً لوگوں کو پہلے خداوند کریم کی واحدانیت پر ایمان لانے اور نبی اکرم ﷺ کو رسول ماننے کے لئے کہا گیا۔ اس کے بعد زندگی کے مختلف پہلوؤں اور عبادات کے بارے میں احکام صادر فرمائے گئے۔ حلال وحرام کی تمیز کروائی گئی اور حرام چیزوں سے بچنے کا حکم صادر فرمایا گیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سارے احکامات پر عمل کروانے کے لئے لوگوں کو آہستہ آہستہ آمادہ کیا گیا، ان کی باقاعدہ تربیت کی گئی اور پھر کوئی بات حکم کے طور پر صادر فرمائی مثلاً عرب لوگ اس زمانے میں شراب کے بے حد عادی تھے، شراب ان کی نس نس میں رچی ہوئی تھی، اس کو ایک دم چھوڑ دینا ان کے بس میں نہیں تھا، اس لئے پہلے یہ حکم نازل ہوا۔

ترجمہ: نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

یعنی نماز ادا کرتے وقت نشے کی حالت نہیں ہونی چاہیے اور نماز فرض عبادات میں سے تھی اور دن میں پانچ وقت ادا کرنا ہوتی تھی۔ اس طرح نماز کی خاطر لوگوں کو دن کے وقت شراب سے دور رہنا پڑتا تھا۔ جب لوگ بڑی حد تک اس کے عادی ہو گئے بلکہ رات کو بھی عبادت میں مشغول رہنے کے لئے شراب سے دور ہوتے گئے تو مکمل طور پر اس کو حرام قرار دے دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے لوگوں کی فطرت، عادات، رسم ورواج اور اقدار کو اتنی آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور یہ بڑی حد تک تبدیلیوں کو قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

مذہبی تبدیلیوں کے علاوہ بھی معاشرے میں رائج رسومات کو ترک کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے معاشرے میں ثقافتی تبدیلیاں تو جلد آجاتی ہیں لیکن لوگ جب تک ان کو قبول نہ کریں اور ان پر عمل نہ کریں معاشرتی تبدیلیاں نہیں آتیں۔ ماہر عمرانیات آگسٹ کومٹے

نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی معاشرے میں اس وقت تک تبدیلیاں لانا مشکل ہے جب تک ہم معاشرتی اعتماد کے نظام میں تبدیلیاں پیدا نہ کر سکیں۔ اس کی واضع مثال پاکستان میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کی ناکامی ہے۔ ایسی ادویات تو مغربی ممالک سے لے لی گئیں جن کے استعمال سے شرح پیدائش میں کمی واقع ہو سکتی ہے لیکن لوگوں کو ذہنی طور اس کے استعمال کے لئے تیار کرنے کی ضرورت کا احساس نہیں کیا گیا۔ وہ لوگ جن کا اعتماد تھا کہ بچے خدا کی دین اور اسکی رحمت ہیں اور یہ کہ گھر میں جتنے مرد زیادہ ہوں گے کمانے والے بھی زیادہ ہوں گے، ان کے لئے ان ادویات کا استعمال ممکن نہیں تھا۔ وہ اس کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور باقاعدہ طور پر اس کا ذکر بھی بڑے عجیب انداز میں کرتے تھے۔ ہاں البتہ ان کو زیادہ آبادی کے مسائل اور زیادہ بچوں کو پالنے کے دوران اٹھائی جانے والی تکالیف کا پہلے احساس دلایا جاتا اور باقاعدہ ان کو ذہنی طور پر کم بچوں کی افادیت کے لئے تیار کیا جاتا تو یہ لوگ خود بخود اس کو قبول کرتے۔ وہ ثقافتی تبدیلی جو معاشرتی اقدار سے مطابقت نہ رکھتی ہو اتنی آسانی سے معاشرتی تبدیلیاں نہیں لاسکتی۔

ناخواندگی

جہالت یا ناخواندگی معاشرتی تبدیلیوں کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے نہ تو لوگ نئی ایجادات کے بارے میں جان سکتے ہیں اور نہ ہی آسانی سے اس کو قبول ہی کرتے ہیں۔ تعلیم انسانی ذہن کو جلا بخشتی ہے جس سے اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ جبکہ ناخواندہ حضرات ہمیشہ پیچھے ہی کی طرف دیکھتے ہیں وہ کسی تبدیلی کو قبول کرنے سے پہلے جب اس کے مختلف پہلوں پر غور کرتے ہیں تو وہ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد کا رویہ اس کے بارے میں کیا تھا ظاہر ہے جنہوں نے نئی دریافت کو دیکھا نہیں پرکھا نہیں وہ تو اس سے بے خبر ہی ہوں گے اور ان کا اس کے بارے میں مثبت رویہ نہیں ہوگا اور یہی غیر مثبت رویہ اگلے لوگ اپناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس قوم میں جتنے زیادہ لوگ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اتنی ہی وہ قوم ترقی کرتی ہے اور نئی چیزوں کو اپنا کر نئے نئے تجربات سے نئی راہیں استوار کرتی ہے۔ جتنی قوم ناخواندہ ہوتی

ہے اتنی ہی ترقی کرنے کی صلاحیت اس میں کم ہوتی ہے۔اس سے تبدیلی کی رفتار متاثر ہوتی ہے۔ تعلیم کی اہمیت سے ہر کوئی واقف ہے اور خود نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ تعلیم حاصل کرو چاہے تمہیں چین کیوں نہ جانا پڑے لیکن اس کے باوجود ہمارے اپنے ملک میں اکثر گھرانے (خاص طور پر سرحدی علاقوں میں) تعلیم حاصل کرنا معیوب سمجھتے ہیں خصوصاً عورتوں کا اسکول و کالج جانا تو انہیں کسی قیمت پر گوارہ نہیں ہوتا۔اس طرح ان پڑھ لوگ نئی نسل کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور تعلیمی تبدیلیوں کو نہیں اپناتے۔ جس سے معاشرتی تبدیلی کی راہ ہموار نہیں ہوتی۔

17-ایجادات کی وضاحت

جب کبھی ایجاد کے فوائد کو آسانی سے مثالوں کے ساتھ واضح کیا جاتا ہے تو اس کو اپنانا آسان ہوتا ہے۔ ریڈ انڈیز نے بندوق تو بڑی آسانی سے قبول کر لی تھی لیکن انہوں نے ادویات کو نہیں اپنایا کیونکہ ان ادویات کو ان کی اپنی ادویات سے بہتر ظاہر کرنے کے لئے زیادہ وضاحت نہیں کی گئی تھی۔اسی طرح بہت سی ایجادات اپنے ابتدائی مراحل میں اس قدر نامکمل ہوتی ہیں کہ ان کو اس حال میں اپنانا لوگ اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور جب یہ مکمل ہو جاتی ہیں تب بھی لوگ اس کو اپنانے میں دیر لگاتے ہیں۔ایجادات کو اپنانے کے لئے اس کے طریقہ کار کی وضاحت میں بھی کئی قسم کی رکاوٹیں معاشرتی تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔کئی ایجادات ایسی ہوتی ہیں جن کی وضاحت چھوٹے پیمانے پر بھی بڑی آسان ہوتی ہے۔جبکہ بعض ایجادات کو چھوٹے پیمانے پر بھی متعارف کروانا خاصا مہنگا پڑتا ہے۔اس طرح بہت سی سائنسی ایجادات ایسی ہیں جن کو چند گھنٹوں یا چند دنوں میں پرکھا جا سکتا ہے اور اس پر اتنی لاگت بھی نہیں آتی جبکہ بہت سی ایجادات مثلاً گورنمنٹ سسٹم، معاشرتی تنظیم یا باہمی تعاون کے اداروں کو پرکھنا (جن کی بنیاد رشتہ داریوں کی بجائے اصول وضوابط پر ہوتی ہے) خاصا مشکل ہے۔یہی وجہ ہے کہ بہت سی معاشرتی ایجادات کو پرکھنے میں لمبا عرصہ لگتا ہے۔اور اس وقت تک اس کا مکمل طور پر تجزیہ نہیں کیا جا سکتا جب تک سارا معاشرہ اس میں شریک نہ ہو۔لوگ اس وقت تک نئی چیز کو اپناتے ہوئے ڈرتے

ہیں جب تک وہ یہ نہ جان لیں کہ یہ کیسے کام کرتی ہے اور اس کے کیا فوائد ہیں؟ اس کے بعد وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اس کو عملی طور پر اپنایا جائے یا نہیں۔ جیسا کہ سابقہ حکومت کے دور میں بعض ادارے مثلاً ملیں، کارخانے، بینک، اسکول وغیرہ قومی تحویل میں لئے گئے لیکن ان سے خاطر خواہ نتائج بر آمد نہ ہو سکے اور اب ان میں سے کئی ادارے ان کے مالکان کو لوٹائے جا رہے ہیں۔

18- پہل کرنے میں ہچکچاہٹ

پہل کرنے میں ہچکچاہٹ بھی بہت سی معاشرتی تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی معاشرے میں کوئی نئی چیز متعارف کروائی جاتی ہے تو لوگ صرف اس انتظار میں اسے نہیں اپناتے کہ دوسرے لوگ اسے نہیں اپنا رہے اور وہ پہل کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ اس کی مثال جہیز کا مسئلہ ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے ملک کی 95% آبادی متاثر ہو رہی ہے اور اکثر لڑکیوں کی شادی صرف اسی وجہ سے نہیں ہو پاتی کہ ان کے والدین جہیز نہیں دے سکتے اور اگر دیتے ہیں تو قرض کے بوجھ تلے اس قدر دب جاتے ہیں کہ ساری زندگی اسی قرض کو اتارتے گزر جاتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود حکومت کی طرف سے عائد پابندیوں کے یہ رسم اپنی جگہ پر قائم و دائم ہے۔ پہلے لوگ نمائش کرتے تھے لیکن اب اندرونی طور پر جہیز شادی سے پہلے لڑکے والوں کے گھر پہنچ جاتا ہے۔ اس سے اور بھی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس رسم کو صاحب ثروت لوگ بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن ہر کوئی یہی سوچتا ہے کہ چونکہ دوسرے اس رسم کو نبھا رہے ہیں، اس لئے اسے بھی یہ رسم کسی نہ کسی طرح نبھانا ہی ہے اور پہل کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک اچھی معاشرتی تبدیلی معاشرے میں نہیں آتی۔ مرد خواتین پر اور خواتین مردوں پر الزام لگاتی ہیں کہ ان کی وجہ سے یہ رسم قائم ہے، حالانکہ اگر کچھ صاحب استطاعت اور امیر لوگ اس رسم کو توڑیں تو نچلے طبقے کے لوگ خود بخود اس تبدیلی کو قبول کریں گے۔

سماجی تغیرات کے معاشرہ پر اثرات

یہاں معاشرتی تبدیلیوں سے مراد وہ تبدیلیاں ہیں جو افراد کے طرز معاشرت، رہن سہن، انداز فکر، رجحانات، میلانات اور نظریات میں رونما ہوتی ہیں اور جنہیں آبادی کا بہت بڑا حصہ بتدریج قبول کر لیتا ہے۔ ان تبدیلیوں اور تغیرات میں دور حاضر کی مختلف ایجادات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں ان کی اہمیت واضح کی جائے گی۔

معاشرتی تغیرات اور ایجادات کی اہمیت

انسان کے اندر ایک ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو اسے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان ایک صورت حال میں ساکت و جامد نہیں ہو جاتا۔ اس میں اختراعی وصف ہے جسے وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے استعمال کرتا ہے اور پھر طرح طرح کی ایجادات کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ مسلسل تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس تبدیلی میں انسان کی اختراعی صلاحیت نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ یہ اختراعی صلاحیت اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد دو چند ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں انواع و اقسام کی حیرت انگیز اشیاء موجود ہیں۔ جن کے استعمال سے انسان کے ماحول، انداز فکر، خیالات، نظریات اور رجحانات اور ثقافتی اقدار میں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔

انواع و اقسام کی ایجادات نے معاشرتی زندگی میں طرح طرح کی تبدیلیاں پیدا کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1- ذرائع نقل و حمل میں انقلاب

اب انسان بہت سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہے اس کے پاس اب گھوڑوں، خچروں، ریڑھوں اور بگھیوں کی جگہ موٹریں، کاریں، بسیں، ٹرک، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز ہیں۔ پہلے انسان جو سفر مہینوں اور سالوں میں طے کرتا تھا وہ اب منٹوں اور گھنٹوں میں طے کر لیتا ہے۔

2-ذرائع ابلاغ کا انقلاب

آج دنیا اس قدر سکڑ چکی ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رونما ہونے والا اہم واقعہ دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، انٹرنیٹ، ٹیلکس، وائرلیس اور اخبارات و رسائل کے ذریعے یہ واقعات پلک جھپکتے میں دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں اور کوئی شخص اس کو جادو قرار نہیں دیتا بلکہ اس کو علم اور سائنس کی ترقی کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

3- گھریلو استعمال کی جدید اشیاء

مختلف النوع ایجادات کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً ہر گھر میں موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے انسان کو سکون، آرام اور آسائشیں میسر آتی ہیں۔ اب گھروں میں بجلی کے قمقمے روشن ہیں۔ گھروں کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے بجلی کے پنکھے، روم کولر اور ایئر کنڈیشنر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بجلی کے آلات سے کھانے پکتے ہیں، کپڑے دھلتے ہیں، استری ہوتے ہیں، برتن صاف ہوتے ہیں، فرش اور قالین وغیرہ بھی صاف ہوتے ہیں۔ پھر یہ کام زیادہ تیزی، صفائی اور آرام سے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان کے طور طریقوں، رہن سہن، آداب خورد و نوش اور آداب گفتگو میں نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اب کمپیوٹر کی ایجاد نے مزید تبدیلیوں کی نشاندہی کی ہے۔

4-طرز رہائش میں تبدیلیاں

جو سہولتیں آج جدید مکانات میں موجود ہیں وہ ماضی میں بادشاہوں کو بھی میسر نہیں تھیں۔ آج لمبی چوڑی صاف ستھری کشادہ سڑکوں کے گرد خوب صورت اور کئی کئی منزلہ بلند و بالا عمارات، مکانات اور پلازوں کی قطاریں ایک نئی دنیا کا نقشہ پیش کر رہی ہیں۔ لیکن تیسری دنیا کے بیشتر ممالک میں ترقی کی رفتار سست ہونے کی بناء پر قدیم طرز زندگی اور بود و باش اب بھی جاری ہے اور پاکستان کے دیہی علاقوں میں اب بھی لوگوں کی اکثریت مٹی کے کچے گھروں میں آباد ہے۔

5- تفریحی مشاغل

ماضی میں لوگ تفریحی مشاغل میں بہت کم تعداد میں حصہ لیتے تھے لیکن آج سینکڑوں قسم کی کھیلیں موجود ہیں۔ جن میں زیادہ تر نوجوان طبقہ حصہ لیتا ہے۔ فلم، ٹی وی، ریڈیو اور وی سی آر تو گھر گھر میں موجود ہیں۔ جن سے بچے بوڑھے سب ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ویڈیو گیمز، کلب اور انجمنیں بھی انسان کو تفریح کے سامان بہم پہنچاتی ہیں۔

6- رسم ورواج

جدید مشینی دور میں رسم و رواج میں بھی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جو گھر کے چار دیواری میں مقید تھیں۔ اب گھروں سے باہر ہر جگہ پر کام کرتی نظر آتی ہیں۔

غرض کہ انواع واقسام کی ایجادات واختراعات نے ہماری معاشرتی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہماری ثقافتی اقدار، طرز رہن سہن، آداب خورد ونوش اور آداب گفتگو حتیٰ کہ زبان میں بھی ایک غیر معمولی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ سائنسی علوم کی ترقی ہے۔

معاشی تبدیلیاں اوران کی اہمیت

اقتصادی نقطہ نظر سے ہمارے معاشرے میں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جس کی وجہ بھی سائنسی علوم اوران کے نتیجے میں ہونے والی ایجادات ہیں۔ ان ایجادات کی وجہ سے نئے نئے پیشے وجود میں آ رہے ہیں۔ ہر پیشے میں مختلف قسم کے برقی آلات وغیرہ استعمال ہونے لگے ہیں۔ جن کی وجہ سے پیداوار میں نہ صرف بے حد اضافہ ہوا ہے بلکہ ان اشیاء کا معیار بھی بہتر ہو گیا ہے۔

1- زراعت میں جانوروں کا استعمال

زراعت میں مختلف جانوروں کی مدد سے ہل چلائے جاتے تھے، کنویں سے پانی

نکالا جاتا تھا۔انہیں بار برداری کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور مختلف قسم کے تیل نکالنے کے لئے بھی کولہو میں جانور ہی استعمال کئے جاتے تھے۔ اب ان جانوروں کی جگہ ٹریکٹر، ٹرالیاں، بلڈوزر، ٹیوب ویل، فصلیں کاٹنے اور اناج نکالنے کیلئے مشینیں موجود ہیں۔ ان تبدیلیوں کی بدولت اناج کی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے کسان بھی خوشحال ہو رہے ہیں۔

2- صنعتی مراکز

ہر چیز بنانے کے لئے بڑی بڑی فیکٹریاں ہیں۔ اب لوگ گاؤں کا بنا ہوا کھدر نہیں پہنتے بلکہ بڑی بڑی فیکٹریوں میں تیار کئے گئے۔ اعلیٰ قسم کے پکڑے زیب تن کرتے ہیں۔ اب گاؤں میں موچی سے جوتا نہیں بنوایا جاتا بلکہ جوتے بنانے کی بھی بڑی بڑی فیکٹریاں ہیں۔ جن کا مال ہر شہر اور ہر قصبے میں موجود ہے۔ اسی طرح گھریلو استعمال کی اشیاء بنانے کی بھی بے شمار صنعتیں قائم ہیں جن میں ہزاروں مزدور کام کر رہے ہیں۔ اس طرح ملک میں ایک نئی معیشت جنم لے رہی ہے۔

3- عالمی تجارت میں اضافہ

جس قدر صنعتیں پھیل رہی ہیں اسی قدر تجارت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ دنیا بھر سے مختلف قسم کا مال اور مصنوعات منگوائی جاتی ہیں اور ملکی اشیاء بیرون ملک برآمد کی جاتی ہیں۔ جن کے ذریعے نہ صرف زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بیرونی ممالک کی اشیاء ملکی صنعت کاروں کو ایک ماڈل بھی مہیا کر دیتی ہے۔ اس طرح تجارت کے پیشے میں بھی ہزارہا قسم کے طریقے وجود میں آ گئے ہیں جن کی بدولت لوگ بے حد منافع کماتے ہیں اور ان کی طرز معاشرت یکسر بدل گئی ہے۔

4- نقل وحمل کی جدید سہولتیں

نقل وحمل کی سہولتیں بذات خود ایک بہت بڑی صنعت قرار دی جاسکتی ہیں۔ کسی ملک میں اگر یہ سب کچھ تیار ہو رہا ہو تو اسے اس بات کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ وہ اقتصادی

اور صنعتی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ ہے۔صنعتوں کو خام مال، ذرائع نقل وحمل ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے اور تجارتی لین دین بھی ان ہی ذرائع نقل وحمل سے ممکن ہوتا ہے۔اب کسان اپنی پیداوار فروخت کرنے کے لئے ٹرکوں کے ذریعے بڑی منڈیوں میں بھیج سکتا ہے اور لوگ دفتروں اور فیکٹریوں وغیرہ میں کام کرنے کے لئے ان ہی ذرائع سے پہنچتے ہیں اور اس طرح پورے ملک کی معیشت میں ذرائع نقل وحمل ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں۔

5- صحت کے جدید مراکز

صحت کے جدید مراکز کئی پہلوؤں سے ملک کی معیشت میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔جدید ہسپتالوں میں نہ صرف سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگوں کو روزگار میسر آ جاتا ہے۔ان بڑے بڑے ہسپتالوں میں بے شمار قسم کی مشینیں استعمال کی جاتی ہیں جو انسان کے علاج میں بالخصوص بیماری کی نوعیت معلوم کرنے کے لئے خدمات انجام دیتی ہیں۔ان ہسپتالوں میں جو ادویات مریضوں کے لئے فراہم کی جاتی ہیں وہ بڑی بڑی کیمیکل فیکٹریوں میں تیار کی جاتی ہیں۔ان ادویات کی تیاری کے لئے پہلے تحقیق ہوتی ہے اور تحقیق کے لئے بڑی بڑی لیبارٹریاں قائم کی جاتی ہیں۔گویا صحت کے یہ مراکز لاکھوں بلکہ کروڑوں افراد کو روزگار فراہم کرتے ہیں۔

سیاسی تبدیلیاں اور ان کی اہمیت

علوم وفنون اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ایجادات اور معاشرتی تبدیلیوں نے سیاسی میدان میں بھی دور رس تبدیلیاں کی ہیں۔

1- لوگوں کے سیاسی شعور میں اضافہ

مختلف ذرائع مواصلات اور اخبارات ورسائل نے لوگوں کے سیاسی شعور میں بے حد اضافہ کیا ہے۔ ٹیلی ویژن کے ذریعے حکومت اپنے نظریات اور انداز فکر کو عوام تک پہنچاتی ہے۔ریڈیو اور ٹی وی حکومتی پالیسیوں کی ترجمان بن کر ان کا دفاع کرتے ہیں اور

حکومت کے موقف کو واضح طور پر عوام کے سامنے لاتی ہیں۔ اس طرح عوام کو حکومتی اقدامات کی صحیح نوعیت کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں اوران کے سیاسی شعور میں اضافہ ہوتا ہے۔اب عوام اپنے حقوق وفرائض کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے لگ گئے ہیں۔ان میں جمہوری قدریں جڑ پکڑ رہی ہیں اور وہ حکومت کو من مانی کاروائیوں کی اجازت نہیں دیتے اگر وہ ایسا کرے تو وہ اپنے غم وغصے کا اظہار کرتے ہیں۔

2-ایٹمی قوت کے سیاسی اثرات

اب انسان کے پاس ایک ایسی ایٹمی قوت موجود ہے جو آناً فاناً ساری دنیا تو کیا اس طرح کی 36 دنیاؤں کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس حیرت انگیز ترقی نے عالمی سیاست کو یکسر بدل ڈالا ہے۔اب انسان اتنی آسانی کے ساتھ جنگ کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ دشمن کے ساتھ میز پر بات چیت اور سمجھوتوں کے ذریعے مسائل حل کرنے کو ترجیح دیتا ہے اورامن کی راہیں تلاش کرتا ہے۔اس کے علاوہ وہ ممالک جن کے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہیں لیکن ان کے پاس ایٹمی پلانٹوں پر حملوں کی وجہ سے خارج ہونے والی تابکاری ملک کے وسیع وعریض حصہ کو متاثر کرسکتی ہے۔اس لئے جنگی حکمت عملی تبدیل کرنا ان کی ضرورت بن چکا ہے۔

3-عالمی سطح پر قیام امن کی کوششیں

دنیا میں جدید نوعیت کے خطرناک ہتھیاروں کی موجودگی کی بناء پر امن کے استحکام کے لئے عالمی سطح پر کوششیں کی جارہی ہیں۔اقوام متحدہ اوراس کی ذیلی تنظیمیں انسانیت میں یہ شعور پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہیں کہ جنگ وجدل انسان کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔اسی شعور کا نتیجہ ہے کہ اب عالمی سطح پر ممالک کے درمیان باہمی تعلقات فروغ پا رہے ہیں اور حکومتیں اپنے درمیان پائے جانے والے مختلف اختلافات کو باہمی بات چیت کانفرنسوں، ملاقاتوں اور سمجھوتوں کے ذریعے حل کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں۔اقوام عالم یہ سمجھ چکی ہیں کہ فوجی طاقت کا استعمال مسائل کا حل نہیں ہے۔

4- بین الاقوامی تعاون

آج کل دنیا بین الاقوامی تعاون کی راہیں کھل رہی ہیں۔ مشترکہ صنعتی منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کی ترقی کے لئے امداد مہیا کرتے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی ادارے ترقی پذیر ممالک کو قرضے فراہم کرتے ہیں۔ مختلف ممالک ایک دوسرے کے طلبہ کو وظائف اور تعلیمی سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں۔ کسی قدرآفت، سیلاب، زلزلہ اور قحط وغیرہ کے موقع پر امداد فراہم کی جاتی ہیں اور متاثرہ لوگوں کے مصائب کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ماضی میں جدید ذرائع نقل وحمل اور ذرائع مواصلات کی عدم موجودگی کے سبب بڑے بڑے واقعات رونما ہو جاتے تھے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔

تعلیمی تبدیلی اور ان کی اہمیت

عالمی سطح پر ہونے والی ان ایجادات واختراعات نے تعلیم کے میدان میں بے شمار تبدیلیاں کی ہیں۔ ان ایجادات کی بدولت تعلیم کا حصول آسان ہو گیا ہے۔ جس میں ذرائع نقل وحمل رسل ورسائل اور مواصلات نے خصوصی کردار ادا کیا ہے۔

1- تعلیم کا فروغ

ذرائع نقل وحمل اور مواصلات کے عام ہونے سے لوگوں کی نقل وحرکت میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے تعلیم کا حصول آسان ہو گیا ہے۔ آج تعلیمی سہولتیں گاؤں گاؤں، محلے محلے اور کوچے کوچے میں موجود ہیں۔ ماضی میں لوگوں کو اس کے لئے لمبے لمبے سفر کرنے پڑتے تھے۔

2- مضامین میں اضافہ

تعلیم اس قدر وسعت پذیری کی طرف مائل ہے کہ ہر مضمون کی نئی شاخیں مکمل مضامین کی شکل اختیار کرتی جارہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایک شاخ کے موضوعات

پر ہزار ہا کتب شائع ہو چکی ہیں اور جدید دور میں علمی تحقیقات کی بدولت علم بہت وسعت اختیار کر چکا ہے۔ کسی شخص کا اب ایک مکمل مضمون پر حاوی ہونا ممکن نہیں رہا جس کی وجہ سے مضامین میں اضافہ ہو رہا ہے۔

3- تعلیم کے جدید طریقے

ان دنوں کمپیوٹرز، وی سی آر اور ٹیپ ریکارڈرز وغیرہ نے روایتی طریقہ تعلیم کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ فاصلاتی تعلیم میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور وی سی آر کے ذریعے ہی طلبہ کو تعلیم دی جاتی ہے۔ ٹی وی، فلم اور وی سی آر کے ذریعے طلبہ کو مسائل کے باریک ترین نکات براہ راست سکرین پر دکھا کر سمجھائے جاتے ہیں۔ اسطرح وہ مسائل کی نوعیت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ جاتے ہیں۔ کمپیوٹر علمی میدان کا ایک ایسا ستون ہے جس کی بدولت سائنس دان مختلف مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ کمپیوٹر مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں بے حل مدد دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ غیر مما لک میں کمپیوٹر تعلیمی اور تحقیقاتی اداروں کے لئے ایک لازمی حصہ بن چکا ہے۔

5- تعلیمی اداروں کے درمیان رابطہ

موجودہ دور میں دنیا بھر کے تعلیمی ادارے بالخصوص یونیورسٹیاں اور تحقیقاتی ادارے آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے تعلیمی پروگراموں اور تحقیقاتی منصوبوں کے بارے میں آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں خصوصی کتابچے شائع کر کے تمام طلبہ کو ان سے مستفید ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

اہم سوالات

1- سماجی یا معاشرتی تبدیلی سے کیا مراد ہے (تعریف اور تشریح)؟

2- سماجی یا معاشرتی تبدیلی کے انسانی زندگی پر اثرات کا جائزہ لیں؟

3- سماجی یا معاشرتی تبدیلی کے عمل کو تیز کرنے والے عوامل بیان کریں نیز اس عمل کی راہ میں رکاوٹوں کا ذکر کریں؟

باب نمبر 5

پاکستان کی سماجی واقتصادی ضروریات

1- زرعی ترقی، اہمیت، رکاوٹیں اور تدارک

2- صنعتی ترقی، اہمیت، رکاوٹیں اور تدارک

3- صنعتی ترقی اور آبادی کی منتقلی کی وجہ سے مسائل اور اُن کا حل

باب نمبر 5

پاکستان کی سماجی واقتصادی ضروریات

زرعی ترقی

(Cultural Development)

عام معنوں میں زرعی ترقی سے مراد (زراعت) کھیتی باڑی کاشت کاری کی بڑھوتری لی جاتی ہے۔یعنی فصلوں کا صحیح لگنا بڑھنا پھلنا، پھولنا، بروقت فصل کا کافی مقدار Quantity میں دستیاب ہوجانا کیا جاتا ہے۔

لیکن ماہرین کے نزدیک ''زرعی ترقی سے مراد یہ ہے کہ زرعی شعبے کو اتنا خام مال مہیا کرنا چاہیے جو روزافزوں صنعتی شعبے کے پہیے کو چالو رکھ سکے۔''

پاکستان میں زراعت کی اہمیت

پاکستان کی معیشت بنیادی طور پر ایک زرعی معیشت ہے۔اسے زرعی معیشت اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ ہماری معاشی ترقی کا بیشتر انحصار اسی شعبہ پر ہے۔اس شعبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک کی دیہی آبادی کا تقریباً 72 فیصد زرعی کاموں میں مشغول رہتا ہے اور اس وقت ملک میں کام کرنے والے افراد کا تقریباً 53 فیصد حصہ اسی زرعی شعبہ میں کام کر رہا ہے اور یہیں سے اس کو اپنا اور اپنے بچوں کا رزق حاصل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اسی زراعت کی بدولت ہماری کل قومی پیداوار کا تقریباً

30 فیصد حصہ ہمارے استعمال میں آتا ہے۔ نیز ہماری مجموعی برآمدات میں سے تقریباً 36 فیصد حصہ زرعی شعبہ کی پیداوار پر مشتمل ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک کی گھریلو صنعتوں کا مکمل دارومدار اسی شعبہ سے حاصل ہونے والے خام مال پر ہے۔ درمیانی صنعتیں اور بھاری صنعتیں مثلاً پارچہ بافی کی صنعت اور شکر سازی کی صنعت وغیرہ بھی اسی زرعی شعبہ سے حاصل ہونے والے خام مال پر انحصار کرتی ہیں۔

بڑھتی ہوئی آبادی اور زراعت

اگر ہماری زرعی پیداوار میں اضافہ ہو تو ظاہر ہے ہماری ملکی معیشت پر اس کا مثبت اثر پڑے گا۔ اس وقت ہمارے ملک کی آبادی میں تقریباً 3 فیصد سالانہ کا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اضافہ ہمارے لئے سنگین خطرے کا الارم ہے کیونکہ جس رفتار سے ہماری آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس لحاظ سے سنہ 2025 میں ہماری کل آبادی تقریباً دوگنی ہو چکی ہوگی۔ اس طوفان کی طرح بڑھنی والی آبادی کے لئے رہائش اور خوراک ولباس کا مسئلہ ہماری قوم کو درپیش ہوگا۔ اگر ہماری زراعت کو ترقی نہ دی گئی اور فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ نہ کیا گیا تو یقیناً ہمارے لوگ قحط اور فاقوں کا شکار ہوں گے۔

زرعی ترقی کے نتائج

ہمارے زرعی شعبہ کو جب ترقی ملے گی تو اس سے نزدیکی اور دوررس دونوں نتائج مرتب ہوں گے۔ نزدیکی نتائج تو ظاہر ہے یہ ہوں گے کہ ہماری زرعی پیداوار میں اضافہ ہو گا۔ اور فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے ہمارے کسان کی آمدنی بڑھے گی جس سے وہ اس قابل ہوگا کہ اپنا معیار زندگی بلند کرے اور بہتر اور اعلیٰ قسم کی سرمایہ کاری کر کے اپنی کھیتی باڑی کو جدید آلات کاشت کاری فراہم کرے تاکہ اس کی فی ایکڑ پیداوار میں مزید اضافہ ہو۔ اگر یہ دوری چکر جاری رہے تو طویل مدت میں معیشت میں زرعی انقلاب کی بدولت سماجی ومعاشرتی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ ملک خودکفالت کے بعد زرعی اجناس کی برآمدات کی طرف قدم بڑھائے گا اور اس سے حاصل ہونے والے زرمبادلہ سے صنعتی اشیاء خرید کر ملک میں بھاری صنعتیں قائم ہوں گی۔

زرعی ترقی میں پانی کی اہمیت

زراعت کے لئے پانی کی اہمیت ہمیشہ ایسی ہے جیسے انسانی جسم میں خون کی۔ ہمارے کسان کو جب پانی کی سہولت پوری طرح میسر آ جاتی ہے تو اس کی پیداوار میں قدرتی طور پر کم از کم بیس فی صد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے ان علاقوں میں جہاں موسمی بارشیں اپنے ٹھیک وقت پر ہو جاتی ہیں اور کسان ان بارشوں سے مستفید ہو جاتا ہے وہاں فی ایکڑ پیداوار خود بخود بڑھ جاتی ہے۔ زرعی ترقی سے ہمارے کسان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔

بہتر سرمایہ کاری کے مواقع

زراعت کی ترقی سے کسان کی فی ایکڑ پیداوار میں اضافے سے اس کی آمدن میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے روزمرہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے بعد وہ کچھ نہ کچھ بچا بھی سکتا ہے۔ اس بچت کو وہ اپنی زراعت میں سرمایہ کاری کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ اپنی بچت سے وہ کنویں کھدوا سکتا ہے، ٹیوب ویل لگا سکتا ہے اور ٹریکٹر خرید سکتا ہے۔ غرضیکہ وہ اسی قسم کی کئی ایسے کام کر سکتا ہے جو معاشی اصطلاح میں سرمایہ کاری کہلاتے ہیں اور جن سے پیداوار مزید بڑھائی جا سکتی ہے۔

جدید طریق کاشت پر عمل

زرعی ترقی ہونے سے ہمارے کسان کی آمدنی بڑھ جاتی ہے اور اپنی زندگی میں انقلاب محسوس کرتا ہے۔ اس کے بچے شہروں میں تعلیم کے لئے جاتے ہیں اور انجینئرنگ اور ڈاکٹری جیسی اہم تعلیمات حاصل کر کے ملک کے بہترین شہری بنتے ہیں۔ وہ دقیانوسی اور روایتی طرز زندگی کو چھوڑ کر زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سفر میں وہ ایسے طریقے بھی سیکھ لیتا ہے جس سے اس کی زراعت جدید خطوط پر استوار ہوتی ہے اور اس طرح پورے ملک کی زراعت میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بڑھتا ہے۔

ملکی درآمدات میں کمی اور برآمدات کو فروغ

زرعی ترقی ہوتی ہے تو زرعی اجناس میں اضافہ ہوتا ہے زرعی اجناس کے زیادہ پیدا ہونے سے ملک میں ان اجناس کی خود کفالت آ جاتی ہے۔خود کفالت حاصل کر لینے کے بعد اگر زرعی پیداوار میں مزید اضافہ ہوتو اسے بیرون ملک برآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔اس طرح زرمبادلہ کی مسلسل آمدنی کو صنعتی ترقی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ملک میں ایسی مشینیں درآمد کی جا سکتی ہیں جن سے بھاری کارخانے قائم جا سکیں۔

جذبہ ملی کو فروغ

زرعی ترقی کی اہمیت اس پہلو سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ زراعت کی ترقی سے وہ قومیں جو خوشحال ہوتی ہیں اور ان کا کاروبار زندگی مطمئن طریقے سے جاری رہتا ہے وہاں کے عوام اپنے ملک کی ہر شے سے پیار کرتے ہیں انہیں اپنے ملک کے چپہ چپہ سے والہانہ محبت ہوتی ہے اور وہ لوگ اپنی ملک کی تیار کردہ مصنوعات کو فخر سے استعمال کرتے ہیں اپنی قوم کی ترقی کے لئے ہر وقت محنت کرتے رہتے ہیں وہ اپنے ملک کے مسائل کو مثبت انداز میں دیکھتے ہیں اور اپنے ملک کی فلاح و بقاء کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے دیتے ہیں جس سے جذبہ ملت کو طاقت ملتی ہے۔

بنیادی انسانی ضرورت

زراعت یا زرعی شعبہ اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ یہ انسان کی بنیادی ضرورت خوراک' فراہم کرنے کا باعث ہے۔اشیائے خوراک مثلاً گندم، چاول، مکئی، دالیں، سبزیاں، پھل وغیرہ اسی شعبہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ دودھ اور گوشت حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی افزائش نسل بھی اسی شعبہ کی مرہون منت ہے۔2005ء کے اعدادوشمار کے مطابق پاکستان کی کل آبادی کا تقریباً70 فیصد دیہات میں آباد ہے جبکہ باقی 30 فیصد شہروں میں رہائش پذیر ہے۔ دیہی آبادی کا 84 فیصد بالواسطہ یا بلاواسطہ زرعی شعبہ سے روزی حاصل کرتا ہے۔ان میں زمیندار' کاشتکار مزارعین کھیت مزدور' لوہار' بڑھئی' موچی'

حجام اور دیگر دیہات میں رہنے والے شامل ہیں۔ علاوہ ازیں دیہی دوکاندار اور بیوپاری بھی بالواسطہ طور پر اسی شعبے پر انحصار رکھتے ہیں۔ ایک سروے رپورٹ کے مطابق کل آبادی کا 45 فیصد براہ راست زرعی شعبہ سے روزی حاصل کرتا ہے۔

قومی آمدنی کا اہم ذریعہ

زراعت کی اہمیت اس حقیقت سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ یہ قومی آمدنی کا اہم ذریعہ ہے۔ 1947ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو قومی آمدنی میں زرعی شعبہ کا حصہ 60 فیصد تھا۔ 60-1959 میں یہ 51.3 فیصد تھا۔ لیکن 81-1980 کے اعداد و شمار کے مطابق اس کا حصہ 29.4 فیصد تھا۔ جو کہ آج کل کے اعداد و شمار کے مطابق 25% ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ سابقہ سالوں کے مقابلے میں زرعی شعبہ کی پیداوار میں کمی آئی ہے۔ بلکہ دیگر شعبوں مثلاً صنعت، مواصلات، تجارت وغیرہ کا حصہ بڑھ گیا ہے لیکن اب بھی قومی آمدنی میں زرعی شعبے کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

صنعتوں کیلئے خام مال

زرعی شعبہ سے کئی چھوٹی بڑی صنعتوں کے لئے خام مال فراہم ہوتا ہے۔ مثلاً چینی کے لئے گنا، سوتی کپڑے، ہوزری اور دریاں بنانے کے لئے کپاس، سگریٹ سازی کے لئے تمباکو، بناسپتی گھی اور کوکنگ آئل کے لئے مونگ پھلی، اور سورج مکھی وغیرہ۔

زرمبادلہ کا حصول

غیر ملکی کرنسی، انٹرنیشنل مارکیٹ میں لین دین کے لیے نہایت ضروری ہے۔ کئی زرعی اجناس مثلاً چاول، کپاس، پھل وغیرہ برآمد کر کے پاکستان کافی مقدار میں زرمبادلہ حاصل کرتا ہے۔

صنعتی ترقی میں مددگار

زراعت کا صنعتی شعبہ کی ترقی میں بڑا معاون و مددگار رہے۔ کیونکہ کاشتکاروں کی آمدنی بڑھنے پر مصنوعات کی طلب میں اضافہ ہوگا۔ سرمایہ کاری کا حجم بڑھے گا۔ نئے

کارخانے قائم ہوں گے۔ لہٰذا صنعتیں ترقی کریں گی۔ پھر زرعی آلات اور مشینری تیار کرنے والی صنعتوں کو فروغ حاصل ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ صنعتی ترقی کے لئے زراعت کی ترقی لازمی ہے جبکہ صنعتی ترقی کے بغیر اقوام عالم میں قابل عزت مقام بنانا ناممکن ہے۔

منڈی کی وسعت

زراعت اور زرعی پیداوار بڑھانے سے نہ صرف زرعی منڈیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے بلکہ غیر زرعی مصنوعات کی پیداوار کے لئے بھی منڈی کو وسعت نصیب ہوتی ہے۔ زرعی شعبہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شعبہ کی ترقی وقت کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے دیہات میں رہنے والی آبادی کی آمدنی بڑھے گی۔ لہٰذا ان لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوگا۔

زرعی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زراعت پاکستان کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتی ہے اور ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ معیشت کا یہ بنیادی شعبہ ابھی تک پسماندہ ہے اگرچہ ترقی کے لیے کئی اقدامات کئے گئے ہیں اور کچھ بہتری ہوئی ہے تاہم جب ہم فی ایکڑ پیداوار کا موازنہ ترقی یافتہ ممالک سے کریں تو ہماری فی ایکڑ پیداوار کئی گنا کم نظر آتی ہے۔

فی ایکڑ پیداوار میں کمی کی وجہ سے کاشتکار کی آمدنی قلیل ہے۔ اس کا معیار زندگی پست ہے اور وہ غربت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ لہٰذا ان کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ضروری ہے جس کے لئے زرعی شعبہ کو درپیش مسائل کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور ان اسباب پر روشنی ڈالی جاتی ہے جو اس کی پسماندگی اور کم پیداوار کی اصل وجہ ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ اس کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔

اہم زرعی مسائل

1- سیم وتھور

ہمارے زرعی شعبہ کو سب سے سنگین مسئلہ جو درپیش ہے وہ سیم وتھور میں تیزی سے پھیلاؤ ہے۔ ہماری وہ زمینیں جو کچھ عرصہ قبل زیر کاشت تھیں اور جہاں بہترین فصلیں ہوا کرتی تھیں، آج سیم وتھور کا شکار ہو کر بیکار ہو چکی ہیں، پنجاب کے متعدد ضلعوں میں زمین کی یہ بیماری اتنی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے کہ اس صوبے کی بڑی بڑی تحصلیں اور ضلعے کے ضلعے اجاڑ اور بنجر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ ہمارے لئے نہایت غور طلب مسئلہ ہے۔ کیونکہ ایک طرف ہماری آبادی میں سنگین شرح سے اضافہ ہو رہا ہے جو دنیا میں سب سے بلند شرح اضافہ ہے اور دوسری طرف ہماری زبردست زمینیں تیزی سے بیکار ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ غرضیکہ دونوں طرف ایک ہیبت ناک مصیبت ہماری قوم کو گھیرے میں لے رہی ہے۔

2- فرسودہ طریق کاشت

حالات کا تقاضہ یہ تھا کہ ہمارے کاشت کار میدان عمل میں اس طرح داخل ہوتے اور طریق کاشت میں اس طرح تبدیلی کرتے کہ ان کی فی ایکڑ پیداوار بڑھتی مگر بدقسمتی سے ہمارے کاشت کار اپنی روایتی طریق زندگی کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں کہ ان باتوں کو چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہیں جو ان کے آباؤ جداد نے وراثت میں چھوڑی ہیں۔ کاشت کاری کا طریقہ ابھی تک فرسودہ ہے۔ زمین میں کھاد ڈالنے اور پانی دینے کا وہی طریقہ ہے جو اب کلیتاً متروک ہو چکا ہے۔ فصل کی کٹائی اور گہائی کا ایسا طریقہ ہے جس سے نقصانات بڑھ چڑھ کر ہوتے ہیں۔

3- زرعی قرضہ کی دشواری

ایک اندازے کے مطابق تقریباً 80% کاشت کار ہمارے ملک میں ایسے ہیں جن کے پاس 10 ایکڑ سے بھی کم زیر کاشت رقبہ ہے جبکہ پنجاب جیسے زرعی صوبے میں بھی معاشی

اکائی 12 ایکڑ متعین کی گئی ہے۔ یعنی وہ انسان جس کے پاس 12 ایکڑ سے کم رقبہ زیر کاشت ہو اس کی معاشی انداز میں کھیتی باڑی ممکن نہیں۔ ایسا کسان نہ تو بچت کر سکتا ہے اور نہ ہی سرمایہ کاری کے کسی موقع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ ایسا کسان ہمیشہ مقروض رہتا ہے۔ غالباً ایسے ہی کاشت کاروں کے لئے کسی نے کہا ہے کہ ہمارا کاشت کار قرضہ کی حالت میں پیدا ہوا ہے قرضہ کی حالت میں پرورش پاتا ہے اور قرضہ کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے۔ ایسے کاشت کاروں کو قرض کی چنگل سے آزاد کرانا از حد ضروری ہے۔ جب تک اپنی حکومت کے متعین کردہ مالی ادارے اپنا تعاون فراہم نہ کریں گے یہ لوگ اپنی بدحال معاشی حالت کو سدھار نہیں سکتے۔

4- کاشت کے چھوٹے اور منتشر رقبے

زرعی پیداوار میں تیزی سے اضافہ کے لئے ضروری ہے کہ مشینی طریق کاشت کو اپنایا جائے۔ مشینی کاشت کی بنیاد بھی سرمایہ ہے کہ زیر کاشت رقبہ اتنا بڑا ہو کہ ہمارا کسان معاشی طور پر اس زمین میں ٹریکٹر چلا سکے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں قانون وراثت کے طفیل کاشت کاروں کی زمین خاندانی بٹواروں کا شکار ہوتی جا رہی ہے اور اس کے نتیجہ میں زیر کاشت رقبہ کا سائز دن بدن کم سے کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اب نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ کل کھیتوں میں سے 14 فیصد کھیت ایسے ہیں جن کا سائز ایک ایکڑ سے بھی کم ہے۔ اسی طرح مزید چودہ فیصد کھیت ایسے ہیں جن کا رقبہ محض ایک یا دو ایکڑ کے درمیان ہے ذرا سا آگے بڑھیں تو ہمیں 15 فیصد کھیت ایسے ملے گے جن کا سائز 2 سے 3 ایکڑ کے درمیان ہے اور تین سے 5 ایکڑ کے درمیانی سائز کے فارم کی تعداد 25 فیصد ہے۔ اس طرح 5 ایکڑ تک سائز کے فارم کی مجموعی تعداد 68 فیصد بن جاتی ہے یہ سارے فارم مشینی کاشت کے لئے غیر موزوں ہیں۔ ان پر اگر مشینی کاشت کی جائے تو سراسر نقصان ہو گا۔ اور اگر دیسی کاشت کی جائے تو پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ناممکن ہے۔ گویا کہ زمین کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جانے کے وجہ سے ہماری زراعت کو شدید دشواری لاحق ہے۔ اس دشواری سے نبرد آزما ہونے کے لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انجمن

امداد باہمی تعاون کاشت کاری کا ایسا طریقہ رائج کیا جائے جس سے کھیتوں کے سائز بڑے ہوسکیں اور ان پر مشینی کھیتی باڑی کی جاسکے۔ مگر اس کام میں بھی کئی دشواریاں لاحق ہیں مثلاً ہمارا کاشتکار آپس میں ایسی دشمنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کاشت کار کے ساتھ اپنی زمین شامل کر کے کام کرنا پسند نہیں کرتا۔ پھر یہ بھی دشواری ہے کہ اگر زمینوں کو ایک جگہ کر بھی لیا جائے تو ان پر کام کرنے کے لئے محنت اور سرمائے کا موزوں ذخیرہ اور پھر موزوں تقسیم کار بھی نہیں ہونے پاتی۔ اس طرح یہ اسکیم ناکامی کا شکار بن چکی ہے۔

5- ناقص نظام منڈی

کاشت کار کی اپنی کھیتی باڑی میں دلجمعی اس وقت زیادہ ہوسکتی ہے جب اس کی محنت کا اسے صحیح معاوضہ ملے۔ صحیح معاوضہ کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ جب کاشت کار اپنی فصل کو مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لئے جائے تو اسے صحیح قیمت پر فروخت کر سکے۔ مگر ہمارے منڈی کے نظام میں درمیانی ایجنٹ اتنے زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں کہ کاشت کار ان کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ آڑھتی، بیوپاری دلال اور اسی قسم کے کئی دوسرے ایجنٹوں کے ہاتھوں ہمارے کسان کو گذرنا پڑتا ہے جس کے بغیر اس کا مال منڈی میں فروخت نہیں ہو پاتا۔ یہ لوگ اتنے شاطر اور چالاک ہوتے ہیں کہ اپنے مختلف قسم کے ہتھکنڈوں سے کسان کی فصل کی اتنی کم قیمت لگاتے ہیں کہ اسے سخت نقصان کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔

6- ذرائع آمدورفت ورسل ورسائل کا ناقص ہونا

کسی ملک کی معاشی ترقی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاتا ہے کہ وہاں آمدورفت کے کتنے وسیع ذرائع ہیں۔ ملک کے دور دراز علاقوں کو آپس میں ملانے والا سب سے بڑا ذریعہ وہاں کے سڑکیں ہوتی ہیں۔ اگر سڑکیں پختہ ہوں اور کافی تعداد میں ہوں تو دیہاتوں اور شہر کے درمیان آمدورفت زیادہ ہوتی ہے۔ کاشت کار اپنا مال آسانی سے شہروں میں لاکر فروخت کرتا ہے۔ شہر کی متعدد سہولیات مثلاً اسکول، کالج، ہسپتال وغیرہ سے کسان بھی مستفید ہوتا ہے۔ ان چیزوں کی ابھی تک ہمارے ملک میں اتنی تعداد نہیں جتنا کہ معیاری

طور پر ہونی چاہیے ہماری سالانہ ترقیاتی پالیسی بناتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ترقیاتی اخراجات کا معقول حصہ ان چیزوں کی ترقی پر صرف کیا جائے۔ تاہم اپنے مقاصد کے حصول میں ابھی تک ہمیں پوری طرح کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔

7- روایت پسندی

پرانی ثقافت سے لگاؤ کی وجہ سے ہمارے دیہاتی لوگ اپنی روایات کو دل سے عزیز رکھتے ہیں۔ اس طرح سے جو کھیتی باڑی کے طور طریقے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے سیکھے تھے ان کو ہی وہ بہتر تصور کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ جدید تجربات سے فائدہ اُٹھانے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ نہیں کر پاتے اور ان کا معیار زندگی بلند نہیں ہو پاتا۔

8- ناخواندگی

زراعت میں جدت پسندی نہ اختیار کرنے کی ایک بہت بڑی وجہ ناخواندگی بھی ہے۔ دیہاتوں کی اکثر آبادی ان پڑھ افراد پر مشتمل ہے۔ جس کی وجہ سے نئی ایجادات کے فوائد سمجھنے سے لوگ قاصر رہتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے کئے گئے ترقیاتی اقدامات کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے اور ان میں خاطر خواہ حصہ بھی نہیں لیتے۔

9- لڑائی جھگڑے اور مقدمہ بازیاں

ذات پات اور گروہ بندی کی بنیاد پر دیہاتوں میں اکثر لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور یہ جھگڑے کئی سال تک طول پکڑ جاتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ جھگڑے معمولی باتوں سے چھڑ جاتے ہیں۔ مثلاً پانی کی باری پر جھگڑا، کسی ایک زمیندار کے جانور کا کسی دوسرے زمیندار کی فصل میں چلے جانے پر جھگڑا، زمین کے لین دین پر جھگڑا، ان جھگڑوں کی وجہ سے یہ لوگ مقدمہ بازی میں ملوث ہو کر اپنا قیمتی پیسہ اور وقت ضائع کرتے ہیں جو کہ معاشی نقطہ نگاہ سے غیر پیداواری اخراجات ہیں۔ اسی طرح کسی بیاہ شادی یا دعوت پر بھی اپنے ذاتی وقار اور عزت کی خاطر اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں جس کی وجہ سے مقروض بھی ہو جاتے ہیں اور اپنی زمین کی پیداوار پر مناسب توجہ اور خرچ نہیں کر پاتے۔

10- پانی کی قلت

بعض جگہوں پر پانی کی قلت ہے اور وہاں پر ٹیوب ویل بھی نہیں لگائے جا سکتے۔ کیونکہ زیرزمین پانی آبپاشی کے لئے مناسب نہیں۔نہری پانی بھی وہاں وافر مقدار میں مل نہیں پاتا اور عموماً بارش بھی کم ہوتی ہے۔اس طرح ان علاقوں میں زرعی ترقی رک جاتی ہے۔

11- سیلاب اور کٹاؤ

پاکستان میں اکثر اوقات زیادہ بارشوں کی وجہ سے سیلاب آ جاتے ہیں اور لاکھوں ایکڑ اراضی زیرآب آ جانے سے کھڑی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔بعض اوقات جنس کے ذخیرے کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔پھر پہاڑی علاقوں سے جب بارش کا پانی تیز رفتاری سے آتا ہے اور بعض اوقات تیز آندھی بھی چلتی ہے تو زمین کی اوپر والی تہہ جو کہ زیادہ زرخیز ہوتی ہے وہ بہہ جاتی ہے اور نیچے والی کم زرخیز تہہ پر فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔لہٰذا زمین کا کٹاؤ بھی ایک اہم مسئلہ ہے جو پیداوار میں کمی کا سبب بنتا ہے۔

12- کھاد کا کم استعمال

جدید سائنسی تحقیق کے مطابق پیداوار بڑھانے کے لئے کیمیاوی کھاد کا استعمال بہت ضروری ہے۔لیکن ہمارا کاشتکار قلیل آمدنی کی وجہ سے اسے مناسب مقدار میں حاصل نہیں کرسکتا۔اگرچہ مویشیوں کا گوبر بھی کھاد کا کام دیتا ہے لیکن ہمارے دیہات میں یہ زیادہ تر جلانے کے کام آتا ہے۔ماہرین کا خیال ہے کہ اگر پاکستانی کاشتکار کھاد کا مناسب استعمال کرے تو پیداوار میں 40 فیصد سے 50 فیصد تک اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

13- اچھے بیجوں کی کمی

معیاری بیجوں کی کمی اور ناقص بیجوں کے استعمال سے زرعی ترقی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ہمارا کاشتکار عام طور پر وہی بیج استعمال کرتا ہے جو کہ اس کے پاس گھر میں موجود ہوتا ہے۔کیونکہ وہ بازار سے عمدہ بیج خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔لہٰذا گھٹیا اور ناقص بیج پیداوار میں کمی کا سبب بنتے ہیں۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اچھے بیجوں کی کمی

زرعی ترقی کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ ہے۔

14- فصلوں کی بیماریاں

پاکستان میں زرعی ترقی کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ فصلوں کی بیماریاں ہیں ایک اندازے کے مطابق ہمارے زرعی شعبہ کی 15 سے 20 فیصد تک پیداوار کیڑے کھا جاتے ہیں جس کی وجہ سے کم پیداوار ہوتی ہے اور زرعی ترقی میں کمی آتی ہے۔

15- کمزور جانور

پاکستان میں کاشتکاری کے لئے جو بیل، اونٹ، بھینسے اور دیگر جانور استعمال میں آتے ہیں وہ کافی لاغر اور کمزور ہوتے ہیں۔ان کے کام کرنے کی استعداد بہت کم ہوتی ہے جو کم پیداوار کا باعث اور اس طرح زرعی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی ہے۔

16- فرسودہ طریقہ کاشتکاری

پاکستان کے زرعی شعبہ میں مشینوں کا استعمال بہت کم ہے۔کاشتکاری کے لئے عام طور پر پرانے اور دقیانوسی طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ پرانے لکڑی کے ہل اور لاغر بیلوں کی جوڑی کی کاشتکاری ہوتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی سے ناواقف اور نئے طریقے کاشتکاری کو اپنانے کا مخالف کاشتکار صدیوں پرانے خودساختہ اصولوں اور روایات کا پابند رہ کر مفلسی کی زندگی گزار دیتا ہے۔ پرانے طریقوں سے نہ تو بہتر طور کاشتکاری ہوسکتی ہے نہ ہی پیداوار بڑھتی ہے۔اور نہ ہی زرعی ترقی ہوتی ہے۔

17- سیاسی عدم استحکام

سیاسی عدم استحکام معیشت کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔لہٰذا زرعی شعبہ اس سے متاثر ہوئے بغیر بھلا کب رہ سکتا ہے۔ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ 1958ء سے پہلے آئے دن حکومتیں بدلتی رہیں۔ پھر 1968ء میں ایوب حکومت کے خلاف ہنگامے اور 1970ء کے الیکشن کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں باغیانہ سرگرمیوں 1971ء میں ہندوستان کے ساتھ دوبارہ جنگ اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی 1977ء کے الیکشن کے نتیجے میں بھٹو حکومت

کے خلاف قومی اتحاد کی تحریک اور نئے مارشل لاء کا نفاذ 1988ء میں ضیاء حکومت کا خاتمہ نئے الیکشن کے نتیجہ میں بے نظیر حکومت کا قیام 20 ماہ بعد اس کی حکومت کا خاتمہ، نواز شریف کی آمد، اس کا خاتمہ، دو عبوری حکومتوں کا قیام، 1993 میں پھر الیکشن بے نظیر کا دوبارہ برسر اقتدار آنا۔ 1997ء کے الیکشن کے نتیجہ میں نواز شریف کی دوبارہ کامیابی پھر 1999ء میں پرویز مشرف کی آمد سے لے کر اب تک ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار رہا ہے لہٰذا یہ ہیں تمام واقعات جو زرعی پیداوار پر بری طرح اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ یہ سب سیاسی عدم استحکام کا باعث ہیں اور یہ زرعی ترقی کے لئے دیمک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زرعی مسائل کا حل

ہمارے زرعی شعبہ کے گوناگوں مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمیں قومی سطح پر اقدامات کرنے چاہیں۔ ہماری حکومت بہت سے اقدامات پر عمل کر رہی ہے مثلاً زرعی پیداوار میں فوری اضافہ حاصل کرنے کے لئے حکومت کی کوشش ہے کہ مختلف اشیاء کو آسان قیمتوں پر کسان کو فراہم کیا جائے۔ ان اشیاء میں کھاد، پانی، بیج، اپنی جگہ پر اہمیت رکھتے ہیں۔ ان چیزوں کی فراہمی حکومت کی قائم کردہ ایجنسیوں کے ذریعہ کی جا رہی ہے۔ آبپاشی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بھی حکومت کی بھرپور کوشش ہے کہ ٹیوب ویل کے استعمال میں تیزی سے اضافہ کیا جائے۔ پاکستان کے زرعی شعبہ کے مسائل کو حل کر کے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ وقت کی اہم ضرورت ہے کیونکہ صرف اسی صورت میں ملکی آبادی کے اکثریتی حصے کی آمدنیوں میں اضافہ کر کے فی کس آمدنی بڑھائی جا سکتی ہے۔ جس سے عوام کا معیار زندگی بلند کرنے میں مدد مل سکے گی۔ نیز آمدنی میں اضافے سے دیہی آبادی کو بہتر طبی، رہائشی، تعلیمی اور تفریحی سہولتیں میسر آئیں گی اور کاشتکار کی استعداد کار میں اضافے سے نہ صرف ملک غذائی معاملے میں خود کفیل ہوگا۔ بلکہ غلے کی برآمد سے زرمبادلہ بھی کمایا جا سکے گا۔ جس سے ادئیگیوں کا توازن بہتر ہوگا۔ صنعتیں ترقی کریں گی۔ روزگار کے موقع بڑھیں گے اور منڈیوں کو وسعت نصیب ہوگی لہٰذا معاشرتی ترقی کی رفتار تیز تر ہو سکے گی۔

زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں:

1- زرعی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا پتہ لگانا

زرعی مسائل یا زرعی ترقی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں دشواریوں یا اسباب کا علم لگا کران سے بچنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ مناسب اقدامات تب ہی کرنا ممکن ہوں گے جب زرعی مسائل کے اسباب کا علم ہوگا۔ لہٰذا زرعی ترقی کے لئے زرعی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا پتہ لگانا انتہائی ضروری ہے۔

2- سیم وتھور کا خاتمہ

پیداوار بڑھانے کے لئے ناکارہ زمینوں کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ سیم وتھور کے موذی مرض پر قابو پانے اور زمین کو دوبارہ قابل کاشت بنانے کے لئے موثر اقدامات کی ضرورت ہے۔ سیم کے خاتمے کے لئے ٹیوب ویل نصب کرنے چاہئیں۔

3- سیلاب و کٹاؤ سے بچاؤ کی تدابیر

زمین کا کٹاؤ تیز بارشوں اور آندھیوں کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ موسلا دھار بارشیں سیلابوں کا سبب بھی بنتی ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں نہ صرف یہ کہ کھڑی فصلیں تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں جبکہ زمین کی اُوپر والی تہہ جو کہ زیادہ زرخیز ہوتی ہیں بہہ جاتی ہے اور اس طرح زمین کی زرخیزی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس عمل س بچنے کے لئے ضروری ہے کہ شجرکاری مہم کو کامیاب بنایا جائے۔ زیادہ جنگلات اگائے جائیں۔ جھاڑیاں اور گھاس بھی پانی کے بہاؤ کو روکنے کے لئے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ نیز بند تعمیر کر کے، تالاب بنا کر اور پہاڑی ڈھلوان میں چھوٹے چھوٹے گڑھے کھود کر کٹاؤ اور سیلاب سے بچا جاسکتا ہے۔

4- اشتمال اراضی

زمین کے منتشر اور کٹاؤ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ایک ہی مالک کی زمین کے مختلف قطعات کو یکجا کرنا ضروری ہے۔ جسے اشتمال اراضی کا نام دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اشتمال اراضی کا کام کئی سالوں سے جاری ہے تاہم یہ ابھی ادھورا اور نامکمل ہے لہٰذا اس پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جدید طریقہ کاشتکاری کے لئے قطعات کا بڑا اور یکجا

ہونا بہت ضروری ہے۔

5- آبپاشی کی بہتر سہولتیں

زرعی پیداوار کا زیادہ تر انحصار بہتر آبپاشی پر ہوتا ہے۔ پاکستان میں زیر کاشت رقبہ کا دو تہائی بارشوں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے اور باقی نہروں، ٹیوب ویلوں کنوؤں اور کاریزوں کے ذریقے سیراب ہوتا ہے۔ نہریں اگرچہ کافی رقبے کو سیراب کرتی ہیں تاہم کچے راجباہوں اور کھالوں کی وجہ سے ایک تہائی پانی ضائع چلا جاتا ہے اور پھر یہ سیم کا سبب بھی بنتی ہیں۔ لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ حکومت کھالوں کی اصلاح کرے، پکے نکہ جات ہونے چاہیں۔ آبپاشی کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر چھوٹے بڑے ڈیم بنائے جیسے کالاباغ ڈیم۔

6- کھادوں کا مناسب اور بروقت استعمال

چونکہ ہمارے زرعی شعبہ میں کھاد کا استعمال بہت کم ہے اس لیے پیداوار بھی کم ہے۔ مویشیوں کا گوبر عموماً جلانے کے کام آتا ہے۔ اس لئے کیمیاوی کھاد کا مناسب استعمال پیداوار بڑھانے کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ حکومت کیمیاوی کھاد پر رعایت بھی دیتی ہے تاہم کاشتکار کی مالی حیثیت کمزور ہونے اور کھاد کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال کم ہے۔ چونکہ کھاد کی ملکی پیداوار ضرورت کے مقابلے میں ناکافی ہوتی ہے اس لئے اسے درآمد بھی کیا جاتا ہے۔ کھادوں کا بروقت اور مناسب استعمال زرعی ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

7- عمدہ بیجوں کی فراہمی

خالص اور عمدہ بیجوں کا استعمال بھی پیداوار بڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارا کاشتکار عموماً گھروں میں موجود ناقص بیج ہی استعمال کرتا ہے۔ اس لیے پیداوار کم رہتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر معیاری اور خالص بیج استعمال کئے جائیں تو کم از کم 20 فیصد تک پیداوار میں اضافہ ممکن ہے۔

8- بیماریوں سے بچاؤ کے اقدامات

ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں زرعی پیداوار کا 10 سے 15 فیصد حصہ کیڑے مکوڑوں، فصلوں کی بیماریوں اور ٹڈی دل کی نذر ہو جاتا ہے اس لیے اگر بیماریوں سے بچاؤ کی مناسب تدابیر اختیار کی جائیں تو لاکھوں ٹن اجناس بچائی جاسکتی ہیں اس ضمن میں کیڑے مار ادویات کا استعمال اور فصلوں کا سپرے ضروری ہے۔

9- جدید طریقہ کاشتکاری کا استعمال

پرانے اور دقیانوسی طریقوں کی بجائے کاشتکاری کے جدید طریقوں کو اپنانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ جدید آلات اور مشینوں کی استعداد پرانے آلات' ہل بیل وسھاگہ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے بھی کہ بہت سا رقبہ بنجر اور غیر آباد پڑا ہوا ہے۔ لہٰذا مشینی کاشت سے اس رقبہ کو زیر کاشت لایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مالی کمزوری کاشتکاروں کو جدید آلات حاصل کرنے میں مشکل پیدا کرتی ہے۔ تاہم بنکوں کے قرضے کسان کی مالی مشکلات دور کرسکتے ہیں۔ اندورن ملک زرعی آلات تیار کر کے یا اسمبل کر کے درآمدات پر انحصار کم کیا جاسکتا ہیں۔

10- زرعی اصلاحات اور ان کا نفاذ

نظام اراضی اور پٹہ داری کو بہتر بنانے کے لئے زرعی اصلاحات کی ضرورت ہمیشہ سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ تاکہ بڑی جاگیرداریاں اور زمینداریاں ختم ہوں۔ مزارعین کو تحفظ ملے۔ ان کا استحصال نہ ہو۔ بیگاریں ختم ہوں اور یہ لوگ دل لگا کر پیداوار بڑھائیں۔ اس ضمن میں مختلف وقتوں میں حکومتوں نے زرعی اصلاحات کی ہیں۔ جن میں ایوب حکومت کی اصلاحات اور پیپلز پارٹی کی اصلاحات قابل ذکر ہیں۔ لیکن اب بھی اصلاح کی کافی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ ان پر صحیح طور پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ پاکستان میں زرعی اصلاحات متعارف تو کروائی گئی لیکن ان پر عمل درآمد نہ ہوا، زرعی اصلاحات کا متعارف کروانا کافی نہیں بلکہ ان کا نفاذ کروانا بھی ضروری ہے۔

11-زرعی تعلیم و تحقیق کا پھیلاؤ

زرعی شعبہ کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لئے زرعی تعلیم و تحقیق کا دائرہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پیداوار کو مناسب حد تک بڑھایا جا سکے۔ اس ضمن میں حکومت ہر ممکن اقدام کر رہی ہے۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد اور ٹنڈو جام زرعی یونیورسٹی میں طلباء کے لئے داخلے کی گنجائش میں اضافہ کیا گیا ہے۔ حکومت نے ایک بارانی زرعی کالج بھی قائم کیا ہے۔ علاوہ ازیں سرگودھا، رحیم یار خان، پشاور اور کوئٹہ کے زرعی تربیتی اداروں میں کئی طلباء زیر تربیت ہیں۔ حکومت زرعی تحقیق پر خصوصی توجہ دے رہی ہے تاکہ اچھے بیج تیار کئے جائیں اور امراض نباتات کا انسداد کیا جائے۔ اس سلسلے میں پاکستان زرعی کونسل اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

12-جانوروں کی افزائش نسل

جانوروں کی بہتر افزائش نسل کی بھی اہم ضرورت ہے۔ جس کے لئے مصنوعی نسل کشی کے مراکز قائم کئے جانے چاہیں۔

13-زرعی منڈیوں کی اصلاح

زرعی پیداوار کی مناسب قیمت وصول کرنے کے لئے زرعی منڈیوں کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے تاکہ انہیں منظم اور مکمل بنایا جا سکے۔ منڈیوں میں غیر ضروری افراد مثلاً دلالوں وغیرہ کی تعداد کم کی جائے۔ باٹ اور پیمانے صحیح استعمال ہوں۔ نقل و حمل اور رسل و رسائل کے ذرائع ترقی یافتہ ہونے چاہئیں۔ گوداموں کی سہولیات میسر ہوں۔ منڈیوں سے بھاؤ سے کاشتکاروں کو آگاہ رکھا جائے اور ناجائز کٹوتیوں سے انہیں بچانا چاہیے۔ کاشتکاروں کو اپنی محنت کا معقول معاوضہ مل سکے اور پیداوار میں اضافہ ہو جس کی بنا پر زرعی ترقی ممکن ہو سکے۔

صنعت اور معاشی ترقی

(Industry and Economic Development)

21 صدی جو کمپیوٹر اور ٹیکنالوجی کی صدی شمار کی جا رہی ہے اس میں صنعتی ترقی،

معاشی ترقی کا لازمی جزو سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ جب کسی ملک میں صنعتی ترقی ہوتی ہے تو اس کے نتیجہ میں معیشت کے دیگر شعبوں کو بھی آگے بڑھنے اور نشو ونما پانے کا موقع ملتا ہے اور یوں معیشت کے تمام شعبے رواں دواں نظر آتے ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک اور صنعتی ترقی

اگر آج کے ترقی یافتہ ممالک کے معاشی پس منظر پر نظر ڈالی جائے تو یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے زرعی شعبہ کو چھوڑ کر صنعتی شعبہ کی طرف سفر کیا ہے۔ اور وہ خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ صنعتی لحاظ سے مضبوط ہونے کی بناء پر ترقی یافتہ کہلائے ہیں۔ ان ممالک میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، مغربی جرمنی، کینیڈا، جاپان اور روس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صنعتی شعبے کی ترقی کی اہمیت

(Importance of Industrial Development)

پاکستان میں صنعتی ترقی کیوں ضروری ہے اس کا اندازہ درج ذیل امور کے پیش نظر لگایا جا سکتا ہے۔

1- قومی آمدنی میں اضافہ کا باعث

جب صنعتیں ترقی کرتی ہیں تو قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں قومی آمدنی اور صنعتی شعبہ کا اس میں زیادہ حصہ ہونے کی صورت میں معیشت کو استحکام نصیب ہوتا ہے کیونکہ یہ شعبہ نسبتاً زیادہ پائیدار اور با اعتماد ہوتا ہے جب کہ زرعی شعبہ غیر مستحکم اور قدرتی آفات کا جلد شکار ہو جاتا ہے۔

2- روزگار میں اضافہ

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے جو کہ افراط آبادی کا شکار بھی ہے۔ اس لئے ملک میں عام بیروزگاری اور مخفی بیروزگاری کے حالات پائے جاتے ہیں۔ جب صنعتوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ نئے نئے کارخانے ہوں تو لاکھوں افراد کو روزگار کے مواقع میسر آتا ہے

گے۔ بیروزگاری میں کمی واقع ہوتی ہے اور عوام کی اکثریت بہتر زندگی گزارنے کے قابل بن جاتی ہے۔

3- زرعی شعبہ کی ترقی

صنعتی ترقی کی وجہ سے زرعی شعبہ بھی ترقی کرتا ہے کیونکہ زرعی خام مال مثلاً گنے، کپاس اور تیل نکالنے والے بیجوں وغیرہ کی مناسب کھپت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کاشت کاروں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ دوسری طرف صنعتی ترقی کے نتیجہ میں زرعی مشینیں اور آلات اندرون ملک تیار ہوتے ہیں لہٰذا یہ زیادہ مقدار میں مناسب قیمت پر میسر آ سکیں تو زرعی شعبہ میں مشینی کاشت کو اپنانا سہل ہو جاتا ہے۔ پھر نقل و حمل کے لئے بسیں، ٹریکٹر، ٹرک اور ٹرالی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ زرعی شعبہ کا کافی حد تک دارومدار صنعتی شعبہ پر ہوتا ہے۔

4- ادائیگیوں کے توازن کی اصلاح

صنعتی پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے برآمدی اشیاء کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ جس سے زیادہ زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ادائیگیوں کے مقابلے میں وصولیاں بڑھ جاتی ہیں اور توازن ادائیگی کی اصلاح ہو۔ اس وقت پاکستان کی زیادہ برآمدات زرعی خام اشیاء ہوتی ہے۔ صنعتی ترقی کی وجہ سے برآمدات میں مصنوعات کا حصہ زیادہ ہوتا ہے جس سے ایک طرف زیادہ زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے اور دوسری طرف درآمد و برآمد کی نسبت بہتر ہوتی ہے لہٰذا ادائیگیوں کا توازن بہتر بنانے میں مدد مل جاتی ہے۔

5- درآمدات کا نعم البدل

صنعتی ترقی کی بدولت بہت سی ایسی اشیاء اندرون ملک تیار کی جا سکیں گی جو پہلے غیر ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں۔ لہٰذا بیرونی ممالک پر انحصار کم ہو سکے گا۔ ادائیگیوں کے بوجھ میں کمی واقع ہو گی اور زرمبادلہ کے استعمال میں کفایت ہو سکے گی۔

6- دفاعی ضروریات میں خودکفالتی

پاکستان چونکہ دفاعی ساز و سامان کی بہت کم مقدار اندرون ملک تیار کرتا ہے اور

زیادہ تر جنگی سازوسامان اور اسلحہ غیر ممالک سے درآمد کرتا ہے۔ جو اکثر اوقات ضرورت پڑنے پر میسر نہیں آتا اور عین وقت پر دفاعی ضرورت پوری نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ملکی صنعتوں کی ترقی کی وجہ سے اسلحہ اور دیگر جنگی سامان اندرون ملک تیار ہو سکے گا۔ ملک دفاعی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل ہوگا۔ غیروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور ملک اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو سکے گا۔

7- لوگوں کے نظریہ حیات میں تبدیلی

صنعتی ترقی کی وجہ سے شہری آبادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لوگ نئے طریقوں سے واقف ہوتے ہیں اور نئی ایجادات اور جدید اشیاء کے استعمال سے آگاہی حاصل کرتے ہیں لہٰذا ان کے انداز فکر اور نظریہ حیات میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

8- منڈی کی وسعت

صنعتی پیداوار میں اضافے کی وجہ سے مصنوعات دور دراز منڈیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ نہ صرف ملک کے مختلف علاقوں میں یہ مصنوعات دستیاب ہوتی ہیں بلکہ بیرونی منڈیوں سے بھی رابطہ بڑھتا ہے نئے روابط اور تعلقات جنم لیتے ہیں اور منڈیوں کو منظّم اور مکمل بنانے میں مدد مل جاتی ہے۔

9- عالمی معاشی حیثیت میں اضافہ

بین الاقوامی منڈیوں میں معاشی حالات ایسے ممالک کے تابع ہوتے ہیں جو صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ہوں کیونکہ ایک طرف تو وہ اپنی مصنوعات کی زیادہ قیمت وصول کر کے زیادہ زرمبادلہ کماتے ہیں اور دوسری طرف دیگر ممالک کے مقابلے میں ان کی مالی حیثیت مضبوط ہوتی ہے۔ لہٰذا سیاسی طور پر بھی وہ اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھتے ہیں۔ پاکستان بھی اگر صنعتی لحاظ سے ترقی کر جائے تو اس کی معاشی حیثیت زیادہ مضبوط ہو سکتی ہے۔ معاشی حیثیت مضبوط ہو تو دفاعی صلاحیت مضبوط ہوتی ہے دفاعی صلاحیت مضبوط ہو تو دیگر اقوام کی بری نظروں سے ملک محفوظ ہو جاتا ہے۔

10- معاشی ترقی کی رفتار میں اضافہ

صنعتی ترقی کے نتیجہ میں معیشت کا زرعی شعبہ پر انحصار کم ہوتا ہے۔ چونکہ معیشت کے دوسرے شعبوں کا دارومدار بھی صنعتی شعبہ پر ہوتا ہے اس لئے معیشت کے دوسرے شعبے بھی نشوونما پاتے ہیں اور انہیں آگے بڑھنے کا موقع ملتا ہے مثلاً مواصلات، تجارت، زراعت، بنکاری وغیرہ۔ تمام شعبے صنعتی ترقی کے نتیجے میں پھلتے پھولتے ہیں۔ لہٰذا مجموعی طور پر معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ اور ملک جلد خوش حالی کی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔

11- بچت اور سرمایہ کاری میں اضافہ

صنعتی پیداوار میں اضافے سے جب زیادہ لوگوں کو روزگار میسر آتا ہے تو ان کی آمدنی بڑھتی ہے۔ وہ زیادہ رقومات پس انداز کرتے ہیں زیادہ بچتیں ہوتی ہیں۔ اور اس طرح سرمایہ کاری کے لئے زیادہ سرمایہ میسر ہو جاتا ہے۔

12- حکومت کی آمدنی میں اضافہ

جتنی صنعتی پیداوار بڑھے گی اسی قدر ایکسائز ڈیوٹی، برآمدی محصول، صنعت کاروں پر انکم ٹیکس اور آجروں کے منافع ٹیکس کی صورت میں حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ اور یہ رقومات عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر کے ان کے لئے زیادہ سہولیات فراہم کر سکے گی۔ لہٰذا معاشرے کو فلاحی مملکت بنانے میں مدد مل سکے گی۔

صنعتی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں

پاکستان کی اہم صنعتوں کی پیداوار ضرورت کے مقابلے میں کم ہے اور 58 سال گزرنے کے باوجود قومی آمدنی کا بمشکل پانچواں حصہ اس شعبے سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا یہ شعبہ ابھی پسماندگی کا شکار ہے۔ جس کی اہم وجوہات درج ذیل ہیں۔

رکاوٹوں کی تاریخی وجوہات

1- بے جان و کمزور صنعتی ورثہ

اگر تقسیم سے پہلے کے تاریخی حالات پر نظر ڈالی جائے تو پاکستان کی صنعتی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ کمزور اور بے جان تاریخی ورثہ ہے کیونکہ:

برصغیر کی پرانی اور معروف دستی کھڈیاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد اور انگلستان میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے متعصب انگریز حکمرانوں اور خودغرضانہ تجارتی پالیسی کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ مشینوں کی ایجاد سے برطانوی مصنوعات کی لاگت پیدائش میں کافی حد تک کمی واقع ہوگئی اور ہندوستان کی صنعتی دستی کھڈیاں ان کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئیں۔

پروفیسر آر۔ سی۔ دت لکھتے ہیں ''ادھر برطانیہ میں برقی کھڈی ایجاد ہوئی اور ادھر ہندوستانی کھڈی نے آخری ہچکی لی اور دم توڑ گئی۔''

2- انگریزوں کی عیاری

انگلستان کو اپنی صنعتی ترقی کے لیے ایک طرف تو ہندوستان سے سستا خام مال ملتا تھا اور دوسری طرف اس کی مصنوعات کی یہ بہت بڑی منڈی تھی۔ لہٰذا انگریزوں نے اس علاقے میں صنعتیں لگانے کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی بلکہ اپنی مصنوعات یہاں لاکر فروخت کرتے رہے۔

3- انگریزوں کی مسلم دشمنی

انگریزوں نے جان بوجھ کر مسلم اکثریت والے علاقوں کو معاشی لحاظ سے پسماندہ رکھا اور ان علاقوں میں صنعتوں کے قیام پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کی دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں نے انگریزوں کی حکمرانی کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی لہٰذا وہ مسلمانوں کے بارے میں شروع ہی سے متعصب تھے۔

4- صنعتوں کا قیام

شروع میں جو صنعتیں ہندوستان میں قائم ہوئیں وہ بمبئی، مدارس اور کلکتہ کے قرب

وجوار میں تھیں کیونکہ ان ساحلی علاقوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو رابطہ کرنے میں سہولت رہتی اور اس کے ماہر کارکن اور کاریگر انہی جگہوں پر رہائش پذیر ہوئے۔ لہٰذا پاکستان کے حصے میں آنے والا علاقہ غیر ملکی حملہ آوروں کی آماجگاہ رہا کیونکہ ہندوستان پر جتنے بھی غیر ملکی حملہ آور آئے۔ انہوں نے اسی راستے سے درہ خیبر کے ذریعہ ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس طرح سے یہ علاقے غیر ملکی حملہ آوروں کی زد میں ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر پسماندہ رہے۔

5- خام مال اور مزدوروں کی کمی

کسی بھی صنعت کے قائم ہونے کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی خام مال اور مزدور۔ بدقسمتی سے متحدہ ہندوستان میں پاکستان کے حصے میں آنے والے علاقے میں دونوں چیزوں کی کمی تھی۔ خام مال کے اعتبار سے ہندوستان میں وسطی ہندوستان کے علاقے بہتر تھے۔ اس لئے لوہے اور فولاد کے کارخانے جمشید پور کے علاقے میں لگ گئے۔ اور احمد آباد کے قرب وجوار میں بہترین قسم کی کپاس پیدا ہوتی تھی۔ اس لئے سوتی کپڑے کے کارخانے اس علاقے میں قائم ہوگئے۔ پٹ سن چونکہ مشرقی پاکستان کے علاقے میں پیدا ہوئی تھی اس لئے پٹ سن کے کارخانے کلکتہ میں قائم ہوئے۔ اس طرح سے ہندوستان میں مزدور بھی وافر تعداد میں سستے مہیا ہو جاتے تھے۔ لہٰذا پاکستان کے حصے میں آنے والا علاقہ صنعتی طور پر پسماندہ رہا۔ جو صنعتی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

6- ضروری معدنیات کی قلت

صنعتی ترقی کے لئے لوہا، کوئلہ اور پٹرول وغیرہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ان ذرائع کی قلت ہے۔ پھر ضرورت کے مقابلے میں بجلی اور قوت کی بھی کمی ہے۔ ان ذرائع کو درآمد کرنے کے لیے زیادہ مقدار میں زرمبادلہ کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ پاکستان کے پاس نہیں ہے۔ لہٰذا ان ذرائع کی کمی صنعتی پسماندگی کا سبب بنتی ہے۔

7- سرمائے کی قلت

پاکستان میں سرمایہ مہیا کرنے والے مالی اداروں کی کمی ہے۔ اس لئے سرمایہ کاری کے لئے وافر مقدار میں رقومات میسر نہیں آسکتیں۔ حکومت پاکستان نے اس مقصد کے لئے

صنعتی ترقیاتی بنک اور صنعتی قرضے وسرمایہ کی کارپوریشن (PICIC) قائم کررکھی ہے۔ تاہم یہ ادارے ضرورت کے مقابلے میں کم مقدار میں قرضے فراہم کرسکے ہیں اور مالی کمزوری صنعتوں کے قیام میں رکاوٹ بنی ہے۔

8- زرمبادلہ کی قلت

پاکستان چونکہ ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ اس لئے برآمدات چند ایک خام اشیاء پر مشتمل ہیں جب کہ مشینری اور صنعتی خام مال غیر ممالک سے درآمد کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ زرمبادلہ زیادہ مقدار میں میسر نہیں ہوتا لہٰذا ضرورت کے مطابق صنعتی مشینری اور فالتو پرزے درآمد نہیں کرسکتا۔

9- ذرائع نقل وحمل کی پسماندگی

خام مال اور مزدوروں کو کارخانوں تک پہنچانے اور تیار شدہ مال کو منڈیوں تک پہنچانے کے لئے نقل وحمل کے ذرائع کا مستعد اور ترقی یافتہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن پاکستان میں ابھی یہ ذرائع پوری طرح ترقی نہیں کرپائے اور ریلوں اور سڑکوں کی پسماندگی کی وجہ سے صنعتی شعبہ مناسب حد تک ترقی نہیں کرسکا۔

10- ساحل سمندر سے دوری

پاکستان کا زیادہ علاقہ ساحل سمندر سے کافی دور ریگستانوں' خشک پہاڑی علاقوں اور چٹیل میدانوں پر مشتمل ہے پھر زیادہ تر علاقوں کی آب وہوا سخت گرم اور شدید سرد ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے صنعتی کارکنوں کی استعداد کار پست رہتی ہے اور پیداوار میں مناسب حد تک اضافہ نہیں ہوسکا۔

11- تربیت یافتہ عملہ کی کمی

صنعتی شعبہ میں کام کرنے کے لئے ایک خاص قسم کا تربیت یافتہ عملہ درکار ہوتا ہے جس میں ماہر' آجر' انجینئر' مکینک' اکاؤنٹنٹ اور مستری وغیرہ ہوتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ایسے لوگوں کی کمی ہے۔ کیونکہ تقسیم ملک سے قبل صنعتی شعبہ سے زیادہ تر غیر مسلم وابستہ تھے۔

جن کی اکثریت آزادی کے وقت ہندوستان چلی گئی اور اس طرح پاکستان میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا اور صنعتی ترقی کی رفتار تیز تر نہ ہو سکی۔

12- فضول رسومات اور تقدیر پرستی

ہمارے عوام کی اکثریت جاہل اور ان پڑھ ہے۔ وہ فضول رسم ورواج پر بیجا رقوم خرچ کر دیتے ہیں۔ بچتوں کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ لہٰذا صنعتوں میں سرمایہ کاری کے لئے کم رقم بچتی ہیں۔ پھر اپنی محنت اور استعداد پر بھروسہ کرنے کی بجائے قسمت پر زیادہ انحصار کیا جاتا ہے۔ پس تقدیر پرستی کی وجہ سے لوگ پوری لگن سے کام نہیں کرتے اور نتیجتاً پیداوار کم رہتی ہے۔

13- ہوس اور لالچ

ہمارے صنعت کار راتوں رات دولت مند بننے کے لالچ میں اپنی مصنوعات کی قیمتیں بلند رکھتے ہیں اور بعض اوقات مصنوعی قلت بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ جس کا اثر ملکی مصنوعات کی طلب پر پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ قیمتیں صارفین کے لئے بہت بلند ہوتی ہے اور وہ انہیں برداشت نہیں کر سکتے۔

14- نمود ونمائش

ہمارے عوام کی اکثریت نمود ونمائش کا شکار ہے۔ وہ دوسروں کی دیکھا دیکھی غیر ملکی مصنوعات کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اور ان اشیاء کو بلا ضرورت خرید لیتے ہیں جب کہ ملکی مصنوعات کو گھٹیا سمجھا جاتا ہے اور ان کی سرپرستی نہیں کی جاتی۔ لہٰذا ملکی آجروں کی مناسب حوصلہ افزائی نہیں ہوتی اور وہ دولت اکٹھی کرنے کے لئے غیر قانونی اور غیر اخلاقی راستے تلاش کرتے ہیں۔ جن میں سمگلنگ، ذخیرہ اندوزی ملاوٹ اور چور بازاری وغیرہ شامل ہیں۔

سیاسی اسباب

تقسیم سے لے کر اب تک پاکستان کو اپنی 58 سالہ زندگی میں سیاسی استحکام نصیب نہیں ہو سکا آزاد ہوتے ہی اسی لاکھ مہاجرین کی بحالی کا بوجھ برداشت کرنا پڑا۔ مسئلہ کشمیر

پیدا ہو گیا اور ہندوستان سے اختلاف پہلے دن ہی پیدا ہو گئے۔ پھر 1958ء تک آئے دن حکومتی بدلتی رہیں جو سیاسی عدم استحکام کی نشاندہی کرتی ہیں۔ 1965ء میں ہندوستان کے ساتھ جنگ 69-1967ء میں ایوب حکومت کے خلاف ہنگامے' 1970ء میں مشرقی پاکستان میں باغیانہ سرگرمیاں 1971ء میں ہندوستان کے ساتھ دوبارہ جنگ اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی 1977ء کے الیکشن کے خلاف قومی اتحاد کی سیاسی تحریک' بھٹو حکومت کا خاتمہ اور نئے مارشل لاء کا نفاذ' پھر افغانستان میں روس کی مداخلت اور تقریباً 38 لاکھ افغان مہاجرین کی آمد جنرل ضیاالحق سابق صدر پاکستان کی حادثاتی موت کے بعد نئے آنے والے حکمرانوں نے جمہوریت کے نام پر اسمبلیوں میں پہنچ کر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے سرکاری فنڈز اور قومی اثاثوں کی وہ بندر بانٹ کی کر ملکی خزانہ میں موجود ملکی زرمبادلہ کے ذخائر اس حد تک کم ہو گئے کہ ملک دیوالیہ ہونے کے قریب آ گیا۔ یہ تمام ایسے واقعات ہیں جو ملکی وسائل پر بوجھ بنے ہیں اور ایسے معاشی وسیاسی مسائل پیدا ہو گئے کہ صنعتی ترقی کی بنیادیں مستحکم نہ ہو سکیں اور اس شعبے میں ترقی کی رفتار کافی سست رہی۔ کیونکہ سیاسی انتشار صنعتی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا سرمایہ کاری کے لئے امن وامان اور تحفظ کی صورتحال ضروری ہوتی ہے جو کہ ابھی تک پاکستان کو نصیب نہیں ہو سکی۔

صنعتی ترقی اور آبادی کی منتقلی کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل

صنعتی ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ جہاں معاشرے میں سہولیات وافر مقدار میں نصیب ہوئیں ہیں وہاں اس کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں نے نقل مکانی شروع کر دی جس کی وجہ سے آبادی کا انتقال ہوا اور اس کی وجہ سے معاشرہ کئی مسائل کا شکار ہوا جن میں کچھ کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

1- مشترکہ خاندانی نظام کا خاتمہ

سب سے پہلے جو سماجی ادارہ صنعت کاری کا شکار ہوا وہ ہمارا خاندان ہے جو مشترکہ

خاندانوں سے سادہ خاندانوں کی طرف چلا گیا اور وہ تمام مسائل سر اُٹھانے لگے جو خاندان کے انتشار کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں عدم تحفظ، اخراجات میں اضافہ اور روایات کے بارے میں ذہنی الجھاؤ اور Social Control کا فقدان قابل ذکر ہے۔

2- مکانات کی قلت

شہروں میں بڑے مکانات کا رجحان ہوتا ہے اور دیگر تعمیری اخراجات بھی گاؤں کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں جو نئے آنے والے برداشت نہیں کر سکتے پھر کثیر آبادی کا انتقالِ سکونت قلت مکانات کو دعوت دیتا ہے۔ جو کچی آبادیوں کے وجود میں آنے کا باعث بنتا ہے۔ جس سے مزید سماجی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

3- ذرائع نقل وحمل کی قلت

اکثر صنعتیں شہروں کے قریب واقع ہوتی ہیں جب آبادی دیہاتوں سے شہروں میں منتقل ہوتی ہے تو ضروریات بھی بڑھ جاتی ہیں۔ مگر غربت کے باعث ہم انہیں پورا کرنے سے قاصر ہیں اس سے ذرائع آمدورفت اور دیگر اشیاء کی وجہ سے Transport کی قلت محسوس ہوتی ہے۔

4- تعلیمی، طبی اور تفریحی اداروں کی کمی

شہروں میں پہلے ہی یہ ادارے مطلوبہ تعداد میں میسر نہیں ہوتے۔ انتقال آبادی سے یہ معاملہ مزید سنگینی اختیار کر جاتا ہے اور جو ادارے موجود ہوتے ہیں ان پر اس قدر بوجھ پڑتا ہے کہ وہ اصل مقاصد کی تکمیل ہی نہیں کر پاتے۔ شہروں میں منتقلی کی وجہ سے تعلیم حاصل کرنے کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ فنی تعلیم کی اہمیت بڑھ جاتی ہے مگر ادارے کم ہوتے ہیں۔

5- بے روزگاری

مشینی صنعت نے ہاتھ سے کام کرنے والوں کی چھٹی کرا دی۔ جس کام پر پہلے دس افراد مصروف ہو سکتے تھے اب صرف ایک مشین کام کرتی ہے جس کو چلانے کے لئے ایک فرد کی ضرورت ہے۔ اس طرح باقی ماندہ افراد بے کار ہو جاتے ہیں اور انہیں جلد ہی روزگار ملنا

محال ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے پاس کسی دوسرے کام کے لئے ہنر مندی نہیں ہوتی۔

6- عدم تحفظ

جب لوگ شہروں کا رُخ کرتے ہیں تو پہلے پہل کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہاں کی کوئی شناسائی نہیں اور دیہات جیسی رسومات اور دلچسپیاں نہیں ہوتی۔ان کے لئے سماجی تعلقات قائم کرنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ایسے بے شمار مسائل عدم تحفظ کا احساس دلاتے ہیں۔

7- حادثات میں اضافہ

آبادی کی کثیر تعداد کا شہروں کی طرف رُخ کرنا عجیب وغریب صورتحال پیدا کر رہا ہے۔ دورِ حاضر میں ٹریفک کے اصولوں سے ناواقفیت حادثات کا موجب بنتی ہے۔ دیہات سے آنے والے ٹریفک کے ضابطوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور بے احتیاطی کی وجہ سے حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

8- پیشہ ورانہ بیماریاں

بعض مخصوص بیماریاں مخصوص پیشوں سے متعلق ہوتی ہیں جن کا دیہات میں وجود نہیں ہوتا۔ جیسے ٹیکسٹائل میں تپ دق، دمہ، ویلڈنگ میں آنکھوں کا متاثر ہونا، تیزاب سے خارش وغیرہ چونکہ نو وارد احتیاطی تدابیر سے واقف نہیں ہوتا لہٰذا بیماریوں کا جلد شکار ہو جاتا ہے۔

9- تعلقات میں کمی

ایک شخص جب کام کے لئے آتا ہے تو خاندان کو ساتھ نہیں لا سکتا کیونکہ شہروں میں رہائشی مسئلہ اور اخراجات میں زیادتی اس امر میں مانع ہے۔اور اس طرح فرد کا گھر والوں سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دور کے رشتے داروں سے تعلقات تقریباً ختم ہو جاتے ہیں۔

10- جرائم میں اضافہ

شہروں میں جرائم کے زیادہ مواقع ملتے ہیں کیونکہ مجرموں کے لئے بچنا مسئلہ

نہیں ہوتا۔اس لئے کہ اسے بہت کم لوگ پہچانتے ہیں اور بے روزگاری جرائم کو دعوت دیتی ہے۔جس کی وجہ سے جیب تراشی، گداگری کو فروغ ملتا ہے۔سماجی کنٹرول میں کمی کی وجہ سے اخلاقی پسماندگی بڑھ جاتی ہے۔طوائفوں کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

11- شخصی مسائل

دیہاتوں میں طویل مدت گزارنے کے بعد افراد باہمی طور پر پیار محبت سے رہتے ہیں۔آپس میں ہمدردی کے جذبات ہوتے ہیں۔مگر جب شہر میں آتے ہیں تو ماحول مختلف پا کر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔

12- بڑھاپا

دیہات میں بزرگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر شہری ماحول مختلف ہوتا ہے کسی کو دنیاوی جھمیلوں سے فرصت نہیں ملتی۔اس لئے بڑھاپا سنگین مسئلہ بن جاتا ہے اور دوسری بیماریاں مزید مشکلات کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔

13- قیمتوں میں اضافہ

جب شہروں میں آبادی کا سیلاب اُمڈ آتا ہے تو چیزوں کی قلت محسوس ہونے لگتی ہے۔عام اشیاءصرف کے لئے قطاریں بنانی پڑتی ہیں۔اس طرح قیمتوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور مہنگائی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔

14- طبقاتی کشمکش

شہروں میں عام طور پر دوطرح کے طبقے وجود میں آتے ہیں ایک وہ جو شروع سے رہتے آئے ہیں اور دوسرے وہ جو دیہاتوں سے آکر روزگار کی تلاش میں شہروں میں آباد ہوتے ہیں۔شہری طبقہ ان افراد کو حقارت کی نظر سے دیکھتا اور کم تر خیال کرتا ہے۔لوگ ان سے سماجی تعلقات قائم کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔اس طرح معاشرہ طبقاتی کشمکش کا شکار ہوجاتا ہے۔

صنعتی ترقی اور انتقالِ آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل

صنعتی ترقی اور آبادی کے انتقال سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کا حل مندرجہ ذیل اقدامات اُٹھا کر کیا جا سکتا ہے۔

1- گروپ ورک کے اداروں کا قیام

اگر دیہاتوں سے شہروں کی طرف منتقل ہونے والے آبادی کو روک نہیں سکتے تو اس مسئلے کا سنجیدہ حل کیا جائے ورنہ صورت حال مزید ابتر ہو گی۔ ایک قدم یہ ہے کہ گروہی سماجی بہبود کے طریقے سے لوگوں کی زندگی کو سنوارا جائے۔ ہمدردی اور تعاون کے جذبہ کو بیدار کیا جائے۔ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے افراد کو مشترکہ جدوجہد کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور فلاحی اداروں کا قیام جو نئے پیدا شدہ مسائل کا تدارک یا انہیں کم کرنے میں معاون ہوں عمل میں لایا جائے۔ اس طرح دیہات سے منتقل ہونے والے افراد کو شہری ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں سہولت ہو گی۔

2- جماعتی ترقی کے مراکز

دیہاتوں میں چوپال کا مقصد فارغ اوقات میں لوگوں کو جمع کرے اپنی مدد آپ کے تحت مسائل کو حل کرنا یا مصروف رکھنا ہے۔ شہروں میں یہ صورت حال مختلف ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ شہروں میں لوگ مل کر مسائل کو سمجھیں اور حل تلاش کریں۔ زیادہ سے زیادہ فلاحی اداروں کا قیام ہو جس کے لئے جماعتی ترقی کے مراکز انہیں چلنے کے مواقع اور فنی رہنمائی دے سکتے ہیں۔

3- یتیم خانے

یتیم خانے شہروں کا لازمی حصہ بن گئے ہیں، لاوارث اور یتیم بچوں کو شہروں میں سہارا دینا حکومت کا فرض ہے۔ دیہاتوں میں یہ کام مخیّر اور وارث سرانجام دیتے ہیں جبکہ شہری آبادی کی کثرت اور معاملے کی پیچیدگی تقاضا کرتی ہے کہ اس کا متبادل انتظام یتیم خانوں کی صورت میں ہو۔

4- ڈے کیئر سنٹرز

شہروں میں سادہ خاندان رواج پا رہا ہے۔ مصروفِ کار اور خصوصاً ملازمت پیشہ خواتین کا مسئلہ ہے کہ ان کے بچوں کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا بڑھتی آبادی اور خصوصاً بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد تقاضا کرتی ہے کہ Day Care Centres قائم کئے جائیں۔

5- عافیت

بے شک اسلام نے ہمیں بزرگوں کو سنبھالنے اور خدمت کا درس دیا ہے لیکن شہری زندگی کی نفسا نفسی میں لوگ ایسا فرض بھولتے جا رہے ہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جن بزرگوں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو اُن کو مشترکہ طور پر رکھنے کے لئے ''عافیت'' جیسے اداروں کا بندوبست کیا جائے۔

چند مزید تجاویز

انتقالِ آبادی کے دباؤ کو روکنے کے لئے چند ایسی احتیاطی تدابیر بھی اختیار کی جا سکتی ہیں جن کے تحت افراد کو ان کی آبائی جگہوں پر بھی وہ سہولیات فراہم کی جا سکتی ہیں جن کی تلاش میں وہ شہروں کا رُخ کرتے ہیں۔

1- زرعی شعبے کو ترقی دے کر ہم انتقال آبادی کے دباؤ کو کم کر سکتے ہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کسانوں کو تمام سہولتیں میسر ہوں جن سے وہ زراعت کو ترقی دے سکیں اور زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کر سکیں۔

2- گھریلو صنعتوں میں اضافہ اور قیام کے لئے حکومت قرضے اور حوصلہ افزائی کے امور کو اہمیت دے تا کہ افراد مقامی سطح پر روزگار حاصل کر سکیں۔

3- دیہاتوں میں بھی تعلیمی، طبی اور تفریحی سہولیات فراہم کی جائیں تا کہ اُن کی تلاش میں لوگ شہروں کی طرف رُخ اختیار نہ کریں۔

4- دیہات میں صنعتوں کے فروغ کے لئے صنعت کاروں کو ایسی مراعات ملنی چاہئیں جو اُن کو دیہات میں صنعتیں لگانے پر مجبور کریں۔ اس طرح دیہات میں روزگار کے مواقع

پیدا ہوں گے اور انتقال آبادی میں کمی آئے گی۔

ان احتیاطی تدابر پر عمل پیرا ہو کر ہم شہروں کی گنجان آبادی کا دباؤ، خاندان کی تقسیم، جرائم، ذہنی تناؤ اور کشمکش وغیرہ کا سدباب کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ

اہم سوالات

1- زرعی ترقی کی اہمیت بیان کریں نیز زرعی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں بیان کریں اور تدارک کے لئے اقدامات تجویز کریں؟

2- صنعتی ترقی کی اہمیت بیان کریں نیز صنعتی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں بیان کریں اور تدارک کے لئے اقدامات تجویز کریں؟

3- صنعتی ترقی اور آبادی کے انتقال کی وجہ سے مسائل کا ذکر کریں اور اُن کا حل بھی تجویز کریں؟

باب نمبر 6

تعلیمی ضروریات اور مسائل

1- تعلیم کے مقاصد اور اہمیت
2- موجودہ تعلیمی مسائل، ضروریات اور مسائل کا حل یا علاج
3- مستقبل کی تعلیمی ضروریات
4- تعلیمی اداروں میں راہنمائی اور مشاورت کی اہمیت
5- تعلیم بالغاں، رکاوٹیں، ضرورت اور اہمیت
6- تعلیم اور قومی ترقی

باب نمبر 6

تعلیمی ضروریات ومسائل

(Educational Needs and Problems)

تعلیم ایک معاشرتی ضرورت ہے کوئی بھی معاشرہ خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، ترقی یافتہ ہو یا ترقی پذیر یا پسماندہ تعلیم کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ تعلیم معاشرتی زندگی کے ترقی کے تالے کی کنجی ہے کیونکہ تعلیم کا عمل وقت، مقام اور حالات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم ہر دور میں اس کی ضروریات کو پورا کرتی رہی ہے۔ تعلیم فرد کی راہنمائی کرتی ہے۔ اس لئے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ تعلیم انسان کے لئے ضروری ہے لہٰذا اس سے پہلے کہ ہم تعلیم کی ضروریات اور اس کے مسائل کو دیکھیں پہلے دیکھتے ہیں کہ تعلیم کیا ہے؟

تمہید

ایک وہ زمانہ تھا جب لوگ غاروں، صحراؤں اور وادیوں میں رہتے تھے۔ اس وقت صرف سانس لینا اور پیٹ بھرنا زندگی کا مقصد تھا۔ آہستہ آہستہ لوگ قبیلوں اور گروہ کی صورت میں رہنے لگے اور ''آدمی ایک معاشرتی حیوان ہے'' کا نعرہ بلند ہوا۔ رفتہ رفتہ انسانوں کا طرز معاشرت بدلتا گیا اور آہستہ آہستہ ان کے خیالات میں سوچ وبچار نے جنم لینا شروع کیا اچھے برے کی تمیز پیدا ہوئی اور کسی چیز کو سمجھنے کی ابتداء ہوئی۔ کسی بھی شے کے بارے میں جاننا ہی علم ہے۔ یہ علم ہی ہے جس نے معاشرتی شعور پیدا کیا۔ یہی شعور آدمی کو انسان بنانے میں معاون ثابت ہوا۔

شعور ترقی کرتا ہوا باقاعدہ علم کی صورت اختیار کر گیا اور باقاعدہ علم کو انسانوں نے ''تعلیم'' کا نام دیا۔ بہتر زندگی کا تصور بغیر تعلیم محال ہے۔ کیونکہ ذہنی نشو ونما ہی علم ہے اور اس نشو ونما کو موزوں راہوں پر گامزن کرنے کا دوسرا نام تعلیم ہے۔ تعلیم کا زندگی سے گہرا رشتہ ہے۔ ہربرٹ سپنسر کے مطابق ''انسان کا اپنی فطرت کے نزدیک پہنچنا ہی تعلیم ہے۔'' عبداللہ فاروقی نے اپنی کتاب ''مقصد تعلیم'' میں کہا ہے کہ تعلیم بذات خود ایک بہت بڑا ہتھیار ہے جس کا مقصد ہی روشنی پھیلانا ہے۔ ملٹن نے کیا خوب کہا ''تعلیم کا مقصد انسان کو خدا سے مشابہہ بنانا ہے۔''

تعارف

رب کریم نے جب کائنات کو تخلیق کیا تو آدم کو دیگر مخلوقات پر ترجیح دی۔ اس کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے کہ آدم کا اعلیٰ وارفع ہونا دراصل اس کے ''علم'' کی وجہ سے تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم کو سکھایا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

''کیا وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے ہیں، علم رکھنے والوں کے برابر ہو سکتے ہیں۔ بے شک اہل علم اونچے درجے والے ہیں۔''

تعلیم کا عام مفہوم

آج جو علم سے مراد لی جاتی ہے وہ دراصل ہماری کم فہمی ہے۔ ڈگریوں کا حصول علم کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ڈگری کے حصول کو Qualification کہتے ہیں جبکہ انسان کے رویہ میں مثبت تبدیلی اور انسان کا ہر لحاظ سے متوازن شخصیت ہونا علم (Education) کے زمرے میں آتا ہے ڈگریوں کے بارے میں اکبرالہ آبادی نے فرمایا:

کیا کہیں احصاب کیا کارہائے نمایاں کر گئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

رسل نے کیا خوب کہا ہے :

''تعلیم کا مقصد نہ صرف ایک اچھا شہری اور عقل مند انسان بنانا ہے بلکہ سیرت

وکردار کی تشکیل بھی ہے۔''

تعلیم دراصل تہذیب، شائستگی، توازن اور ادراک کا دوسرا نام ہے۔ ابوالعلیٰ مودودی کے نزدیک تعلیم دراصل سیرت وکردار کی نشوونما کرنے کا نام ہے، وہ فرماتے ہیں:

''تعلیم کا مقصد نہ صرف کلچر کو زندہ رکھنا ہے بلکہ اس کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا بھی ہے۔ تعلیم کا ایک مقصد بہترین شہری پیدا کرنا تا کہ وہ دنیا کی امامت کے قابل بن سکیں۔''

تعریف

تعلیم کا عام مفہوم واضح کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں تعلیم کی تعریف کو بھی سمجھ لینا چاہیے اس سلسلے میں مختلف مفکر، مشاہیر، فلسفی اور قائدین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے تعریف سے پہلے ان سے بھی استفادہ حاصل کریں۔

1- قائداعظم کے الفاظ میں:

قائداعظم کے ان الفاظ پر غور فرمائیں جو انہوں نے پہلی تعلیمی کانفرنس دسمبر 1947ء کے موقع پر فرمائے۔

''ہماری تعلیم، ہمارے لوگوں کی ضروریات کو نہ صرف پورا کرتی ہو بلکہ وہ اپنے کلچر، تہذیب اور ثقافت کی صحیح نمائندہ بھی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کا علوم وفنون کے ساتھ گہرا رابطہ اور رشتہ بھی ضروری ہے''

2- لفظ تعلیم کا ماخذ

تعلیم کا لفظ علم سے مشتق ہے۔ علم کے لغوی معنی جاننا، سمجھنا اور فہم ہے۔ کسی چیز کو جان لینا اور اس کو سمجھ لینا روشنی ہے کیونکہ چیزوں کی پہچان اندھیرے میں تو ہونے سے رہی یہ سعادت صرف روشنی کو حاصل ہے اس لحاظ سے علم ''روشنی'' بھی ہے۔ مفکرین کرام کے نزدیک روشنی کا دوسرا نام ہدایت ہے۔

3- انگریزی زبان میں

انگریزی زبان میں تعلیم کو Education کہتے ہیں، یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے جو کہ دو الفاظ کا مرکب ہے۔

4-اصطلاحی معنوں میں

پس ایجوکیشن جس کو اردو زبان میں تعلیم کہتے ہیں۔اصطلاحی معنوں میں ایسا عمل ہے جو فرد کی داخلی اور خارجی صلاحتیوں کی نشوونما کرتا ہے اور انسان کے طرز عمل میں شائستگی اور تہذیب پیدا کر کے اسے معاشرہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ڈھالتا ہے۔

5-دانشور محمد عیسیٰ خان

دانش ور محمد عیسیٰ خان نے تعلیم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"تعلیم اس معاشرتی عمل کا نام ہے جو نئی پود کو معاشرے کے مشترکہ مقاصد اعتقادات، رویوں، علوم اور مہارتوں میں برابر کا حصہ دار بناتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ فرد کی شخصیت اور تمام پہلوں کی نشوونما کا بندوبست اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اردگرد کی کائنات اور اپنے مقصد تخلیق کی حقیقت معلوم کر سکے اور اس طرح اپنے خالق کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔"

ایک مشہور چینی کہاوت ہے کہ

"اگر تمہارا منصوبہ سال بھر کے لیے ہے تو فصل کاشت کرو اور اگر منصوبہ دس سالہ ہے تو پھر درخت لگاؤ اور دائمی ہے تو افراد پیدا کرو"

6- جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ

"میرے نزدیک ایسی کوئی تعلیم مکمل یا جامع نہیں کہلا سکتی جس کا مقصد کردار کی اصلاح اور درستی نہ ہو۔ تعلیم کو خصوصاً ابتدائی مدراج میں ہر قوم کی خاص ضرورتوں اور معاشی حاجتوں کو پورا کرنا چاہیے اور نوجوانوں کی اخلاقی بہتری پر زور دینا چاہیے۔"

7-اسی حوالے سے پروفیسر زبیری کہتے ہیں۔

"آدمی دنیا میں علم کا خزانہ لے کر آیا ہے۔اس قابلیت کی بدولت وہ ساری مخلوق سے اعلیٰ ہے۔آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسان کے لئے ہے۔ یہ اس کے صاحب علم ہونے کی شان تھی کہ انسان کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور اسے نیابت اور بزرگی کے عظیم مرتبہ پر فائز کیا گیا۔

بعض ماہرین کے نزدیک تعلیم سراسر معاشرتی عمل ہے جبکہ بعض دوسرے ماہرین کی رائے میں تعلیم فرد کی ذہنی نشوونما کا عمل ہے۔ ماہرین کا ایک گروہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ تعلیم تہذیبی سرمائے کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جبکہ ایک دوسرا گروہ اسے تہذیب وتمدن کی تشکیل جدید کا عمل قرار دیتا ہے۔

ارسطو: کے نزدیک تعلیم سے بے بہرہ آدمی ''مردہ'' ہے اور تعلیم یافتہ شخص ''زندہ'' ہے۔ تعلیم کے بارے میں نیچے کچھ مفکرین کے خیالات درج کئے جاتے ہیں۔

8-ارسطو

ارسطو کے نزدیک تعلیم بچہ کی یادداشت، عادات اور خیالات کے ساتھ اس کی عقلی اور اخلاقی نشوونما کا عمل ہے۔

9-افلاطون

افلاطون نے تعلیم کو معاشرے کی متوازن تنظیم کا عمل قرار دیا ہے اس عمل میں فرد کی مخصوص جسمانی اور روحانی صلاحیتوں کو اس طرح سے نشوونما دی جاتی ہے کہ فرد کی شخصیت کی حتی الامکان تکمیل ہو جائے۔

10- کومنین

کومنین نے تعلیم کو ایک ایسی مشین سے تشبیہ دی ہے جس سے انسان ڈھل کر نکلتے ہیں۔

11-پستاوزی

پستاوزی کے نزدیک تعلیم انسان کی پوشیدہ قوتوں کی قدرتی مربوط اور تدریجی نشوونما کا عمل ہے۔

12-جان ڈیوی

جان ڈیوی نے تعلیم کو تجربہ کی مسلسل تعمیر نو یا تنظیم نو کا نام دیا ہے۔

13-ہاڑن

ہاڑن کے مطابق تعلیم آزاد اور باشعور انسانوں کی خدا سے ہم آہنگی کا عمل ہے۔

14-راس

راس کے مطابق عمومی معنوں میں تعلیم تجربہ کے تابع ہونے کا نام ہے اور اصطلاحی

معنوں میں تعلیم فرد کی صلاحیتوں، استعدادوں اور مہارتوں کی اس طرح نشو ونما کرتا ہے کہ وہ اچھی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے اور اس سے مثالی معاشرہ قائم ہو۔

15-ایف جے براؤن

ایف جے براؤن نے تعلیم اور زندگی کو لازم وملزوم قرار دیتے ہوئے کہا کہ تعلیم زندگی ہے اور زندگی تعلیم۔

16-پروفیسر خورشید احمد

تعلیم کے بارے میں کہتے ہیں کہ تعلیم زندگی بھر جاری رہنے والا عمل ہے اس میں رسمی اور غیر رسمی دونوں طرح کی تعلیم شامل ہے ان کے نزدیک تعلیم ایک ایسا جامع معاشرتی عمل ہے جس کے ذریعہ فرد کی شخصیت اور کردار کے تمام پہلوؤں کی نشو ونما اس طرح کی جاتی ہے کہ زندگی کے مقاصد اور فرائض سے کماحقہ مکمل آگاہی ہو جائے۔

17-پروفیسر منور بن صادق

پروفیسر منور بن صادق کی رائے میں تعلیم حسن کمال کے حصول اور منتقلی کا عمل ہے۔ پروفیسر صاحب کی رائے میں حسن کمال سے مراد مطلوب رویئے مہارات اور تصورات ہیں۔

18-امام غزالی

امام غزالی کے نزدیک تعلیم، رضا ومعرفت الٰہی کا حصول ہے۔

19-ابن خلدون

ابن خلدون کے نزدیک تعلیم غور وفکر کے ذریعہ حقائق سے روشناس کراتی ہے۔

20-اقبال

اقبال کے نزدیک تعلیم تہذیبی ورثہ کی منتقلی ہے۔

21-ڈاکٹر سید عبداللہ

تعلیم کو زندگی گزارنے کے طریقوں سے روشناس کرانے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اوپر کی دی ہوئی تعلیم کی تمام تعریفیں ایک مقصد واضح کرتی ہیں اور وہ ہے "انسانیت کی تکمیل"، تعلیم معاشرتی، مذہبی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے فرد کی ذات کی تکمیل کر کے اسے

معاشرے میں کامیاب انسان بناتی ہے۔ایسا انسان جواس دنیا کی قیادت سنبھالنے کے قابل ہو۔مندرجہ بالاتعریفیں تعلیم کے کسی ایک پہلوکا احاطہ کرتی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم کی ایک ایسی جامع تعریف ہوجو ہر لحاظ سے مکمل ہواور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو۔اس قسم کی تعریف درجہ ذیل ہے۔

23- جامع تعریف

مغرب کے مطابق:

Education is a gradual process by which some one gains knowledge and understanding through learning.

یعنی تعلیم سیکھنے کے مسلسل عمل کا نام ہے جس کے دوران انسان کسی شے کے بارے میں سمجھ بوجھ حاصل کرتا ہےاوراس کا علم بھی حاصل کرتا ہے جبکہ دینی لحاظ سے تعلیم ایسا عمل ہے جورضائے الٰہی کا موجب ہےاس کے ذریعہ فرد کی شخصیت اور کردار کے تمام پہلوؤں کی نشوونمااس طرح کی جاتی ہے کہ وہ ایک مکمل انسان بن جاتا ہے۔

اس تعریف سے درج ذیل نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔

تعلیم رضائے الٰہی کا باعث ہے۔

زندگی کے تمام پہلوخواہ مذہبی ہوں یا دینوی،تعلیم ان سب کا احاطہ کرتی ہے۔تعلیم فرد کی شخصیت اور کردار کی تمیز کرتی ہے تعلیم آدمی کومکمل انسان بناتی ہے۔

تعلیم انسان کومعاشرے میں عزت مندانہ مقام دیتی ہےاور فرد کوفکر معاش سے آزاد کرتی ہے۔

تعلیم قائدانہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے اسے جلا بخشتی ہے۔تعلیم فرد کوقائدانہ صلاحیتوں کے زیور سے آراستہ کر کے اسے امت مسلمہ کی قیادت کا اہل بناتی ہے۔

24- تعلیم کا جدید فلسفہ: ورلڈانسائیکلوپیڈیا کے مطابق ”تعلیم وہ عمل ہے جوافراد کی مہارتوں، عادات واطوار اقداراورطرزعمل کے بارے میں جامع علم حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔“

تعلیم کی اہمیت

ہم مندرجہ ذیل مقاصد تعلیم کی روشنی میں تعلیم کی اہمیت واضح کر سکتے ہیں:

تعلیم کے انفرادی مقاصد

تعلیم کے وہ مقاصد جو فرد کی مخفی صلاحیتوں کی نشونما سے متعلق ہوں۔ تعلیم کے اس مقصد کے ماتحت دنیا کا ہر فرد بڑی اہمیت کا حامل ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس کی شخصیت کو سامنے رکھ کر اس کی پرورش کی جائے اور یہی اس کی نشوونما کا خاص مقصد ہے۔ اس کی بدولت کسی فرد کی زندگی کو متوازن کرنے میں مدد ملے گی۔ اس نظریے کے مطابق کوئی بھی انسان روئے زمین پر بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ ہر فرد معاشرے میں حقیقی وجود کا حامل ہے۔ اس کا ذہن اس کا جسم اور اس کی روح سب اس کے اپنے ہیں وہ اپنی قسمت کا خود مالک ہے اور علم کی بدولت اپنی قسمت خود تشکیل کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی فرد کی خود مختار شخصیت کی تشکیل ہی تعلیم کا مقصد ہونا چاہیے۔ اگر معاشرے کے تمام افراد مکمل طور پر نشوونما پاتے ہیں تو معاشرہ خود بخود مکمل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک ماہر تعلیم کے قول کے مطابق اس دنیا میں مرد اور عورت کی آزادانہ سرگرمیوں کے بغیر بھلائی اور فلاح ممکن نہیں۔ اس نظریے کے مطابق ہر شخص دنیا میں کچھ فطری صلاحیتیں لے کر آتا ہے اور ان صاحیتوں کی مکمل نشوونما ہی اسے مکمل انسان بناتی ہے۔ لہذا تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ فرد کو ایسا آزادانہ ماحول فراہم کرے جس میں رہ کر وہ اپنی صلاحیتوں کو بڑھائے۔

تعلیم کے اجتماعی مقاصد

تعلیم کے اجتماعی مقاصد کے حامی معاشرے کو فرد پر فوقیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجتماعی یا معاشرتی مقصد تعلیم، حقائق، انصاف اور اخلاق پر مبنی ہوتا ہے۔

تعلیم کا اجتماعی مقصد انفرادی مقصد تعلیم کی ضد ہے اور اس کی بدولت فرد کی انفرادیت تقریباً ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ بچے کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما اور انفرادی اختلافات کی

کوئی گنجائش نہیں ہے۔فرد کو اپنے خیالات کے اظہار کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ ریاست جو کچھ چاہیے افراد کو بلا چوں و چراں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔لہٰذا یہ نظریہ جمہوریت اور آزادی کی نفی کرتا ہے۔ معاشرے کے اہم رکن خاندان، سکول اور دینی مدارس مکمل طور پر تاریکی میں چلے جاتے ہیں بلکہ نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔

تعلیم کے دائمی مقاصد

تعلیم کے دائمی مقاصد ان معاشرتی روابط اور اقدار کی ترجمانی کرتے ہیں جو لافانی ہیں۔ یہ انسانوں اور اقوام کے درمیان روابط اور تعلقات کے لیے بنیادی حیثیت مہیا کرتے ہیں۔ یہ قوموں کے صدیوں کے تجربات کا نچوڑ ہیں اور عموماً ان کو مذہبی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ تعلیم کے دائمی مقاصد مذہب، فلسفے اور کلاسیکی ادب کی تعلیم پر زور دیتے ہیں۔ ارسطو کے خیال میں دائمی مقاصد میں تین چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔ صداقت، حسن اور نیکی۔

تعلیم کے فوری مقاصد

تعلیم کے فوری مقاصد ان انفرادی، معاشرتی اور قومی ضروریات سے تعلق رکھتے ہیں جو فوری نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ایک ایسا ملک جہاں خواندگی کی شرح 15 یا 20 فی صد ہو عوام کو ابتدائی تعلیم دینا ایک فوری مقصد ہو سکتا ہے۔ صنعتی ترقی کے اس دور میں جہاں نت نئی دریافتیں ہو رہی ہیں اور ٹیکنالوجی میں انقلاب آ رہا ہے۔ نئی نسل کو فنی تعلیم دینا تعلیم کا ایک فوری مقصد ہوگا۔ جیسا کہ عیاں ہے ہر معاشرے کی فوری ضروریات مختلف ہوتی ہیں اس لیے تعلیم کے فوری مقاصد بھی مختلف ہوں گے۔

اوپر بیان کیے گئے مقاصد تعلیم کے چند ایسے مقاصد بھی ہیں جن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور ہر معاشرے میں ان کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ ان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے کسی نہ کسی طرح ان کو تعلیمی نظام میں جگہ دینے کی کوشش کی گئی۔ ان مقاصد کا مقصد فرد اور معاشرے کی ضروریات کی تکمیل ہے۔

علمی مقصد

یہ مقصد اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ہر انسان کے لیے علم کا حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس سے احساس تکمیل پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح علم اس دنیا اور آخرت میں خوشی کا ذریعہ ہے۔ تعلیم کے اس مقصد کے لیے علم ایک قوت ہے۔ پیشہ ورانہ علم استاد کو قوت بخشتا ہے کہ وہ اپنے پیشے کو کامیاب بنائے۔ اس طرح انسان مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے۔ مگر اس مقصد پر یہ تنقید کی جاتی ہے کہ صرف علم کا حصول ہی کافی نہیں بلکہ عمل بھی ضروری ہے دوسرا یہ کہ علم بذات خود مقصد نہیں بلکہ مقصد کے حصول کا موجب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علم کے حصول نے انسان کو قوت دی مگر عمل نہ ہونے کی وجہ سے وہ ان ابدی اقدار سے محروم ہے جو شرف انسانیت ہیں۔

پیشہ ورانہ مقصد

بعض مفکرین کا خیال ہے کہ تعلیم کا ایک مقصد افادیت ہونا چاہیے۔ جمہوریت میں تعلیم کا ایک مقصد یہ قرار پایا ہے کہ تعلیم کارآمد ہونی چاہیے جو افراد کی عملی زندگی میں ممدو معاون ثابت ہو۔ اس کا مقصد طالب علموں کو کسی نہ کسی ہنر یا پیشے کے لیے تیار کرنا ہے تا کہ وہ روزی کما سکیں۔ وہ زندگی بے کیف ہوگی جس میں انسان اپنا گزر معاش حاصل نہ کر سکے۔ اس مقصد کے ماتحت افراد کی ترقی مجموعی طور پر قوم کی معاشی و معاشرتی ترقی ہوگی۔ وہ وقت جو بعد میں کسی ہنر یا فن سیکھنے میں صرف ہوتا ہے بچ جائے گا۔

مکمل زندگی کا مقصد

اس مقصد کے مطابق زندگی ایک کل ہے۔ اس کا اجزا میں تقسیم ناممکن ہے۔ انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو میں ترقی دیگر گوشوں کو بھی متاثر کرتی ہے۔ اس لیے تعلیم کا مقصد بھی ہمہ گیر ہونا چاہیے۔ صرف معاشی ترقی یا علمی ترقی یا اقدار کا علم ایک مکمل زندگی گزارنے کے لیے کافی نہیں اچھی تعلیم وہی ہو سکتی ہے جو ہمہ پہلو ہو جس میں معاش کے ساتھ معاشرتی کردار علم اور عمل سب کی طرف مناسب توجہ دی گئی ہو۔ یہ سوال کہ مکمل زندگی کیا ہے؟ اپنی

جگہ تشریح طلب ضرور ہے مگر ہر معاشرہ اپنی روایات کی مذہب اور ثقافت کی بنیاد پر کرتا ہے۔اس لیے تعلیم میں مقاصد کا تعین بھی اس کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال کی نظر میں:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اس لئے نمازی

تعلیم برائے فرصت و آرام

تعلیم برائے فرصت و آرام سے مراد یہ ہے کہ ہمیں بچوں کو بتانا چاہیے کہ وہ کس طرح اپنے فرصت کے لمحات اور وقت کو بہتر اور منافع بخش طور پر صرف کریں۔فرصت کے اوقات اوران کے متعلق تعلیم دینا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

''انسان کو فرصت کے لمحات کا اندازہ ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ انہیں کس طرح استعمال کرے۔آج کے دور کے انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ اچھی پوشاک سے مزین ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ اسے کہاں جانا ہے۔''

فرصت انسان کی تخلیقی قوتوں کو زندہ کرتی اوراس کے آرام میں اضافہ کرتی ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو بہتر طور پر پورا کرنے کے قابل ہو۔فرد کے فرصت کے لمحات میں اضافہ اس بات کی دلیل ہے کہ ملکی تہذیب ثقافت میں ترقی ہوئی ہے اور یہ تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں فرصت کے اوقات کا مناسب نعم البدل ہیں یہی وجہ ہے کہ ان سرگرمیوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔زندہ رہنے کے لیے سلیقے کی ضرورت ہے فرد کو صرف تلاش معاش میں ہی ہمہ تن مصروف نہیں رہنا چاہیے بلکہ آرام وسکون کا حاصل کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

تعلیم برائے حصول بین الاقوامی سوجھ بوجھ

یہ ایک ایسی تعلیم ہے جس سے دنیا کی شہریت حاصل کرنے اوراس کے متعلق وفاداری اور محبت کے جذبات پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔عام لفظوں میں اس سے مراد بنی نوع

انسان کو ایک ہی برادری سے تعبیر کرنا ہے۔اس قسم کی تعلیم کا مقصد بین الاقوامی تعلقات کو سمجھنا ہے۔اس سے نہ صرف وطن سے محبت کا جذبہ پیدا ہوگا بلکہ دنیائے انسانیت کے ساتھ محبت کے رشتے استوار ہوں گے۔ بین الاقوامی مقصد تعلیم سے مراد یہ بھی ہے کہ بین الاقوامی تعاون کے لیے کوشش کی جائے۔اساتذہ وطلبہ کے وفود کا تبادلہ کیا جائے۔ زمین کے ان خطوں کی نشوونما کی جائے جو پسماندہ ہیں۔سکول کی تعلیم کی بدولت مختلف خطوں کے درمیان یگانگت اور میل جول کو فروغ دیا جائے۔مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہے کہ جب تعلیم کو بنی نوع انسان کی وحدت ویکجہتی کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ تعلیم بین الاقوامی سوچ بچار کے مقصد کا مظہر ہوتی ہے۔

تعلیم برائے اخلاق وکردار سازی

بعض ماہرین نے تعلیم کا مقصد اخلاقی تربیت قرار دیا ہے۔ان کے نزدیک یہ اعلیٰ ترین مقصد ہے۔استاد پر لازم ہے کہ وہ بچے کی کردار سازی کا کام کرے۔استاد کا فرض ہے کہ وہ بچے کے رجحانات ومیلانات کو مناسب سمت دے۔مشہور فلسفی ارسطو کا قول ہے کہ حقیقی تعلیم وہ ہے جو کردار سازی اور اخلاقی تربیت کا موجب بنے تعلیم کا مقصد اعلیٰ ذہنی ضبط کے ذریعے ناپسندیدہ خواہشات کو ختم کرنا ہے۔انسان پیدائشی طور پر اخلاق کا حامل نہیں ہوتا مگر مناسب تعلیم وتربیت سے غیر اخلاقی رجحانات کو مسخر کرلیا جاتا ہے۔ چنانچہ تعلیم کا مقصد اعلیٰ خیالات کی آبیاری کے ذریعے فرد کے اندر اچھے ارادوں کی تخلیق ہے۔استاد کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کس طرح کی تعلیم بچے کے مستقبل کے کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اب تک جتنے بھی مقاصد تعلیم بیان کیے گئے ہیں۔ان میں کوئی بھی حتمی نہیں ہے ان جملہ مقاصد پر اختلاف رائے موجود ہے تاہم ان کی افادیت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ اگر ان کا ایک پہلو تاریک ہے تو دوسرا روشن بھی ہے۔ اگر ہم اپنے مذہب کی روشنی میں دیکھیں تو ہمیں اندزہ ہوگا کہ ہمارا مذہب بھی تعلیم کے مخصوص مقاصد کی عکاسی کرتا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم نے ایک صالح انسان کی تشکیل کا تصور دیا ہےاور مقصد تعلیم بھی یہی ہے۔

عام طور پر تعلیم کے مقاصد

(Common Aims of Education)

پاکستانی معاشرہ کے پس منظر میں عام طور پر تعلیم کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں۔

1- ثقافتی ورثے کا تحفظ اور اسے آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا

معاشرہ افراد کے لیے جس تعلیم کا بندوبست کرتا ہے اس کا ایک مقصد ثقافتی ورثے کا تحفظ کرنا اور اسے اگلی نسلوں تک منتقل کرنا بھی ہے۔ یعنی ہماری روایات' اعتقادات' نظریات اور اقدار کو اپنی آنے والی نسلوں تک منتقل کیا جائے تا کہ ہم اپنے ثقافتی ورثے کا تحفظ کر سکیں اور نئی نسلوں کو اس سے روشناس کروا کر انہیں ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کر سکیں اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہماری تہذیب وثقافت زوال پذیر ہوگی اور ہمارا معاشرہ اپنا توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہوگا۔

2- ثقافت کی تعمیر نو

ثقافت کوئی جامد چیز نہیں اس میں تبدیلی اور ارتقاء کا عمل جاری وساری رہتا ہے۔ تعلیم کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو اچھے اور مفید حقائق قبول کرنے پر آمادہ کرے اور برے حقائق سے بچنے کی تلقین کرے کیونکہ ہر ثقافت دوسرے ثقافت کے بھی اثرات قبول کرتی ہے اس لیے تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ثقافت کو پروان چڑھائے اور اس کی تعمیر نو میں اپنا کردار ادا کرے۔

3- فرد کی ثقافتی ترقی کا اہتمام

پسماندہ علاقوں اور پست طبقات سے تعلق رکھنے والے بچے ثقافتی طور پر اپنے ہم وطنوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے خیالات اور طور طریقے ملکی یا علاقائی امور ادا کرنے کی عمومی سطح سے نیچے ہوتے ہیں تعلیم کا یہ فرض ہے کہ وہ بچوں کے خیالات کو بلند کرے، ان میں مثبت تبدیلیاں لائے، ثقافتی خلاء کو پر کرے اور ثقافتی پروگرام کا اہتمام کرے۔

4- تربیت یافتہ افرادی قوت کی فراہمی

تعلیم کا ایک اہم مقصد معاشرے کو تربیت یافتہ افرادی قوت فراہم کرنا ہے تا کہ ملک میں ترقی وخوشحالی ہو اور ہمارا ملک بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو جائے اس سلسلہ میں سکولوں اور کالجوں میں سائنسی اور پیشہ ورانہ مضامین کی تدریس کو عام کیا جائے تا کہ ہمارے ملک کے افراد میں ایسی صلاحیتیں پیدا ہوں جو ملکی پیداوار میں اضافے کا باعث بنیں۔

5- مناسب رویئے پیدا کرنا

تعلیم فرد میں مناسب رویئے پیدا کرتی ہے تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح استعمال کرے اور ہاتھ سے کام کرنے کو عار نہ سمجھے بلکہ صنعت وحرفت کے ہر شعبے میں دیانت داری اور خلوص ولگن کے ساتھ کام کر کے اپنے پیشے میں مہارت حاصل کرے۔اپنی ملکی مصنوعات کو غیر ملکی مصنوعات پر ترجیح دے تا کہ ہمارا ملک معاشی لحاظ سے خود کفیل ہو۔

6- طلبہ کو قیام پاکستان سے متعلق آ گاہ کرنا

تعلیم کا ایک اہم مقصد طلبہ کو پاکستان کے قیام کی وجوہات سے آ گاہ کرنا ہے تا کہ طلبہ کے دل میں بھی پاکستان سے متعلق ایسے جذبات پروان چڑھیں جو قیام پاکستان کے موقع پر دیکھنے میں آئے اور نصاب تعلیم میں ایسے مضامین شامل کئے جائیں جن کو پڑھ کر بچوں میں بھی آگے بڑھنے کا حوصلہ بیدار ہو جو ہمارے ملک وقوم کی ترقی وخوشحالی کے لئے مفید ہو۔

7- طلبہ میں اسلام اور پاکستان سے دلی محبت کا جذبہ پیدا کرنا

تعلیم کا ایک اہم مقصد افراد میں پاکستان اور اسلام سے متعلق دلی محبت کا جذبہ پیدا کرنا بھی ہے تا کہ جب بھی اپنے اسلام اور وطن عزیز کو ان کی ضرورت پڑے تو یہ اپنے تن، من، دھن کی بازی لگانے سے گریز نہ کریں یعنی تعلیم فرد میں حب الوطنی اور حُب اسلام کا جذبہ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔

8-ملی تشخص کو برقرار رکھنا

تعلیم کا یہ مقصد بھی ہے کہ طلبہ میں ایسی صلاحیتیں پیدا کرے کہ وہ اپنے ملی تشخص کو برقرار رکھیں اور اپنی ملت سے متعلق نیک جذبات کو پروان چڑھائیں تاکہ جب بھی کوئی دشمن طاقت ان کی ملت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو وہ ان کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔

9-محنت کی عظمت کا جذبہ پیدا کرنا

تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ بچوں میں محنت کی عظمت کا جذبہ بیدار کرے کیونکہ محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے اور اس لئے خود بھی محنت کریں اور محنت ومزدوری کرنے والے کو بھی حقیر نہ سمجھیں جیسا کہ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ہوتا ہے۔

10-انسانیت کا احترام کرنا

اسلام انسانیت کے احترام کا درس دیتا ہے۔اس کے نزدیک ہر انسان محترم ہے کسی انسان کو رنگ ونسل، ذات پات، دولت اور مرتبے کی وجہ سے دوسروں پر فوقیت حاصل نہیں سب آدم کی اولاد ہیں لہٰذا قانونی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے سب کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔
بس تعلیم کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ انسانیت کا احترام کرے اور بنی نوع انسان سے دلی محبت کا اظہار کرے۔

11- کردار کی تعمیر

تعلیم کا ایک مقصد فرد کے کردار کی تربیت وتعمیر کرنا ہے تاکہ طلبہ کو سچا اور پکا مسلمان بنا کر ان کے کردار کی تعمیر کی جائے کیونکہ تعمیر کردار سے ہی اچھا معاشرہ قائم ہوتا ہے۔

12-متوازن نشوونما

ذہنی وجسمانی نشوونما بھی تعلیم کے مقاصد میں شامل ہے جن کے حصول کے لئے دوسرے علوم وفنون کے ساتھ فنون وحرفت کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور تعلیم کا ایک مقصد طلبہ کی ہمہ جہت تربیت ہے کیونکہ صحت مند فرد ہی صحت مند معاشرے کو قائم رکھنے کے

ساتھ عبادات اور دنیاوی کاموں کو دل جمی اور دلجوئی سے سرانجام دے سکتا ہے۔

13-غلبہ اسلام کے لیے تیار کرنا

تعلیم کا ایک اہم مقصد طلبہ کو غلبہ اسلام کے لیے جہاد کرنے پر آمادہ کرنا ہے اسلام دنیا میں ایک غالب قوت کے طور پر اُبھرے اس لئے کہ مسلمان غلبہ دین کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں کیونکہ اسلام ہمیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے لہٰذا تعلیم کا مقصد بچوں میں غلبہ اسلام کے لیے جذبہ پیدا کرنا ہے۔

14-فرصت کے اوقات کا صحیح استعمال

تعلیم کا ایک اہم مقصد بچوں کو فرصت کے اوقات کا صحیح استعمال سکھانا بھی ہے وقت خواہ کام کا ہو یا فرصت کا اسے فضول رہ کر یا بے کار رہ کر ضائع کرنا نامناسب ہے کیونکہ وقت زندگی ہے اور وقت کو ضائع کرتا ہے وہ گویا زندگی کو ضائع کرتا ہے۔

اس لئے تعلیم فرد کو فرصت کے اوقات کا صحیح استعمال کرنا بھی سکھاتی ہے۔

15-قومی اتحاد پیدا کرنا

تعلیم عوام کو ملک کے بنیادی نظریئے سے آگاہ کرتی ہے حُب الوطنی کے جذبات پیدا کرتی ہے افراد میں مذہبی و معاشرتی اقدار کو راسخ کرتی ہے تعلیمی اداروں میں حب الوطنی کے جذبات کو اُبھار کر ملک کے تمام علاقوں میں مشترک عناصر کو نمایاں کرتی ہے اور مختلف ثقافتی سرگومیوں کو فروغ دیتی ہے۔

16-جمہوریت کی تربیت

تعلیم کا ایک اہم مقصد طلبہ میں جمہوری طرز فکر کو فروغ دینا ہے جمہوریت اس لحاظ سے بہترین طرز عمل ہے کہ اس میں ہر شخص کی صلاحیت اور رائے سے استفاد کیا جاتا ہے جس میں تمام افراد کو یکساں مواقع فرہم کیے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔

17- حکومت اور عوام میں مفاہمت پیدا کرنا

تعلیم سے رائے عامہ پیدا کی جاسکتی ہے اور اس سے رائے عامہ ہموار کرنے کا بھی کام لیا جاتا ہے حکومت مسائل کے حل کرنے کے بارے میں افراد کو اپنا نقطہ نظر سے آگاہ کرتی ہے اور عوام اپنے مسائل کے حل کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرتے ہیں اس طرح حکومت اور عوام میں مفاہمت پیدا ہوتی ہے اور امن قائم رہتا ہے۔

18- اچھی قیادت فراہم کرنا

تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے کے لیے قائدین مہیا کرے سائنس، صنعت وحرفت، سیاست وحکومت سب کو اعلیٰ قوت اور تخلیقی ذہن رکھنے والے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام تعلیم کے ذریعے بہترین طریقے سے سرانجام دیا جاسکتا ہے اور تعلیم ملکی سطح پر اچھے قائدین فراہم کر کے اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

19- بین الاقوامی مفاہمت پیدا کرنا

صحیح تعلیم قوموں کے درمیان خوشگوار رابطہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے تعلیم کا مقصد بین الاقوامی مفاہمت کو فروغ دینا ہے۔

20- فرد کو ذریعہ معاش کیلئے تیار کرنا

تعلیم کا ایک اہم مقصد فرد کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ اس معاشرے میں باعزت روزگار حاصل کر سکے تا کہ وہ کسی پر بوجھ نہ بنے۔

21- تعلیم اور قومی اتحاد و یگانگت

قوموں کو زندہ رکھنے کے لئے اتحاد کی ضرورت ہے اس لئے ایسی قومی تعلیمی پالیسی ہونے چاہیے جس سے قومی اتحاد اور یگانگت پیدا ہو۔ اس کے لئے تعلیم کا ہونا بے حد ضروری ہے کیونکہ اتحاد تربیت سے ہوتا ہے اور تربیت تعلیم سے ہوتی ہے۔ تعلیم کے ذریعے اتحاد و یگانگت اس طرح پیدا کی جاتی ہے کہ عوام کو قومی نظریئے اور ثقافتی ورثے سے واقفیت دلائی جائے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام سکولوں کا نظریہ تعلیم ایک ہو اس سے ہماری

قومی تعلیمی پالیسی میں انگریزی ذریعہ تعلیم کی بجائے اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے نصاب ایک ہو قومی اقدار اور ثقافتی ورثے کو اہمیت حاصل ہو۔

رہنمائی کی ضرورت و اہمیت

رہنمائی کی ضرورت انسانیت تحفظ کی بناء پر محسوس کی جاتی ہے۔ اور بچوں میں انفرادیت کے بجائے اگر یکسانیت ہوتی تو شاید راہنمائی کی ضرورت پیش نہ آتی اور تعلیم و تربیت کا کام نہایت آسان ہو جاتا۔ رہنمائی کی ضرورت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہوتی ہے۔

1) رہنمائی کی بنیاد انسانی ضروریات پر ہے۔ ہر شخص کو زندگی کے کسی نہ کسی موقع پر دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کو اس کی ضرورت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ اور کچھ لوگوں کو اس کی ضرورت نہایت اہم حالات میں ہوتی ہے۔

2) رہنمائی کی بنیاد قوت فیصلہ پر ہے۔ بقول جونز اکثر اوقات جب انسان دو یا دو سے زیادہ چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا چاہتا ہے تو وہ الجھن میں پڑ جاتا ہے۔ اس میں صحیح فیصلہ کرنے کے لیے قوت فیصلہ نہیں ہوتی۔ ایسے مواقع پر رہنمائی درکار ہوتی ہے۔

3) گھر کے بدلتے ہوئے حالات کی بنیاد پر: قدیم زمانے میں لڑکے لڑکیاں ہر چیز اپنے گھر ہی سے سیکھتے تھے۔ آج کل افراد عموماً اپنے گھر سے کم سیکھتے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ ماں باپ کی بڑھتی ہوئی مصروفیات ہیں اور دوسری وجہ خاندانی نظام کا درہم برہم ہو جانا ہے۔ ایسے حالات میں والدین بچوں کی دیکھ بھال، تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے لئے وقت نہیں دے سکتے۔ گھروں کے ان تباہ شدہ حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہو تا کہ وہ متوازن شہری بن سکیں۔ جن کیلئے مناسب راہ نمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

4) صنعت کے بدلتے ہوئے حالات کی بنیاد پر: آج کل صنعتیں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ اب کاروبار میں خصوصی اہلیت حاصل کرنے کا دور ہے۔ اشیاء کی پیداوار بہت تیز رفتار ہو گئی ہے۔ ان حالات میں ذرا پیچھے رہ جانے والا شخص نقصان اٹھاتا ہے۔ اس لئے لوگوں کی مناسب رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔

5) شرح پیدائش کی بنیاد پر: شرح پیدائش کی تبدیلی ہمارے سارے معاشرتی،

معاشی اور تعلیمی حالات پر واضح طور پر اثر انداز ہوتی ہے جس کا اثر خاص طور پر نوجوان طبقے پر پڑتا ہے۔ان کے سامنے بہت سے مسائل کھڑے ہوتے ہیں۔جن کے حل کے لئے ان کو رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

6) **تعلیم کو عام کرنے کے مطالبے کی بنیاد پر:** تعلیم کو عام کرنے کا مطلب لوگوں کو زیادہ سے زیادہ خود کفیل بنانا ہے یا اس قابل بنانا ہے تا کہ وہ اپنے کام کو بہتر طور پر انجام دے سکیں، اپنے ملک کے قوانین کو سمجھ سکیں اور ان کی فرمابنرداری کر سکیں۔اس چیز کے لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ صحیح مضمون کا انتخاب اور صحیح تربیت ضروری ہے۔ان تمام باتوں کے لئے رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔

7) **فرصت کے اوقات کو گزارنے کی بنیاد:** معاشرتی، معاشی اور صنعتی حالات کے پیش نظر سب سے بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے کہ فرصت کے لمحات کو کسی طرح دانش مندانہ طور پر استعمال کیا جائے تا کہ یہ اوقات سومند ثابت ہو سکیں۔ یہ مسئلہ پورے معاشرے کے لئے بہت اہم ہے اور اس کے حل کے لئے ہمیں رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

8) **مذہبی اور اخلاقی حالات کی بنیاد پر:** مذہبی اطوار بڑی حد تک بدل گئے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت عقائد کے لحاظ سے آزاد خیال ہو چکی ہے۔نوجوان مذہبی عقائد کو قبول کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں کیونکہ بیرونی عقائد سے ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ریڈیو، ٹی وی بعض اوقات ان کی اخلاقی اقدار کے منافی چلتے ہیں جس سے وہ تذبذب کا شکار ہونے لگتے ہیں۔اس تذبذت سے نکلنے کیلئے ان کو ایک دانش مندانہ رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

9) **بین الاقوامیت کی بنیاد پر:** نشر و اشاعت کی فراہمی کی بدولت فرد تمام دنیا میں ہونے والے واقعات سے لمحوں میں واقف ہو جاتا ہے۔دنیا کے کسی بھی گوشے میں سیاسی، معاشی یا کسی بھی طرح کا کوئی واقعہ ہو جائے تو اس کے اثرات دنیا کے ہر فرد پر مرتب ہوتے ہیں۔اس سے مسائل اور الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ان کے حل کیلئے رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

10) **پیشہ ورانہ معلومات کے حصول کی بنیاد پر:** راہ نمائی اور مشاورت کے عمل سے طلباء کو ان کی تعلیمی صلاحیتوں، قابلیتوں، ذہانت اور دلچسپیوں کو سامنے رکھتے ہوئے انکو پیشہ

وارانہ معلومات فراہم کی جاتی ہیں جوان کومختلف پیشوں کے انتخاب کرنے میں بڑی مددگار ہوتی ہیں۔ راہنمائی اور مشاورت کے عمل سے طلباء کو وہ معلومات دی جاتی ہیں جن سے ان کو موجودہ پیشوں کے بدلتے ہوئے رجحانات، ان کی متوقع نوعیت کا پتہ چل جاتا ہے۔ راہنمائی اور مشاورت کے عمل سے طلباء کو روزگار حاصل کرنے کے طریقے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم کام کرنے کے مواقع، وقت کی قدر اور اہمیت کی تعلیم جیسے ضروری حقائق سے آگاہی کروائی جاتی ہے۔

11) **اقلیتی جماعتوں کے مسائل کی بنیاد پر:** اقلیتی جماعتوں کے لوگ اپنے لئے تمام دروازے بند پاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مسائل میں گھرا محسوس کرتے ہیں۔ ان سے ہمدردانہ طور پر پیش آنا چاہیے اور ان کی رہنمائی کی جانی چاہیے لہٰذا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ راہ نمائی کی اہمیت اقلیتی جماعتوں کے مسائل کے حل کی بنیاد کے حوالے سے بھی مسلمہ ہے۔

12) **نقائص جسمانی کی بنیاد پر:** کیونکہ ہر انسان دوسرے مختلف ہے۔ شکل وصورت، رنگت، ساخت، غیبی صلاحیت، اور خود اعتمادی کے لحاظ سے ہر فرد دوسرے سے مختلف ہے۔ جو افراد اس لحاظ سے کم درجوں پر ہوتے ہیں' ان کو زندگی میں کامیابی وکامرانی کے لئے رہنمائی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

13) **صلاحیتوں اور رجحانات کی بنیاد پر:** جس طرح ایک ہی زمین اور پانی پر مختلف درخت اگتے ہیں' بالکل اسی طرح ایک ہی ماحول اور تعلیم وتربیت حاصل کرنے والے افراد کی صلاحیتیں اور رجحانات بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ ان صلاحیتوں کو صحیح سمت میں ڈالنے اور اس سے خاطرخواہ فائدہ اٹھانے کے لیے راہنمائی کی ضرورت ہے۔

تعلیم بالغاں

تعلیم بالغاں' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ بالغوں کی تعلیم کے تصور کو کہا جاتا ہے اس میں ہر قسم کی تعلیم شامل سمجھی جاتی ہے اس تصور کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ جو عمر بڑی ہو جانے کی وجہ سے عام تعلیمی اداروں میں داخل ہو کر تعلیم

حاصل کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ نیز جو اپنے وسائل حیات فراہم کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہونے کی وجہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) ایک تو ان لوگوں کا گروہ جو ناخواندہ رہ گئے ہیں۔

(2) دوسرا ان لوگوں کا جو کچھ تعلیم حاصل کر چکے ہیں جو خواندگی سے بہرور ہیں اور وقت گزرنے کی وجہ سے ان کی تعلیم ناکافی محسوس کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کو مزید دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

(i) ایک تو وہ لوگ جنہوں نے کچھ عرصہ پہلے تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ تعلیم ناکافی تھی۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ معاشرے میں جو ارتقائی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ان سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ان کو مزید تعلیم کی ضرورت ہے۔ اس تعلیم کی ضرورت بھی معاشرہ محسوس کرتا ہے اور اسے فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی معاشرہ پر عائد ہوتی ہے۔

(ii) دوسرا ان لوگوں کا گروہ جنہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اور اب خود اپنی ذاتی ضروریات کے تحت، مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ گویا تعلیم بالغاں نقطہ نظر سے افراد کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(i) ناخواندہ لوگ

(ii) کم تعلیم یافتہ افراد

(iii) مزید تعلیم کے متمنی افراد جدید دور میں تعلیم بالغاں کی اصطلاح کا اطلاق اسی جامع انداز میں ہوتا ہے۔

تعلیم بالغاں کی ضرورت اور اہمیت

لفظ تعلیم اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ انسانی تہذیب۔ گویا تعلیم اور انسانی تہذیب کا برسوں سے ناطہ ہے۔ ابتدا میں تعلیم سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ اگر کوئی فرد لکھنا، پڑھنا جانتا تھا اور گنتی سمجھ لیتا تھا تو اسے تعلیم یافتہ سمجھ لیا جاتا تھا۔ تعلیم یافتہ ہونے کا یہ تصور آج کے ترقی یافتہ دور میں خواندگی بالغاں کی تعریف کے زمرے میں تو آتا ہے لیکن تعلیم بالغاں کی تعریف

میں نہیں آ تا۔

علم حاصل کرنے کے لئے عمر یا وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔انسان ہر وقت اور ہر عمر میں سیکھ سکتا ہے اسلام نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے۔علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا مقدس فرض ہے۔علم ہی وہ چیز ہے جس نے آدم کو صرف فرشتوں سے افضل ہی نہیں بلکہ اشرف المخلوقات بنا دیا۔علم میں بڑی طاقت ہے۔لہٰذا ناخواندگی کے خلاف جہاد دینی تقاضا بھی ہے۔ہمیں اس اسلامی مملکت میں صحیح معنوں میں ایسے اقدامات کرنے ہوں گے جو ناخواندگی جیسی لعنت کو جلد از جلد ختم کریں تا کہ ملک ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو سکے۔لہٰذا ملک کی ترقی کی راہ میں حائل ہونے والی دو سب سے بڑی رکاوٹیں ناخواندگی اور جہالت کا خاتمہ کرنا ہوگا اور تعلیم بالغاں کے پروگراموں کو فعال بنانا ہوگا۔

تعلیم بالغاں کی راہ میں رکاوٹیں

1- تشویش کا باعث

بالغوں کی خواندگی کا اہتمام کرنے سے پہلے ان کی نفسیاتی کیفیت کا تجزیہ ضروری ہے۔کیونکہ تعلیم میں تحریک،شوق اور دلچسپی ہی سے فراہم ہوتی ہے اور شوق و دلچسپی ہی تعلیم میں کامیابی کے ضامن ہوتے ہیں۔یہ نہ ہوں تو خارجی تحریک موثر نہیں ہوتی۔بالغ بالعموم کسی نہ کسی پیشے سے منسلک ہوتے ہیں اور ان کی دلچسپی کا مرکز وہ پیشہ ہی ہوتا ہے۔وہ اس پیشے میں کلی مطابقت حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔روزمرہ زندگی میں ان کے لئے کوئی رکاوٹ اس وجہ سے پیدا نہیں ہوتی کہ وہ ناخواندہ ہیں۔رکاوٹ کا تعلق ذہنی احساس کے ساتھ ہوتا ہے۔تعلیم یافتہ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ناخواندگی کی صورت میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔مگر خود ناخواندہ فرد اگر ان رکاوٹوں کو رکاوٹیں نہیں سمجھتا تو دوسروں کے ایسا سمجھنے سے صورت حال پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

2- درسی کتب

پاکستان میں ابھی تک بالغوں کی تعلیم کے لیے خصوصی درسی کتب تیار نہیں کی جا

سکیں۔ابتدائی دور میں تو وہی ابتدائی قاعدہ استعمال کیا جاتا تھا۔ جو بچوں کو خواندگی سکھانے میں استعمال ہوتا ہے اور اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ کہ وہ متن جس میں بچے دلچسپی لیتے ہیں۔ بالغوں کے لیے دلچسپی کا حامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عمر کی وجہ سے ان کی ذہنی سطح بچوں سے بہت بلند ہوتی ہے کچھ عرصہ پہلے بالغوں کی تعلیم کے لیے ایک قاعدہ تیار کیا گیا اس کی تاثیر کا جائزہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

اوقات تدریس

بالغ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں اور ذاتی دلچسپیوں کے حوالے سے اپنے اوقات کی تقسیم کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے کوئی ایسا وقت تلاش کرنا جب ان کی کسی بڑی تعداد کو اکٹھا کر کے تعلیم دی جا سکے ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے بالغوں کو ایسے اوقات میں تعلیم دینا جب وہ اس کے لیے وقت فارغ کر سکیں، ناگزیر ہے۔

4- فارم گائیڈ تحریک

ہمارے ہاں ناخواندہ افراد کی سب سے بڑی تعداد زراعت سے منسلک ہے۔ ایوب خان کے دور صدارت میں فارم گائیڈ تحریک شروع کی گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ کسانوں کو کھیتی باڑی سے متعلق ہدایات دی جائیں تا کہ پیداوار میں اضافہ کیا جا سکے۔ ایک مرحلے پر یہ فیصلہ بھی کیا گیا تھا کہ اس تحریک کو تعلیم بالغاں سے منسلک کر دیا جائے۔ تاہم اس سلسلے میں زیادہ پیشرفت نہ ہو سکی موجودہ دور میں کسان پرانے انداز واطوار ترک کر چکے ہیں اور زراعت میں پرانے طریقوں کی بجائے مفید طریقوں کو اختیار کرنے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس رویہ کی موجودگی میں ان کو نسبتاً زیادہ آسانی سے تعلیم کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ فارم گائیڈ تحریک کی طرح موجودہ حکومت بھی کوئی تحریک شروع کرے۔

5- اساتذہ

بالغوں کی تعلیم کے سلسلے میں اب تک جتنے تجربات کیے گئے ہیں ان میں یا تو زیر

تربیت پرائمری اساتذہ کو بالغوں کی تعلیم کی ذمہ داری سونپی گئی یا غیر تربیت یافتہ افراد کو یہ دونوں صورتیں تعلیم بالغاں کی ترقی میں مفید کردار ادا نہ کر سکتی تھیں۔ ناخواندہ بالغ ایک حساس وجود ہے جسے ہمدردی سے ہی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ تاکہ وہ احساس شرمندگی میں مبتلا ہوئے بغیر تعلیم کی طرف راغب ہو سکے۔ وہ اپنے سے بہت کم عمر افراد کو اپنا رہنما صرف اس صورت میں بنا سکتا ہے کہ وہ اپنی رہنمایانہ حیثیت منوالے۔

6- سماجی کارکن

تعلیم بالغاں کی ترقی میں سماجی کارکن بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں سماجی تنظیمیں بہت کم ہے جو ہیں وہ بھی زیادہ تر شہری علاقوں میں مرتکز ہیں ان میں سے بھی زیادہ تر تنظیمیں ایسی ہیں۔ جو مخصوص مفادات کو پروان چڑھانے کے لیے وجود میں آتی ہیں۔ اس لیے سماجی کارکنوں کی تعداد بھی بہت کم رہی ہے۔ اگر سماجی تنظیموں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ تو یہ تنظیمیں تعلیم بالغاں کے فروغ میں بہت مدد دے سکتی ہیں۔ اس صورت میں سماجی کارکنوں کو بالغوں کی تدریس کے لیے مختصر مدت کے تربیتی پروگراموں کے ذریعے تربیت کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

تعلیم بالغاں کے لئے چند سفارشات

تعلیم بالغاں کے لئے تعلیم بالغاں کا پروگرام تیار کرتے وقت مندرجہ ذیل اہم نکات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

1- **تدریس کا وقت:** ناخواندہ افراد کو ایسے وقت میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیئے جانے چاہئیں جب وہ اپنی مصروفیات سے فارغ ہوں۔

2- **تعلیم بالغاں کیلئے تدریس کا مقام:** ایسے مقام پر کلاسز منعقد کرنا چاہیے۔ جو ان کی رہائش سے قریب تر ہو۔

3- **تعلیم بالغاں کا نصاب:** تعلیم بالغاں کے لئے مخصوص نصاب مرتب کیا جانا چاہیے۔

4- تعلیم بالغاں مفت ہو: تعلیم کے لئے اُن سے کوئی فیس نہیں لی جانی چاہیے۔

5- فلاحی ادارے اور تعلیم بالغاں: تعلیم کے لئے کتابیں اور رسائل وغیرہ فلاحی اداروں کے تعاون سے مفت فراہم کی جائیں۔

6- کتابیں اور تدریس کا طریقہ: ان کی عمر اور اُن کے ثقافتی اور معاشی حالات کے مطابق ہو۔

7- ناخواندہ خواتین کے لئے تعلیم بالغاں کے مراکز صنعتی گھر (Industrial Home) میں ہو تو بہتر ہے تاکہ وہ ایک ہی وقت اور مقام پر فنی تربیت کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کر سکیں۔

9- ناخواندہ مردوں کے لئے: تعلیم بالغاں کے مراکز اسکول کی عمارت، شفاخانوں، یونین کے دفتروں، جماعت خانے، پٹوار خانے یا مساجد میں قائم کئے جا سکتے ہیں۔

10- تعلیم بالغاں اور ابلاغ عامہ کے ذرائع: مثلاً ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن تعلیم بالغاں کے سلسلے میں بہت موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان سے پورا استفادہ کرنا چاہیے۔

تعلیم اور قومی ترقی

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ تغیر و تبدل کے پس منظر میں تعلیم ہی وہ اہم ترین عنصر ہے جو اس کا قوی تر محرک ہے۔ وہ معاشرے جہاں تعلیم عام نہیں ہوتی وہاں جہالت و توہمات کا دور دورہ ہوتا ہے۔ وہاں اس نوع کی تبدیلیوں کو پسند نہیں کیا جاتا کیونکہ بعض مفاد پرست عناصر انہیں اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں۔

تعلیمی عمل کے ذریعے سے ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل ایک قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کی وہ شریعت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد فرائض و حیات کے حصول کے لئے انجام دہی کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم معاشرہ

میں خون کی مانند ہو جاتی ہے اس کو ہمیشہ پاکیزہ اور تمام برائیوں سے پاک ہونا چاہیے یہی بات کسی معاشرے کی فلاح و بہبود اور پاکیزگی کی مظہر ہے۔ تعلیم اگر تجربے اور عمل کے ساتھ حاصل کی جائے تو وہ طالب علم کے لئے طاقت اور اس کی انفرادیت کو درجہ کمال پر پہنچانے کا باعث بنتی ہے۔ موجودہ دور میں تعلیم کی اس قدر ضرورت ہے۔ جس طرح جسم کو ڈھانپنے کے لئے کپڑے کی اور بھوک مٹانے کے لئے روٹی کی۔

اقوام عالم میں وہی قوم برتری حاصل کرتی ہے جس کے مدنظر کوئی واضح نصب العین ہوتا ہے کیونکہ قومی تشخص، استحکام اور یکجہتی جیسی نعمتوں کا وجود اسی کا مرہون منت ہے۔ اسی لئے تعلیم زندگی کی علامت ہے کیونکہ ہر قوم اپنے عقائد، نظریات، مذہب، تہذیب و ثقافت روایات کی منتقلی اور ترویج و تحفظ کے لئے اسی کا سہارا لیتی ہے اور اس کے بغیر ایک صحت مند معاشرہ میں ہم آہنگی یکساں اقدار، افراد اور معاشرہ کے لئے خلوص و محبت کے احساسات اور معاشی استحکام ناممکن ہے۔

تعلیم کی اس اہمیت کے پیش نظر ہر قوم تعلیم پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ مالی و مادی وسائل کی فراہمی کے ساتھ وقت کے بدلتے حالات اور تقاضوں کے مطابق تعلیم کے مقاصد بھی تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں کیونکہ معاشرتی ترقی کا تصور تعلیمی ترقی کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے کہ معاشرتی ترقی ہی کسی قوم کی بقاء اور سلامتی کی ضامن ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں انہی قوموں نے عروج دوام حاصل کیا جو علمی لحاظ سے برتر تھیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ:

بلاشبہ کسی بھی ملک کی بقاء اور ارتقاء کا انحصار اس کے اچھے نظام تعلیم پر ہے۔ جب تک ہمارے پاس صحیح معنوں میں قابل، مخلص، تحقیق کے دلدادہ اور قابل رشک کردار کے حامل اساتذہ، ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان، جرنیل، ایڈمنسٹریٹرز، سول سرونٹس، صحافی اور سیاست دان نہیں ہوں گے، ہم کسی ترقی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے، خواہ ہمارے پاس دولت اور اسلحہ کے انبار ہی کیوں نہ جمع ہو جائیں۔ یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ آخر ہمارا علم وہ مقاصد

کیوں پورے نہیں کر رہا جس سے ایسے عالی کردار شخصیت کے مالک افراد تیار ہو سکیں۔ ہماری ڈگریاں کیوں بے اثر ہو کر رہ گئی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ علم کا اطلاق صحیح نہیں، کہیں عم کا رشتہ جان کے بجائے محض جسم سے تو استوار نہیں ہو گیا۔ ہمیں اگر پاکستان میں اپنے راہرو علم کو صحیح راہ پر گامزن کرنا ہے تو لازماً درج بالا تجاویز پر سنجیدگی سے غور کرنا ہو گا......
حقیقت میں پاکستان کا نام آتے ہی یہ تصور ابھرتا ہے کہ یہ ہمارا قومی گھر ہے جسے باہر کے حملوں سے بھی بچانا ہے اور اندر کے فتنوں سے بھی۔ اسی طرح تحفظ پاکستان کے بنیادی فریضہ کا تصور ابھرتا ہے جس کی شرط اول پاکستان کے لئے سچا جذبہ محبت ہے۔ مگر محبت پاکستان کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے صحیح نصب العین کا شعور موجودہ ہو اور اس کی تعمیر اور حفاظت کے لئے جس طرح کے مشنری رضا کارانہ جذبات کی ضرورت ہے وہ کار فرما ہوں۔ یہ کام لازماً تعلیم ہی کے ذریعے ہو گا۔ قومی تقاضوں کے حوالے سے تعلیم کی نظریاتی تشکیل میں ہمیں اس بات کا بھی گہرا شعور ہونا چاہئے کہ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی کاوشوں سے پاکستان اس لئے نہیں بنا کہ یہ قبیلوں، نسلوں، لسانی اور علاقائی گروہوں کا جنگل بنا رہے۔ پاکستان کی غرض یہ بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ غیر ممالک کی تحریر فکر وثقافت کی نقل درج کرنے کا تختہ سیاہ ہو۔ پاکستان ایسا بے معنی خط بھی نہیں ہے کہ زمانے کے تند رو دریا میں بغیر سوچے سمجھے اس سفینے کو ڈال دیا جائے جس میں کروڑوں افراد لدے ہیں اور ہمارا کوئی مسیحا نہ ہو کہ اسے جانا کہاں ہے اور اسے کس کس خطرے اور موڑ سے بچانا ہے؟ پاکستان کرائے کا ایک ایسا ہال بھی نہیں کہ اس میں کچھ لوگ جب چاہیں اس کے اساسی نظریہ اور یک جہتی کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالیں۔ پاکستان کو اگر اسلامی نصب العین رکھنے والے ملک کی حیثیت سے سامنے رکھا جائے تو اس کے تحفظ کے لئے عسکری، تکنیکی اور اقتصادی قوت بلاشبہ ضروری ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ایمان کی قوت ہے، پھر علم کی، پھر اخلاقی قدروں کی...... نظام تعلیم اگر ان قوتوں سے اساتذہ اور نوجوان نسل کو آراستہ کر کے لا سکے تو وہ ذہنی غلامی کے اس چکر سے نکل آئیں گے۔ ان کے اذہان وقلوب میں صدیوں کا جما ہوا احساس کمتری کھرچ کر نکالا جا سکتا ہے اور وہ دنیا کے سامنے وہ انقلابی توحید کا پرچم اس احساس سے بلند کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس وہ عظیم پیغام اور نظام ہے جس سے تمام

انسانیت محروم ہے۔اس محرومیت کا مداوا ہم ہی کر سکتے ہیں کیونکہ ہم تمام انسانیت کے معلم ہیں۔صرف ایسے اساتذہ اور طلبہ ہی ''سپر پاور'' کے سامنے اس چیلنج کے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں کہ ''تم ہمیں خرید نہیں سکتے۔تم ہماری حیوانی خواہشات کو اکسا کر ہماری انسانی اور ایمانی عظمت کی گردن میں خم نہیں پیدا کر سکتے۔تم ہمیں تعمیر پاکستان اور تحفظ مقصد پاکستان کے معرکوں میں کبھی شکست نہیں دے سکتے۔''

تعلیمی مسائل

مندرجہ ذیل تقاضوں کی روشنی میں ہم تعلیمی مسائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

دینی اور اخلاقی تقاضے

اس وقت وطن عزیز میں لادینیت کے نظریات کی یلغار ہے۔ ہر طرف اسلامی اخلاقیات بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔رحم دلی اور ہمدردی جیسے اوصاف معاشرے میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہ ملتے ہیں۔ مادہ پرستی اور نفسانفسی کا عالم ہے۔موجودہ نظام تعلیم نے مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کو بری طرح متاثر کیا ہے۔جس طرح کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اس وقت ہمارا نظام تعلیم ایک خاموش نسل کشی کے مترادف ہے۔ہمارے نظام تعلیم نے جسمانی طور پر ہلاک کرنے کی بجائے مسلمانوں کو اخلاقی تہذیبی اور دینی لحاظ سے مفلوج کرنے کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کی انکوائری رپورٹ میں درج ہے کہ

''درس گاہوں میں نہ وہ حیات روحانی ہے جو طالب علم میں سوزِ دروں پیدا کرے نہ وہ وحدت اجتماعی ہے جو اس کی وفاداری کو استواری بخشے اور نہ ہی وہ ذہنی و اخلاقی شعلے ہیں جو اس کے سینے میں ولولوں کے چراغ روشن کریں۔''

ہمارے نظام تعلیم کا چونکہ اولین مقصد ہی اسلامی نظام حیات کو قائم کرنا اور دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ اسلامی تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ یہ دینی تقاضے محض اسلامیات کے مضمون کو شامل کر دینے سے پورے نہ ہوں گے بلکہ ضروری ہے کہ پورے نظام تعلیم میں اس کی بنیادی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔اس وقت دینی تعلیم کی صورت حال یہ ہے کہ جو تھوڑی بہت اسلامیات نصاب میں شامل کی گئی ہے اکثر سکولوں اور کالجوں میں بھی اس کی ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔اس افسوس ناک صورت حال کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ ہر تعلیمی ادارے میں مجلس علوم اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ پرنسپل صاحبان ان کی حوصلہ افزائی کریں اور تمام طلبا اس سے استفادہ کریں۔ اسلامیات کے نصاب میں قرآن وحدیث دونوں کے کچھ منتخب حصے طلبا کی ذہنی استعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر جماعت کے لیے تجویز کیے جائیں۔تا کہ یہ امر ہر طالب کے ذہن نشین رہے کہ ہدایت کے ماخذ قرآن وسنت دونوں ہیں۔

دوسری طرف دینی مدارس کا تاریخی نظام ملک کے قریے قریے میں پھیلا ہوا ہے اور متوازی طور پر ایک نسل تیار کرتا ہے۔ جو معاشرے کی دینی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ یہ نظام بعض مسائل کا حل ہے اور بعض مسائل کو پیدا کرتا ہے۔ دینی مدارس کے ذمہ دار علماء کا قدیم نصاب پر اصرار مناسب نہیں نصاب پر برابر نظر ثانی ہوتے رہنا چاہیے۔اسے صدیوں تک قائم رکھنا کونسی تعلیمی حکمت عملی ہے۔اس میں جدید رجحانات کو بھی اپنایا جائے۔

دینی اور اخلاقی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی تبدیلیاں کی جائیں کہ تعلیم سے فارغ التحصیل نوجوان آج کے اسلامی معاشرے کے قابل فخر اور قابل تقلید شہری بن سکیں جو دینی و اخلاقی تعلیم سے مالا مال ہوں اور ساتھ ساتھ جدید ٹیکنالوجی پر بھی عبور رکھتے ہوں۔

اس سلسلے میں مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ

"سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی تعلیمی پالیسی کی باگیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیں جو اسلامی فکر رکھتے ہوں اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے مدرسوں اور کالجوں کے لیے معلمین اور معلمات کے انتخاب میں ان کی سیرت و اخلاق اور دینی حالت کو ان کی تعلیمی قابلیت کے برابر بلکہ اس سے زیادہ اہمیت دیں اور

آئندہ کے لیے معلمین کی ٹریننگ میں بھی اس مقصد کے مطابق اصلاحات کریں۔‘‘

جو شخص تعلیم کے معاملے میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہے وہ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہوسکتا کہ نظام تعلیم میں نصاب اور اس کی کتابوں سے بڑھ کر استاد اور اس کا کریکٹر یا کردار کی اہمیت رکھتا ہے۔

فاسد العقیدہ اور فاسد الاخلاق استاد اپنے شاگردوں کو ہرگز ذہنی اور اخلاقی تربیت نہیں دے سکتے جو ہمیں اپنے نئے نظام میں مطلوب ہے۔ دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی میں دینی اور اخلاقی تقاضوں کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

علمی اور ادبی تقاضے

ہماری قومی زبان اردو ہے ملکی ترقی کے لیے اپنے علم وادب کو ترقی دینا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ مثال موجود ہے کہ چین، جاپان وغیرہ نے اپنی زبان وادب میں ترقی کی ہے۔ اس لیے ہمیں بھی اپنے زبان وادب کو اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرکی اس کی ترقی و ترویج کرنی چاہیے۔ ایسا علم وادب شامل نصاب کیا جائی جس سے پاکستانیت کو فروغ حاصل ہو۔ جس میں اسلامی اصولوں کو آمیزش ہو۔ جس سے ملکی ترقی ہو اور ہمارا نوجوان نسل کا کردار روشن ستارے کی طرح جگمگائے۔

مختصر یہ کہ علم وادب میں اسلامی نظام تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ ایسا ادب شامل کرلیا جائے جس سے اخلاق و کردار کی بہتر تربیت ہو۔ انسانی سیرت و کردار کا شعور عام ہو ایسا ادب شامل کیا جائے جس سے ہم نصاب تعلیم کی بہتری کیا مید رکھ سکتے ہوں بلکہ روشن مستقبل کی امید۔

ایسا علم وادب ہو جس سے اکیسویں صدی کے تقاضے باطریق احسن پورے ہوں اور ملکی ترقی ممکن ہو۔

تہذیبی یا ثقافتی تقاضے

موجودہ نظام تعلیم نے بچوں کی کردار سازی کے نہایت اور بنیادی کام کو مکمل طور پر

پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس نے ہماری درسگاہوں کو بگاڑ کا سرچشمہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ سادگی جس پر اسلام نے بہت زور دیا ہے، طالب علم اس کے برعکس فیشن کے دلدادہ ہیں۔ مادر پدر آزادی کی تڑپ اور بے راہ روی کی امنگ ان کے دلوں میں کروٹیں لیتی رہتی ہیں۔ اخلاقی بے راہ روی کے واقعات جو اکثر اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔ وہ ہماری تہذیب اور ثقافت کی ناکامی اور بگاڑ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس وقت ہماری تہذیب میں وہ تمام بگاڑ آ چکے ہیں جو مغربی تہذیب میں موجود ہیں۔ نسل پرستی، لادینیت، فحاشی، مادہ پرستی و ذہنی انتشار اور ہیجانی کیفیت سے ہماری تہذیب وثقافت دوچار ہو چکی ہے۔ مغربی تہذیب کے مضر اثرات نے اسلامی معاشرہ کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اہل مغرب ایک ایسا مغرب زدہ طبقہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو ان کا ہم آواز بن کر اپنے دینی بھائیوں کو مغربی تہذیب کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری ثقافت خطرے میں ہے اور لوگ مغربی ثقافت کی اندھی تقلید کر رہے ہیں۔

مغربی تہذیب اور دوہرے نظام تعلیم کا خاتمہ

مغربی تہذیب نے دوہرے نظام تعلیم کو جنم دیا ہے۔ جس سے معاشرہ میں دو طبقے پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک طبقہ وہ جو مالی وسائل کی وجہ سے اعلیٰ درسگاہوں میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اور ملک کی کلیدی آسامیوں پر براجمان ہو جاتا ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو عام درسگاہوں سے تعلیم حاصل کر کے معمولی سرکاری نوکریاں حاصل کرتا ہے۔

''یہ حقیقت ہے کہ موجودہ نظام تعلیم میں تعلیم ایک بالاتر اور خوش قسمت طبقے کا حصہ اور استحقاق بن کر رہ گئی ہے۔ لوگ دولت، اختیار اور شہرت کے سایے میں آنکھیں کھولتے ہیں۔ صرف وہی اس سے بہتر انداز میں فیض یاب ہو سکتے ہیں اور نادار طبقے کی صلاحیتیں تاریک گلی کوچوں اور فرسودہ قومی تعلیمی اداروں میں دم توڑ دیتی ہیں جبکہ اعلیٰ طبقاتی تعلیمی اداروں کو شاندار تحفظات، سہولیات اور روشن مستقبل کی تمام تعبیریں میسر ہوتی ہیں۔''

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

"مستقبل کا تقاضا یہ ہے کہ مغربی ثقافت کی یلغار کا مقابلہ کر کے اس کے طلسم کا بت پاش پاش کر کے اپنی عظمت کا سکہ جمایا جائے۔"

ہمیں فن و مہارت میں وہ کمالات دکھانے ہیں جس کے سامنے مغربی ثقافت ہیچ نظر آئے۔ ہمیں عالمی قیادت کے منصب سے ان کو اتار کر اسلام کو یہ مقام دلانا ہے۔

وقت کا تقاضا یہی ہے کہ تاریخ کی پکار پر لبیک کہیں اور اس ملک میں اسلامی نظام قائم کریں جس میں اسلامی ثقافت کی جھلک نظر آئے۔

تعلیمی تقاضے

تعلیم و بنیادی ڈھانچہ ہے جس کے ذریعے ایک قوم کی ترقی کا دارومدار ہوتا ہے۔ تعلیم صرف درسی کتابوں کو رٹنا، امتحان دینا اور پھر ڈویژن یا گریڈ حاصل کر کے ڈگریاں حاصل کر لینا نہیں بلکہ تعلیم کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے ایک ترقی پذیر ملک ہونے کی وجہ سے پاکستان کو جہاں اور مسائل درپیش ہیں وہاں تعلیمی پسماندگی کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں ناخواندگی کا تناسب ایشیائی ممالک میں سب سے زیادہ ہے ہمارے ہاں ناخواندگی کا تناسب 62 فیصد ہے۔

ہمارے ہاں تعلیم یافتہ لوگوں کی شدید قلت ہے جس کی ایک وجہ تو تعلیمی اداروں کا نہ ہونا، دوسرا تعلیمی شعور کی کمی ہے۔ جہاں ادارے موجود ہیں وہاں بھی تعلیمی معیار تسلی بخش نہ ہے بلکہ وہاں تعلیم برائے نام دی جاتی ہے۔ اس وقت اکیسویں صدی کا تقاضا ہے کہ شرح خواندگی کو ایشیائی ممالک کے برابر لایا جائے۔

شرح خواندگی میں اضافے کی ضرورت

شرح خواندگی کے لحاظ سے پاکستان کا شمار اس وقت ممالک میں 138 نمبر پر کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں ناخواندگی کا مسئلہ ایک زبردست قومی اہمیت کا مسئلہ ہے۔ اسوقت

سکولوں کی تعداد کے لحاظ سے صرف 30 فیصد بچے پرائمری سکولوں کی حد تک سکول میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ باقی بچے داخلے کی سہولت سے ہی محروم ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم موجودہ شرح خواندگی کو برقرار تو رکھ سکتے ہیں لیکن اس میں اضافہ نہیں کر سکتے۔

مستقبل کے تقاضوں کیلئے یکساں نصاب تعلیم

اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی مستقبل کی ضرورتوں کو سامنے رکھیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی ترجیح نصاب کو دی جائے اور ان علوم کو شامل نصاب کیا جائے جو ہمارے قومی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور جس کے ذریعہ ہم جدید تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ اقوام کے شانہ بشانہ چل سکیں۔

تعلیم کے معاشرتی تقاضے

تعلیم دراصل کردار کی تبدیلی کا نام ہے۔ لیکن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری تعلیم نوجوان نسل میں جو تبدیلیاں پیدا کر رہی ہیں یا جس منزل کی طرف انہیں لے جا رہی ہے وہ منزل ہماری منزل نہیں ہے۔ وہ تبدیلیاں ہمارا مطلوب و مقصود نہیں۔ ہماری تعلیم سے طالب علم ان منفی آلائشوں سے جو کسی معاشرے ناہمواری اور بگاڑ کا موجب بنتی ہیں، اپنا دامن زیادہ آلودہ کر رہے ہیں۔

یہ پہلو انتہائی تشویشناک ہے کہ جو تعلیم ہمارے ہاں دی جا رہے ہے وہ معاشرتی بگاڑ اور انتشار کے علاوہ زندگی کے کسی شعبہ کو سنوارنے کے کام نہیں آ رہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ نظام تعلیم ہمارے ہاں جعلسازی، بددیانتی، کرپشن اور فراڈ کے نئے نئے طریقے ہی متعارف کروا رہا ہے۔

ویسے تو اس وقت پوری دنیا میں تعلیم کا وقت کے تقاضوں کے تحت ہم آہنگ ہونا تعلیم کی ایک بنیادی صفت سمجھا جا رہا ہے مگر ہمارے ہاں وقت کے تقاضوں کے ساتھ ملی اور نظریاتی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہونا انتہائی ضروری ہے۔

اس سلسلے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

ہم اپنے معاشرے کو اسلامی اور مثالی معاشرہ بنا سکتے ہیں۔ اس میں معلم کا کردار بہت اہم ہے۔

تباہ شدہ معاشرتی نظام کی اصلاح

اس وقت ہمارا معاشرہ اور نئی نسل نہایت پر آشوب دور سے گزر رہی ہے۔ معاشرہ تباہی کے دھانے پر کھڑا ہے۔ ناجائز تعلقات کے واقعات سے اخبارات بھری پڑی ہیں۔ خواتین کی عزتیں محفوظ نہیں ہیں۔ معصوم بچوں میں علم کے حصول کا شوق ختم ہو چکا ہے۔ معاشرہ تخریب کار، فحش، بیہودہ، بداخلاق اور لادین ہو چکا ہے۔ ہماری نسل کی تباہی کی ذمہ داری کس پر ہے ساری نہیں تو بہت ساری ذمہ داری نظام تعلیم پر بھی ڈالی جا سکتی ہے۔ جس کے بے ربط اور بے ہنگم ہونے کی وجہ سے معاشرے میں مثبت تبدیلی نہیں آ رہی ہے۔

اکیسویں صدی کے تعلیمی معاشی تقاضے

سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا بھر کے بدلتے ہوئے معاشی اور اقتصادی حالات کے تناظر میں ہمیں نئے نظام تعلیم کی اشد ضرورت ہے۔ ایسا نظام تعلیم جو ہمیں طبقات میں بانٹنے کی بجائے ہماری معاشرتی اور معاشی زندگی میں انقلاب برپا کر دے۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ دنیا کی معاشی ترقی عروج پر ہے۔ ہمارا ملک معاشی لحاظ سے پسماندہ ہے۔ پاکستان ترقی پذیر ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ پاکستان کو ترقی یافتہ بننے کے لیے زراعت، صنعت کو جدید اصولوں کے مطابق ترقی دینے کے لیے جدید تعلیم کی ضرورت ہے۔ ایسی تعلیم جو معاشی حالت سنوار سکے۔ ہمیں معاشی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک کے ہم پلہ بنائے۔ ہماری ترقی کی رفتار کا دھیما پن اور ہمارے اندر پیدا شدہ برائیوں کی واحد وجہ ہمارا کمزور تعلیمی نظام ہے۔ ہم ترقی کا تصور نہیں کر سکتے تاوقتیکہ اس نظام میں انقلابی طرز پر تبدیلیاں نہ لائی جائیں۔

پاکستان کی معاشی طاقت چند استحصالی خاندانوں کے ہاتھ میں ہے۔انہوں نے سیاست، معیشت، انتظامیہ اور سروسز کے میدان میں اپنی بالادستی قائم کی ہوئی ہے۔ زرعی اصلاحات کو ناکام کر دیا گیا جس کے نتیجے میں صرف 6 ہزار بڑے زمیندار ملک کی 50 فیصد سے زیادہ زرعی زمین پر قابض ہیں۔اسی طرح ملک کی معاشی حالت پست ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم کے ذریعے لوگوں میں معاشی شعور اجاگر کیا جائے۔

تعلیم میں سیاسی مداخلت نے تعلیمی نظام کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ملک کے بیوروکریٹ، ماہرین تعلیم، اساتذہ اور عمارات سکول کو اپنی من مرضی کے مطابق استعمال کر کے اپنے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ تعلیمی نظام میں سیاسی مداخلت کی وجہ سے تعلیمی انتظامیہ، اساتذہ اور دیگر عملہ دباؤ کا شکار رہتے ہیں۔ان کے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ تدریسی کاموں میں دھیان دیں اور معمول کے کاموں کو بخوشی نپٹا سکیں۔

اکیسویں صدی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی نظام کو تعلیمی نظام سے قطعاً الگ رکھا جائے۔سکول میں ہر طالب علم قابل احترام ہے۔کسی کو وڈیرے کا بچہ سمجھ کر احترام نہ کیا جائے بلکہ اسے بطور طالب علم لیا جائے۔مساوات قائم کی جائے۔ تعلیمی انتظامیہ اور اساتذہ کو سیاسی پریشر سے آزاد کیا جائے تاکہ وہ دلجمعی اور سکون سے درس و تدریس کا کام جاری رکھ سکیں اور ملکی ترقی ممکن ہو۔

تعلیمی مسائل کا حل

اصل میں ہماری بنیادی ضرورت یہ ہے کہ پاکستان کی تخلیق کے محرکات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا متوازن، معتدل اور موثر نظام تعلیم اپنایا جائے جو بیک وقت نظریاتی اور مادی تقاضوں کو پورا کر سکے۔اس کی ضرورت یوں بھی محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں مروجہ متوازی دھاروں میں سے کوئی دھارا بھی ایسے عظیم افراد پیدا نہیں کر سکا جو اپنے اپنے میدان میں معتبر ٹھہرتے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں نے کوئی ذہین وفطین اور باصلاحیت فرد پیدا نہیں کیا یا قدیم مدرسوں سے کسی صاحب فکر و نظر نے جنم نہیں لیا، اصل بات صرف اس قدر ہے کہ استثنائی صورتوں کو چھوڑ کے ان

تعلیمی اداروں نے بالعموم اوسط صلاحیت کے حامل افراد پیدا کئے جنہوں نے کسی شعبہ حیات میں بھی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یوں ہمارا معاشرہ اجتماعی زوال کا شکار ہوتا چلا گیا نہ کوئی معیار علم ودانش تشکیل پاسکا اور نہ کوئی معیار اخلاق وکردار۔ تقریباً نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود آج اگر ہمارا معاشرہ مادی ترقی اور اسلامی معیار کردار کے اعتبار سے ایک انتہائی روح فرسا منظر پیش کرتا ہے تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے نظام تعلیم نے اپنا کردار ادا نہیں کیا اور اس طرح عملاً تمام معاشرتی ادارے بالعموم انحطاط کا شکار ہیں...... جب ہم معیار اخلاق وکردار کی پستی کا یہ عالم دیکھتے ہیں تو ہمارا یقین اور بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ مطلوبہ نتائج (چاہے وہ مادی ہی کیوں نہ ہوں) حاصل کرنے کے لئے ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جن کے دلوں میں ضمیر کے چراغ روشن ہوں، جن کی فکر میں کجی نہ ہو اور جو علمی واخلاقی قوت سے آراستہ ہوں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں پہنچ کر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہمیں ''مکتب کی کرامت'' کے ساتھ ساتھ ''فیضان نظر'' کی بھی ضرورت ہے اور یہ فیضان نظر پیدا کرنے کے لئے ہمیں اپنے نظام تعلیم کو ان خطوط پر استوار کرنا ہوگا جو ہمارے قومی وملی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔

حقیقت میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نظام تعلیم کا محوری نصب العین دستور پاکستان میں شامل قرارداد مقاصد میں طے کیا جا چکا ہے، جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات وتصنیفات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔ اس دفعہ (Clause) کی موجودگی میں پاکستان میں قائم ہونے والی ہر حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ملک میں ایسا نظام قائم کرے جس سے یہ نصب العین حاصل ہو۔ لہٰذا اس مقصد کی تکمیل کے لئے تعلیمی نصابات' درسی کتب' تربیت اساتذہ' تعلیمی انتظامیہ' طریق امتحانات' غرض پورے تعلیمی عمل کو اس انداز پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے کہ ابتدائی سے انتہائی مدارج تک' ہر علم وفن کی تعلیم میں اسلامی نظریہ حیات پیوست ہو جائے اور طلبہ کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل کر نکلیں اور وہ بیک وقت خداترس اور فرض شناس بھی بنیں اور اپنے اپنے علم وفن میں بھی ماہر ہوں۔ اس ضمن میں مختلف ادوار میں کچھ نہ کچھ جزوی

تبدیلیاں لائی گئیں لیکن بحیثیت کل یہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔اور اگر کبھی کوئی جامع لائحہ عمل مرتب بھی کیا گیا تو سیکولر محاذ کی طرف سے جلی اور خفی مزاحمت اور کسی حد تک خود دین پسند طبقے کی مناسب حکمت عملی کے فقدان کی وجہ سے اسلامی نظام تعلیم کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔قرارداد مقاصد کے تناظر میں پاکستان کی پارلیمنٹ، شریعت بل 1991ء کو متفقہ طور پر منظور کر چکی ہے اور جسے صدر مملکت کے دستخطوں کے بعد قانونی شکل بھی حاصل ہوگئی ہے۔تعلیمی حوالے سے اس قانون کے تحت مملکت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ایسے موثر اقدام کرے جن کے ذریعے ابلاغ عامہ سے اسلامی اقدار کو فروغ ملے۔ نیز مملکت، اسلامی معاشرہ کی حیثیت سے جامع اور متوازن ترقی کے لئے موثر اقدامات کرے تا کہ اس امر کو یقینی بنایا جاسکے کہ پاکستان کا نظام تعلیم و تدریس، اسلامی اقدار پر استوار ہو۔اس قانون کے تحت حکومت کی یہ ذمہ داری متعین کی گئی کہ وہ تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے درج ذیل مقاصد کی تحصیل کے لئے ایک کمیشن مقرر کرے جو ماہرین تعلیم، ماہرین ابلاغ عامہ، علماء اور منتخب نمائندگان پارلیمنٹ پر مشتمل ہو۔

(الف) تعلیم کی اسلامی تشکیل اور اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ عامہ کا جائزہ اور اس بارے میں سفارشات مرتب کرنا۔

(ب) تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے عمل کی نگرانی کرنا اور عدم تعمیل کے معاملات وفاقی حکومت کے علم میں لانا۔

(ج) کمیشن کی سفارشات پر مشتمل ایک جامع رپورٹ اس کے تقرر کی تاریخ سے ایک سال کی مدت کے اندر وفاقی حکومت کو پیش کرنا۔

(د) اس کے بعد حسب ضرورت وقتاً فوقتاً رپورٹیں تیار کرنا۔

پارلیمنٹ سے منظور شدہ شریعت بل کی ان شقوں سے جو بالخصوص تعلیم سے متعلق ہیں اور ان شقوں سے جو بالعموم دیگر انفرادی اور اجتماعی امور زندگی سے متعلق ہیں، رہنمائی لیتے ہوئے قومی اور ملی تقاضوں کے تناظر میں درج ذیل چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

1- اسلامی حکمت تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق یا تقویت کا نظریہ صحیح نہیں بلکہ اس کے برعکس وحدت فکر و عمل اور وحدت دین کے عالمگیر آفاقی نظریہ کی روشنی میں دینی اور دنیوی

مدرسوں کے نصاب اور درسی کتب کو قرآن و حدیث کے آئینے میں اس طرح وضع کیا جائے کہ خالق کائنات اور اس کے نبی آخر الزماں ﷺ کی سیرت طیبہ کو نمایاں حیثیت دی جائے۔ نیز اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب سے متعلق دشمنان اسلام کے مبینہ الزامات کو دلیل سے مسترد کیا جائے اور نوجوان نسل کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کو جاگزین کیا جائے۔

2- اسلامی نظام تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے عقیدوں' اپنے اصول و مقاصد' اپنے بزرگوں' اپنی تاریخ' اپنی تہذیب' اپنے قانون' دنیا پر پڑنے والے اپنے اثرات اور اب ان اثرات کے دھندلا جانے اور باہر سے مسلمانوں پر پڑنے والے اثرات کا علم رکھتے ہوں۔ یہی وہ علم ہے جسے طلبہ تک منتقل کرنے کے لئے ہمیں نصاب کی اسلامی تدوین کرنا ہوگی۔

3- فزیکل' نیچرل اور اطلاقی سائنسز کی تشکیل نو' اسلامی عقیدہ سے ہو اور طلبہ کے دینی افکار میں وسعت پیدا ہو۔ نیز وہ خالق ارض و سما کی عظمت کا اندازہ کر سکیں۔ موجودہ سائنسی نصاب اور درسی کتابوں کو ان نظریات سے جو اسلامی عقیدہ سے براہ راست متصادم ہوں' یکسر پاک و صاف ہونا چاہئے۔ نیز اس میدان میں یہ تحقیق بھی کی جائے کہ مسلمانوں کے دور عروج میں سائنس کی ترقی اور بعد میں اس کے زوال کے اسباب کیا ہیں؟

4- ملی یکجہتی کے لئے ہر سطح کے تعلیمی اداروں میں اسلامی تہذیبی معیارات کی روشنی میں غیر طبقاتی تعلیم' یکساں مقاصد' یکساں نصاب تعلیم' یکساں ذریعہ تعلیم یعنی قومی زبان' یکساں طریق تربیت' یکساں طریق امتحان' یکساں تعلیمی معیار اور یکساں سہولیات کا انتظام کیا جائے۔

5- اسلام میں تحصیل علم' مردوں اور عورتوں دونوں پر فرض ہے لیکن اس ضمن میں مسلمانوں کی تاریخ میں مخلوط تعلیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اسلامی نظام کی تشکیل میں یہ ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل تجاویز بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

(الف) مخلوط تعلیم کا فی الفور خاتمہ کیا جائے بالخصوص سات آٹھ سال کی عمر کے بعد طلباء طالبات کے لئے الگ الگ انتظامات کئے جائیں۔

(ب) پاکستان کے ہر صوبہ میں کم از کم ایک ''خواتین یونیورسٹی'' اسلامی تہذیب وثقافت کی واضح علامت کے طور قائم کی جائے۔خواتین سے متعلق تعلیمی اور انتظامی اداروں کا انتظام خود خواتین کریں۔اس طرح اسلامی اقدار کو بھی فروغ حاصل ہوگا اور خواتین کے روزگار اور ترقی کے مواقع میں بھی اضافہ ہوگا۔

(ج) تعلیمی اداروں میں ایسی حکمت عملی وضع کی جائے کہ بالغ طالبات حصول علم کے لئے پردہ ترک کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

6- اسلام کے سارے ماخذ چونکہ عربی زبان میں ہیں' اس لئے تفہیم دین کے لئے ضروری ہے کہ عربی زبان کو کم از کم دسویں جماعت تک بطور لازمی مضمون پڑھایا جائے تا کہ قرآن وحدیث کی تعلیم جو مسلمانوں کے اعتقادات' اخلاقیات اور تدبر وتفکر کی تشکیل میں بنیادی قدم ہے' حاصل کی جا سکے۔

7- تعلیم وانتظام کی ہر سطح پر قومی زبان اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ نیز بورڈوں' یونیورسٹیوں اور مقابلے کے تمام تحریری اور زبانی امتحانات قومی زبان میں ہوں۔اس کے ساتھ ہی علاقائی زبانوں کی ترقی کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

8- ملک کے تمام افراد کو بلا تمیز رنگ ونسل اور زبان ومذہب پرائمری تک لازمی اور مفت تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

9- حصول علم میں غربت کو کسی صورت رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔غربت گھرانوں کے ذہین وفطین بچوں کے لئے سرکاری خرچ پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے تخصیصی شعبوں میں اندرون وبیرون ملک تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

10- تعلیمی سہولتیں صرف شہری آبادی تک محدود نہ ہوں بلکہ دور دراز دیہی علاقوں اور خانہ بدوش قبائل تک کے لئے بھی مختص کی جائیں۔ ان لوگوں کی تعلیم کے لئے سفری سکولوں (Mobile Schools) کا انتظام کیا جائے۔ نیز علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

11- ملک کی ہر بستی میں لازماً کم از کم ایک پرائمری سکول ہو اور تدریجاً پورے ملک میں ہائی سکولوں کو اس طرح پھیلا دیا جائے کہ خرچ اور فاصلے کے لحاظ سے میٹرک تک تعلیم سہل

الحصول ہو جائے۔ نیز یہ کوشش کی جائے کہ قریب قریب ہر گاؤں میں مکتب یا قرآنی مدرسے قائم ہو جائیں تاکہ سوفی صد شرح خواندگی کا ہدف بھی جلد از جلد پورا ہو سکے۔

12- ثانوی تعلیم تک جدید علوم کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان بچے کو اسلامی عقائد اور اسلامی زندگی کے ضروری احکام سے واقف کرایا جائے۔ اس مقصد کے لئے ہر مسلمان طالب علم کو قرآن پڑھنے اور بہت حد تک قرآن کو سمجھنے کے قابل بھی بنا دیا جائے۔

13- سکول اور کالج کی سطح پر فنی تعلیم و تربیت کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا جائے اور ہر تحصیل میں مردانہ اور زنانہ فنی و حرفتی ادارے قائم کئے جائیں۔

14- ملک سے ناخواندگی کو جلد سے جلد دور کرنے کے لئے ممکنہ تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس مقصد کے لئے شام کے وقت تمام سکولوں میں خواندگی کے مراکز قائم کئے جائیں اور تمام کارخانوں اور دفاتر میں ناخواندہ افراد کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ نیز تعلیم عامہ اور تاحیات تعلیم کے لئے جدید ترین تعلیمی ٹیکنالوجی سے کام لیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ذہنی یا جسمانی طور پر کمزور خصوصی بچوں کیلئے سپیشل ایجوکیشن کے مزید ادارے کھولے جائیں۔

15- سائنس اور ٹیکنالوجی میں تعلیم و تحقیق کے اعلیٰ ادارے قائم کئے جائیں۔ ملک میں اعلیٰ سطح و تحقیق پر خصوصی توجہ دی جائے۔ اس ضمن میں اعلیٰ سطح کے تربیت اساتذہ کے اداروں میں سائنس ایجوکیشن کے مراکز بھی قائم کئے جائیں۔

16- نظام تعلیم و تربیت میں ہر سطح پر مسجد کے قیام کو مرکزی حیثیت دی جائے۔ تمام ثانوی مدارس، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مساجد تعمیر کی جائیں، تاکہ علم کا رشتہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے استوار کیا جائے۔

17- پیشہ وارانہ تعلیم سے متعلق طلب و رسد (Supply and Demand) میں توازن لایا جائے۔ جو لوگ باقاعدہ فنی اور پیشہ وارنہ تعلیم کے حامل ہوں ان کو ملازمت نہ ملنے تک ''بے روزی گاری الاؤنس'' دیا جائے۔

18- قومی یک جہتی کے لئے ایسی تعلیمی پالیسی بنائی جائے کہ پاکستان کے کسی بھی علاقے کا طالب علم، پاکستان کے کسی بھی علاقے میں تعلیمی ادارے میں میرٹ کی بنیاد پر داخلہ لے سکے اور تمام مراعات سے مستفید ہو سکے۔

19- ذرائع ابلاغ کو وزارت تعلیم سے وابستہ کر کے فروغ تعلیم کے لئے استعمال کیا جائے۔اس طرح پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو اپنے تمام پروگرام' مقاصد تعلیم کے تناظر میں مرتب کرنا چاہیں' تاکہ علمی واخلاقی لحاظ سے قوم کی بہتر تربیت ہوسکے۔

20- اسلام نے ذمیوں کو جتنے حقوق دیئے ہیں اس کی کہیں اور نظیر نہیں ملتی۔اس استحقاق کے پرش نظر اقلیتوں کو اپنی کمیونٹی کی تعلیم کے لئے ہر ممکن آزادی اور انہیں تمام ضروری تعلیمی سہولتیں میسر کی جائیں۔

21- سرکاری سطح پر یہ بات طے ہونی چاہئے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسلمان شہری اس امر سے اجتناب کریں کہ وہ اپنے بچوں کو غیر اسلامی نظریات کے تحت چلنے والے سکولوں میں داخلہ دلائیں جو اس ملک میں چل رہے ہیں۔خواہ یہ ادارے کتنی بڑی ترغیب ہی کیوں نہ دیں۔کیونکہ طلبہ پر ان اداروں کے مجموعی تعلیمی پروگرام کے بالعموم جو خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں ان سے ان کے دین وایمان کو بڑا سخت نقصان پہنچتا ہے۔

22- پاکستان میں کسی سرکاری یا نجی تعلیمی ادارے کو یہ اختیار نہ دیا جائے کہ وہ کسی ایسے غیر ملکی سرکاری یا نجی تعلیمی ادارے سے الحاق (Affiliation) کرے اور اس کے نصاب کے حوالے سے طلبہ کو تیار کرے جس کا تعلیمی پروگرام اسلامی تاریخی روایات اور تہذیبی معیارات کے منافی ہوں۔خصوصیت سے عمرانی علوم (Social Sciences) کے ضمن میں اس طرح کے تعلیمی ادارے سے الحاق ہمارے مطلوب تہذیبی تشخص کے سراسر خلاف ہے۔

23- تعلیم وتحقیق کے ادارے دیگر تعلیمی مسائل کے علاوہ امتحانات کی اصلاح کے ضمن میں بھی منظّم تحقیق کریں۔اس ضمن میں جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے حوالے سے بھی جائزہ لیا جائے کہ یہ کس حد تک تعلیمی تحقیق بالخصوص امتحانات کے نظام میں مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

نظام تعلیم میں طلبہ کو معلومات دینے کے ساتھ ساتھ ان کے تشکیل سیرت کا سامان بھی پیش نظر رکھا جائے۔ اس رخ پر طلبہ کی کارکردگی کا جائزہ زبانی' تحریری' موضوعی' معروضی' اور عملی نوعیت کی تفویضات (Assignments) اور طلبہ کے جامع احوال (Cumulative Record) کی بنیاد پر کیا جائے۔اس حوالے سے نظام امتحانات میں بھی انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے تاکہ طلبہ کی معلومات کی جانچ پرکھ کے ساتھ ساتھ ان

کی سیرت و کردار کو بھی پرکھا جائے۔

24- سارے تعلیمی عمل کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ معاشرہ میں اساتذہ کا مقام و مرتبہ بلند کیا جائے۔اس مقصد کے حصول کیلئے فوری طور پر درج ذیل اقدامات کیئے جائیں۔

(الف) فن تعلیم و تربیت میں بہتر اور جدید تعلیمی ٹیکنالوجی اور سہولتوں کے لئے ملکی سطح پر ایک خودمختار ''ٹیچر ایجوکیشن یونیورسٹی'' قائم کی جائے جو نظریہ پاکستان کی روشنی میں تعلیم و تحقیق کے پروگراموں کے لحاظ سے مثالی ہو اور جہاں حقیقی معنوں میں نظریاتی، علمی اور فنی نقطہ نظر سے ماہر معلم تیار ہوں۔

(ب) قومی سطح پر ایک ''انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن اینڈ ریسرچ'' قائم کیا جائے جو نظریاتی تناظر میں تحقیقی کام بھی کرے اور تربیت اساتذہ کے مختلف پروگراموں سے متعلق نصابیات کی تشکیل کا کام بھی۔ نیز یہ مجوزہ ادارہ اساتذہ کی قبل از ملازمت اور دوران ملازمت تربیت کا بھی بندوبست کرے۔

(ج) تعلیمی اداروں کی سطح اور پوسٹ کا لحاظ کیئے بغیر اساتذہ کو ان کی علمی اور پیشہ ورانہ قابلیت کے مطابق تنخواہیں دی جائیں اور بہتر شرائط کار کا انتظام کیا جائے۔

(د) اساتذہ کے الاؤنسز کے حوالے سے دیہات، قصبہ یا شہر کی تفریق ختم کی جائے بلکہ شہر سے دور دراز علاقوں کے تعلیمی اداروں میں تعینات عملہ کو شہری علاقہ سے زیادہ الاؤنسز دیئے جائیں۔خاص طور پر خواتین اساتذہ کیلئے بہتر سفری اور رہائشی سہولتیں ہونی چاہئیں۔

مستقبل کی تعلیمی ضروریات

تعلیم ایک ایسا مسلسل عمل ہے جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے تقاضوں کو وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ پورا کرتا رہے۔ یہ ایک ایسا بنیادی عمل ہے جس کے ذریعے قوموں کی تہذیبی، ثقافتی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی ترقی کو ممکن بنایا جاتا ہے۔ یہ انسانیت کو امن کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔مختصراً یہ کہ تعلیم انسان اور معاشرے کے ہر پہلو کی نشو و نما کرتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم ایسی ہو جو اس جدید اور سائنسی دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پورا کر سکے۔

اکیسویں صدی کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت اکنامک سروے کی طرح ہر سال تعلیمی سروے شائع کرے جس میں مستند تعلیمی اعداد و شمار کے ذریعے ترقی کا سالانہ جائزہ پیش کیا گیا۔ پرائمری تعلیم کو بنیادی مرکز مان کر اس کے بجٹ میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے اور آبادی کے تناسب سے ہر سال نئے سکولز کھولے جائیں اور اپنی کل پیداوار کا کم از کم چار فیصد تعلیم پر خرچ کیا جائے۔ اپنے وسائل بڑھانے کی کوشش جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی آبادی کو بھی اپنے وسائل کے مطابق رکھیں۔

بحیثیت قوم ہم سب کا یہ ارمان ہے کہ نئی صدی میں ہم ایک ترقی یافتہ قوم بن کر ابھریں کیا ہم نے اس کے بنیادی تقاضے پورے کیے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دور اعلیٰ ٹیکنالوجی کا دور ہے اور کوئی قوم جدید سائنسی علوم میں مہارت کے بغیر ترقی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ ترقی یافتہ قوموں میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے جدید علوم اور سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پر دسترس بنیادی ضرورت ہے۔ صرف مادی وسائل کا میسر ہونا ہی ترقی یافتہ ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لیے اعلیٰ ٹیکنالوجی بہت ضروری ہے۔

کوئی بھی ملک اپنی آئندہ نسلوں کی تربیت کس ڈگر پر کرتا ہے اور انہیں کس طرح کی تعلیمی فضا فراہم کرتا ہے۔ اس بات کا اندازہ اس کے نظام تعلیم سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ بحیثیت آزاد قوم ہمارا وجود نظریاتی اساس پر استوار ہے۔ ہماری اخلاقی تہذیب کے کچھ تقاضے ہیں۔ کچھ جدید دور کے تقاضے ہیں اور کچھ جغرافیائی تقاضے ہیں۔ ان تمام ضرورتوں کے پس منظر میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم نے اپنی نئی نسل کی تربیت کس انداز سے کرنی ہے؟

ہمارے تمام دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ ملک و قوم کی ترقی کے لیے جہاں خواندگی کی بے انتہا ضرورت ہے وہاں پر بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ہمارا نظام تعلیم انحطاط پذیر ہے۔ یہ وہی نظام تعلیم ہے جو ہمیں آزادی سے پہلے ملا اور جسے ایک طویل عرصے سے جاری رکھتے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس نظام کے خالق اسے بہت عرصہ پہلے مسترد کر چکے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم آزادی کی نعمت سے مالا مال ہونے کے باوجود بھی ملک میں کوئی ایسا نظام تعلیم رائج نہیں کر سکے جو ایک طرف تو ہماری سماجی قدروں سے مطابقت رکھتا ہو، دوسری طرف جدید تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو۔ ملک میں شرح خواندگی افسوسناک

حد تک کم ہونے کی وجہ سے ہم ترقی کے ہر شعبہ میں دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

اکیسویں صدی میں ہمیں نہ صرف اپنے مروجہ نظام تعلیم پر توجہ دینا ہوگی بلکہ اسے قومی ضرورتوں کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ جہاں تک حکومتی اقدامات کا تعلق ہے تو حکومت اس سلسلے میں متعدد عملی اقدامات اٹھا رہی ہے۔ انفارمیشن کی افادیت اور جدید دور میں اس کی ضرورت واہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اگر ہم اس میدان میں مہارت حاصل کر لیں تو پاکستان قلیل مدت میں عالمی سطح پر انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت خصوصی توجہ دے رہی ہے۔

حکومتی کاوشوں کے ساتھ ساتھ ہمارے تمام بڑے صنعتی ادارے اپنی اپنی صنعت کی فنی اور تکنیکی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود بھی تحقیق کریں اور ایسے اداروں کی سرپرستی بھی کریں اور ان کی تحقیق کے نتائج کو اپنی صنعتوں میں آزمائیں یقیناً ہم اکیسویں صدی کا سفر کامیابی سے طے کرنے کے اہل ہیں۔

اس کے علاوہ جو قومیں اپنے تعلیمی نظام پر توجہ نہیں دیتیں آخرکار وہ ذلت کے کنویں میں گر جاتی ہیں۔ 58 برس گزر چکے ہیں، ہمیں ابھی تک ہوش نہیں آیا کہ ہماری قومی ترجیحات کیا ہیں؟ کس طرح نظام تعلیم کو ترتیب دیا جائے جو قومی روایات اور ضروریات سے ہم آہنگ ہو۔ ہم اگر کھویا ہوا وقار اور منزل حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اپنے نظام تعلیم کو ترتیب دینا چاہیے۔ اسے درست کرنا چاہیے۔

اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لیے ہمیں اپنی تعلیمی پالیسی کو یکسر بدلنا ہوگا قومی تعلیمی پالیسی میں سب سے اہم ذریعہ اظہار ہے، جو قومیں پردیسی زبان میں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ علم ان کے پاس سے چھو کر بھی نہیں گزرتا۔ ہمارے ہاں اردو زبان کو مضبوط بنیادوں پر پڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔

گذشتہ اٹھاون برسوں کے دوران دانشوروں اور ماہرین تعلیم نے جو تجاویزات پیش کیں ان پر عمل کیوں کر نہیں کیا گیا اور کن لوگوں نے اپنے مفادات کی خاطر ان کو حل نہ کرنے دیا۔ موجودہ سوشل اکنامکس سسٹم میرے خیال میں اس کا ذمہ دار ہے۔ یہ نظام تعلیم

اس ملک کے حکمران طبقے کے لیے ہی مفید ہے اور وہ کیونکر اس میں تبدیلی لائیں گے وہ اس سسٹم کے علمبر دار اور اس سسٹم کی خرابی کے موجد ہیں جب تک ہمارے نظام تعلیم پر جاگیر دار اور وڈیرے قائم ہیں (جن کی قطعی طور پر تعلیم ترجیح نہ تھی)۔ جب تک یہ قابض ہیں تعلیمی مسائل کو تعلیمی سفارشات کے مطابق حل نہیں کیا جا سکتا۔ پوری دنیا اکیسویں صدی میں داخل ہو جائے گی لیکن اگر ہمارے ہاں تضادات یونہی برقرار رہے تعلیم کو اولین ترجیح نہ دی گئی تو یقیناً اکیسویں صدی میں داخل ہوتے وقت ہمارے حالات مختلف نہ ہوں گے۔ ہمیں اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے ان کا ادراک کرنا چاہیے۔

جب بھی کبھی تعلیم کی بات ہوتی ہے تو ہم نظام تعلیم اور تعلیم کو انگریزی زبان کے ساتھ نسبت دیتے ہیں۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو آدمی انگریزی زبان جانتا ہے وہ عالم ہے اور جو انگریزی نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ میں نے انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کی اور اب پڑھا بھی رہا ہوں میں اب مکمل وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو تعلیم ہم اپنی زبان میں حاصل کر سکتے ہیں آپ کبھی دوسری زبان میں حاصل نہیں کر سکتے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جن قوموں نے ترقی کی ہے انہوں نے اپنی زبان کے ذریعے ترقی کی ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں ایک تصور بنا لیا ہے کہ انگریزی نہ صرف زبان بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی قومیت بھی انگریزی ہے۔

علم اور تعلیم کا مقصد خود علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ملک و قوم، معاشرے اور محکمہ تعلیم کی ترقی بھی ہے۔ مگر علم کا اصل مقصد انسان کی ترقی ہونا چاہیے۔ ایک طرف تو ہم ایک روحانی سا لبادہ پہنا دیتے ہیں کہ اگر ہم ایک ہزار سال پیچھے چلے جائیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ دوسری طرف بامقصد تعلیم کی بحث نکالتے ہیں۔ جس کا مقصد ہے کہ تعلیم وہ اچھی چیز ہے جو دوسروں کے کام آئے اور تنخواہ زیادہ ملے، علم کا مقصد انسان کی ترقی ہونا چاہیے۔

ادھر سرکار نے اپنی ساری ذمہ داری نظر انداز کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جو ذمہ داری سرکار چھوڑتی جا رہی ہے عوام اپنے سر اٹھاتے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے محلوں کو گیٹ لگوا کر چوکیدار بھی رکھ لیے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں سکول اور کالج بھی کھول لیے ہیں۔ یہی حکومت کی ذمہ داری چھوڑنے کا نیچرل طریقہ ہے۔ اساتذہ بھی اس میں ایسے ہی ہوں گے

اس سے صنعت آور معیشت میں ترقی تو ہوسکتی ہے لیکن انسان ترقی نہیں کرسکتا۔

اس وقت ملک میں ایسی تعلیمی پالیسی کی ضرورت ہے جس کی بنیاد تزکیہ نفس اور استاد سنت رسول ﷺ کے لیے اس کو اختیار کرے۔ تعلیمی نظام کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ایک مثال کمپیوٹر ایجوکیشن ہے۔ کمپیوٹر دور جدید کی تعلیم کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس کے بغیر ہم زندگی کے ہر شعبے میں بھرپور انقلابی تبدیلیاں نہیں لا سکتے۔ اس تعلیم کے بغیر ہم دور جدید کے نظریات اور نیو ورلڈ آرڈر میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی اصطلاحوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

اہم سوالات

1- معاشرتی ترقی میں تعلیم کے مقاصد اور اہمیت بیان کریں؟
2- تعلیم بالغاں کی اہمیت بیان کریں نیز اس کی راہ میں رکاوٹیں بیان کرنے کے علاوہ اس مقصد کے حصول کے لئے اقدامات تجویز کریں؟
3- قومی ترقی میں تعلیم کے کردار پر روشنی ڈالیں؟
4- تعلیمی اداروں میں راہنمائی اور مشاورت کی اہمیت بیان کریں؟
5- مستقبل کی تعلیمی ضروریات پر روشنی ڈالیں اور موجودہ تعلیمی مسائل کا حل تجویز کریں؟

باب نمبر 7

صحت کی ضروریات اور مسائل

1- معیار صحت کی کمی کی وجوہات اور تدارک
2- صحت کی تعلیم اور اس کی اہمیت
3- صحت اور قومی ترقی

باب نمبر 7

صحت کی ضروریات ومسائل

(Health Needs and Problems)

اس سے پیشتر کہ صحت کی ضروریات، اس کے مسائل اوران کے حل پر روشنی ڈالی جائے ضروری ملوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ صحت ہے کیا؟ صحت سے کیا مراد ہے؟ کیا صحت مند ہونا ضروری ہے اور یہ کہ صحت مند ہونا ذاتی اور انفرادی ضرورت ہی ہے یا مجموعی/ قومی ضرورت بھی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ صحت ہے کیا؟

صحت (Health) انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی (Condition of body) جسمانی حالت یا تندرستی ہے۔

صحت دراصل جسم اور دماغ دونوں کی سالمیت کا نام ہے۔ صحت سے مراد اعضاء کا اپنے حصے کے مخصوص کام احسن طریقے سے اور بغیر کسی رکاوٹ کے سرانجام دینا ہے۔ صحت زندگی کی بنیاد ہے بلکہ صحت وزندگی لازم وملزوم ہیں۔

عالمی ادارہ صحت نے صحت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

1- ''صحت ایک ایسی حالت ہے جس میں فرد جسمانی، ذہنی اور سماجی لحاظ سے مطمئن اور خوش ہو وہ بیماری اور کمزوری سے مبرا ہے۔''

2- ''صحت اس حالت کا نام ہے جس میں جسم کے تمام مختلف اعضاء اپنا کام درست طریقے سے سرانجام دیتے ہیں۔

3- صحت زندگی کی وہ عظیم صفت ہے جو انسان کو زیادہ دیر تک زندہ رہنے اور بہتر خدمت کا موقع دیتی ہے۔

4- صحت مند افراد حقیقت میں تفکرات سے بے نیاز ہوتے ہیں اور ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

5- صحت روزمرہ کی زندگی میں مشکلات کا حوصلہ مندی اور جوانمردی سے مقابلہ کرنے کا نام ہے۔

مفکرین کی آراء

1- وہ علم جو صحت کے اصولوں کو بیان کرے اور ان پر عمل کرنے کے طریقے واضح کرے تعلیم صحت ہے۔

2- علم الصحت ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس کا تعلق صحت کے اصولوں، ان اصولوں پر عمل کرنے کے طریقوں، واقفیتوں، عمل سے ظہور پذیر ہونے والے رویوں میں تبدیلی اور ان تبدیلیوں سے متعلقہ اثرات ونتائج سے متعلقہ ہے۔

3- ڈاکٹر تھامس وڈ کے نظریہ کے مطابق علم الصحت ان تجربات کے مجموعہ کا نام ہے جو شخصی، قومی اور معاشرتی صحت سے متعلقہ عادات اور رویوں پر مثبت اثرات چھوڑتے ہیں۔

4- علم الصحت وہ عمل ہے جو سیکھنے کے تجربات مہیا کرتا ہے اور انفرادی واجتماعی صحت اور رویوں اور کردار کو متاثر کرتا ہے۔

المختصر یہ کہ ہیلتھ ایجوکیشن ان تمام تجربات پر مشتمل ہے جس کے ذریعے ایک شخص کی عادت، علم اور رجحانات کو بہتر بنایا جا سکے تاکہ وہ اپنے خاندان اور اپنی معاشرے کے تمام افراد کی صحت کو بہتر بنا سکے۔

معیار صحت کو بہتر بنانے کے اصول

1- غم وغصہ سے پرہیز کرنا

انسان کو اپنی صحت برقرار رکھنے کے لئے اور معاشرے میں اہم مقام حاصل کرنے کے لئے اپنے غم وغصہ پر قابو پانا چاہیے۔ اگر ایک انسان اپنے دل ودماغ پر غم وغصہ کا زیادہ

اثر کرے گا تو اس کی صحت برقرار نہیں رہ سکے گی۔ مثال کے طور پر ایک انسان گھر کے افراد میں سے کسی کی غلطی یعنی اپنے بچوں کے سلسلہ میں اگر ایک بچے سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اس کو چاہیے کہ بچے پر غصہ کرنے کی بجائے بچہ کو تلقین کرے کہ وہ ایسے کاموں سے پرہیز کرے۔ یہ نہ کرے کہ اس کو غصہ سے مارے پیٹے۔ اس طرح معاشرے میں اگر ایک انسان پر تکلیفوں کے دن آتے رہتے ہیں۔ تو اس کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ اس کا غم دل پر بٹھا نہیں لینا چاہیے بلکہ صبر سے کام لے اور اپنے دل میں سوچے کہ اگر مجھ پر مصیبتوں کے دن ٹوٹے ہیں تو ضرور آسانیوں کے دن بھی آئیں گے۔ اس لئے صحت کی تعلیم انسان کو غم و غصہ پر قابو پانے کے تلقین کرتی ہے تاکہ اس کی صحت برقرار رہ سکے اور ساتھ ساتھ معاشرے میں بھی اہم مقام حاصل کر سکے۔

2- خوش وخرم رہنا

انسان کی اچھی صحت کا ایک بڑا راز یہ بھی ہے کہ انسان کو ہر وقت خوش وخرم رہنا چاہیے۔ اگر ایک انسان ہر وقت خوش وخرم اور دلشاد رہے گا تو اس کا بھی وقار معاشرے میں اچھا ہوگا۔ اگر ہر ایک سے خوش خوش ملے گا تو دوسرے افراد بھی اس کو خوش خوش ملیں گے۔ جب ایک انسان خوش وخرم زندگی بسر کرے گا۔ تو اس کی زندگی بھی لمبی ہوگی اور جلدی بوڑھا بھی نہیں ہوگا۔ ایک انسان کا ہر دم خوش وخرم رہنے سے اس کا خون جوش مارتا رہتا ہے۔ اگر وہ خوش وخرم نہیں رہے گا اور ہر دم منہ بنائے رکھے گا تو اس کا خون سڑتا رہے گا۔ اس لئے انسان کی اچھی صحت کا ضامن خوشی بھی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ اگر اس نے اپنی صحت کی ضامن خوشی بھی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اگر اس نے اپنی صحت اور لمبی عمر گزارنی ہے تو خوشی خوشی گزارے۔ ہر ایک کو دل شاد ہو کر ملے۔ معاشرے میں بھی اچھا مقام ہوگا اور طبیعت بھی اچھی رہے گی۔ بیماریوں سے کوسوں دور رہے گا۔

3- احساس کمتری واحساس برتری

علم الصحت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ انسان احساس کمتری اور احساس برتری میں مبتلا نہ ہو۔ احساس کمتری سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ نہ سوچے کہ میرا مقام اس معاشرے

میں ادنیٰ سا ہے۔ اس لئے میں معاشرے کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ اس لئے وہ ہر وقت سوچوں میں گم رہتا ہے اور اس کی یہ فکر دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اس لئے اس کو یہ احساس کرنا چاہیے کہ میں نے معاشرے میں مقام حاصل کرنا ہے۔ اس لئے مجھے محنت کرنی چاہیے۔

احساس برتری سے مراد یہ ہے کہ انسان کو غرور نہیں کرنا چاہیے۔ ایک انسان جب اپنے دماغ میں یہ سوچ کہ معاشرے میں میرا بڑا مقام ہے۔ میرے پاس دولت ہے، اس لئے مجھ سے کوئی بڑھ نہیں سکتا۔ یا مجھ جیسا امیر اور صحت مند نہیں ہے۔ غرور تو اللہ تعالیٰ کو بھی پسند نہیں ہے، اس لئے اسے چاہیے کہ وہ یہ سوچے کہ تمام انسان برابر ہیں اور اپنے آپ میں غرور مت لائے۔ اس سے بھی صحت پر بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ ساتھ ساتھ معاشرے میں بہتر زندگی گزارنے کا مزہ نہیں آئے گا۔ اس لئے احساس کمتری اور احساس برتری سے الگ ہو کر زندگی بسر کی جائے۔

4- تازہ اور متوازن غذا کا استعمال

تعلیم صحت کا یہ ایک اہم اصول ہے۔ صحت کو برقرار رکھنے کے لئے تازہ اور متوازن غذا استعمال کرنی چاہیے۔ اگر ایک انسان وقت پر کھائے گا، صاف ستھری غذا استعمال کرے گا تو اس کی صحت برقرار رہے گی۔ غذا تازہ اور متوازن ہو تو صحت اچھی ہو گی۔ اگر غذا دو تین دن کی باسی استعمال کی جائے اور پھر پیٹ بھر کر کھائی جائے تو یہ ہماری صحت کے لئے نقصان دہ ہو گی۔ انسان کو چاہیے کہ وہ دن میں تین بار تازہ اور متوازن غذا استعمال کرے۔ اگر ایک انسان دن بھر جانوروں کی طرح چرتا رہے گا تو اس کا پیٹ بھی خراب ہو گا، چربی زیادہ چڑھ جائے گی اور صحت بھی خراب ہو گی۔ تازہ اور متوازن غذا یہ بھی ہے کہ زیادہ سبزی والی چیزیں کھائی جائیں۔ اگر چکنائیوں والی غذائیں انسان استعمال کرے گا تو وہ موٹا ہو جائے گا اور پھر صحت میں گڑبڑ رہے گی۔ اس لئے صحت برقرار رکھنے کے لئے علم الصحت تازہ اور متوازن غذا کھانے کی تلقین کرتی ہے۔

5- روزمرہ کی عادات میں باقاعدگی

تعلیم صحت ہمیں روزمرہ عادات میں باقاعدگی اختیار کرنی کی بھی تلقین کرتی ہے۔

ایک انسان کو وقت کا احساس کرنا چاہیے۔ ہر کام مقررہ وقت پر کرنا چاہیے۔ اگر ایک انسان اپنے کام وقت پر ختم نہیں کرے گا اور اپنے کام ادھورے چھوڑ دے گا تو وہ کبھی بھی زندگی کی دوڑ میں آگے نہیں نکلے گا بلکہ پیچھے رہ جائے گا۔ معاشرے میں اہم مقام حاصل کرنے سے قاصر رہے گا۔ خاص کر ایک کھلاڑی کو اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے وقت کا بہت احساس کرنا پڑے گا۔ اگر وہ وقت پر کھانا کھانا، وقت پر سونا اٹھنا، وقت پر کھیلنا وغیرہ نہیں کرے گا تو وہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گا اور اپنی لمبی عمر گزارنے کی بجائے محدود زندگی گزارے گا۔ اس لئے ایک انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے روزمرہ کی عادات میں باقاعدگی اختیار کرے اور ہر کام کو مقررہ وقت پر ختم کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ معاشرے میں اہم مقام حاصل کر کے اچھی زندگی گزار سکے۔

6- کام کے وقت کام، آرام کے وقت آرام

صحت کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ کام کے وقت کام اور آرام کے وقت آرام۔ اس میں وقت کی پابندی ایک ایسا وصف ہے جو ہمیں دوسروں کی نظر میں بھی عزت بخشتا ہے اور نظم وضبط بھی سکھاتا ہے۔ وقت کی پابندی کرنے والا فرد ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ اس لئے انسان کو کام کے وقت کام اور آرام کے وقت آرام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ایک کھلاڑی کی ہی مثال لے لیتے ہیں کہ وہ کام کے وقت کام نہیں کرتا بلکہ سویا رہتا ہے اور اپنے ادھورے کام چھوڑ دیتا ہے اور جب رات کو آرام کرنے کا وقت آئے تو وی سی آر جیسی لعنت کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ زندگی کی دوڑ میں بھی پیچھے رہ جائے گا اور معاشرے میں بھی اہم مقام حاصل نہیں کرے گا۔ اس لئے تعلیم صحت کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ فرد کو کام کے وقت کام اور آرام کے وقت آرام کی عادت ڈالنی چاہیے۔

7- دماغ کو تفکرات، افسردگی اور غم سے بچانا

انسان کو اپنی صحت برقرار رکھنے کے لئے دماغ کو تفکرات، افسردگی اور غم سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ صحت کے لئے دماغی سکون بھی اہم مقام رکھتا ہے۔ اس لئے انسان کو اپنی صحت برقرار رکھنے کے لئے دماغی سوچوں سے دور رہنا چاہیے۔ دماغی تکلیف سے

مراد منفی سوچ ہے یعنی بلا وجہ سوچوں میں گم رہنا۔ ہر وقت دماغ میں کسی قسم کا افسوس رہنا اور کسی غلطی پر غم کیے جانا۔ اس پر بھی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے دماغی صحت کے لئے دماغ کو سوچوں، افسوس وغیرہ اور غموں سے پاک رکھنا چاہیے۔

8- جسم کو صاف ستھرا رکھنا

انسان کو اپنی صحت برقرار رکھنے کے لئے ہر روز غسل بھی کرنا چاہیے۔ اگر ایک انسان روزانہ نہیں نہاتا بلکہ کئی کئی دن بعد نہاتا ہے تو وہ کئی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جن میں خارش کو زیادہ تر فوقیت حاصل ہے۔ اگر ایک انسان روزانہ اپنے جسم کو صاف نہیں رکھے گا تو وہ معاشرے میں بھی اہم مقام حاصل نہ کر سکے گا اور لوگ بھی اس سے نفرت کریں گے۔ اس کے جسم سے بدبو آئے گی اور جراثیم اس کے جسم پر زیادہ تعداد میں حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے اچھی صحت کے لئے جسم کو صاف ستھرا رکھنا بہت ضروری ہے۔

9- اچھے کاموں میں مصروف رہنا

اچھی صحت کے لئے اچھی صحبت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ انسان اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے اچھے اچھے کاموں میں مصروف رہنا چاہیے۔ اگر وہ برے کام کرے گا تو معاشرے میں بھی عزت نہیں ہو گی اور اپنا وقار بھی بلند نہ کر سکے گا۔ ہر جگہ ذلیل ہوتا رہے گا۔ اس لئے صحت کا اہم راز یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو اچھے کاموں میں مصروف رکھا جائے۔ خالی دماغ تو ویسے بھی شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ انسان اگر بری صحبت سے بچتا ہے تو اس کے خیالات میں یقیناً پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جسمانی وروحانی طور پر بھی بے شمار امراض سے نجات حاصل کرتا ہے۔ بری صحبت میں بیٹھنے والے افراد بری ذہنیت اور مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

10- منشیات سے پرہیز

صحت کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ منشیات مثلاً تمباکو نوشی اور نشہ آور اشیاء سے پرہیز کیا جائے۔ نشہ آور اشیاء دماغ کے لئے مضر اور جسم کے لئے انتہائی نقصان دہ ہوتی ہیں۔ نشہ انسان کے جسم کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ جسم سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے۔ نشہ کی لت کو

پورا کرنے کے لئے جھوٹ، چوری بلکہ بھیک مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔اس لئے منشیات گھر اور باہر والوں کے نزدیک ذلیل وخوار کر دیتی ہیں۔نشہ آور اشیاء صحت کے لئے انتہائی مضر ہیں اور معاشرے میں بھی انسان اپنا مقام کھو دیتا ہے اس لئے تعلیم صحت منشیات سے پرہیز کرنے کی بھی تلقین کرتی ہے۔

11-اپنے آپ پر مکمل اعتماد

تعلیم صحت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنے آپ پر مکمل اعتماد ہو۔جب ایک کام کرنے کا پختہ ارادہ کرے تو اس کام کو ڈٹ کر کرے۔اگر اس میں کوئی خامی ہے تو یہ سوچے کہ میں نے اس اس کو مکمل کرنا ہے۔تو پکا وعدہ اپنے دل میں کرے کہ میں اپنے آپ پر اعتماد کرتا ہوں اس لئے اسے کر کے چھوڑوں گا۔اس کو کسی دوسرے کے سہارے زندگی گزارنے کا عمل کبھی بھی نہیں اپنانا چاہیے۔ورنہ ذلیل وخوار ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔جب ایک انسان پختہ ارادہ کرنے کا اصول اپنا لے تو وہ معاشرے میں بھی عزت کی زندگی گزارے گا اور اپنی صحت کا بھی خیال رکھے گا۔

12-اپنی غلطیوں سے سبق سیکھنا

تعلیم صحت کے اصولوں میں اپنی غلطیوں سے سبق سیکھنے کا عمل ایک اہم مقام ہے۔جو انسان ایک غلطی کرے اور اگر اس کو احساس ہو جائے کہ واقعی میں نے غلطی کی ہے تو اس سے سبق حاصل کرے۔مثلاً اگر وقت کی پابندی نہیں کرتا تو اس کے دل میں احساس ہونا چاہیے کہ میں اگر وقت کی پابندی نہیں کروں گا تو میں وقت پر کوئی کام سرانجام نہیں دے سکوں گا اور زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاؤں گا۔اس لئے اسے اپنی غلطیوں سے سبق سیکھنا پڑے گا۔اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو معاشرے میں اہم مقام حاصل نہ کر سکے گا۔پھر جھوٹ بولنے سے بھی پرہیز کرنا پڑے گا۔اگر کوئی جھوٹ بول کر بے جا دوسرے ساتھی کو تنگ کرے گا تو اسے بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔پھر بعد میں سوچے گا کہ میں نے جھوٹ بول کر اپنے ساتھی کو کیوں تنگ کیا۔اس کے دل میں احساس پیدا ہوگا کہ اس کو اپنی غلطی سے سبق سیکھنا

چاہیے۔نظم وضبط بھی انسان کو زندگی کی دوڑ میں بڑا تعاون کرتی ہے۔اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ سمجھ سے ہر کام میں اہم مقام حاصل کرے۔اگر وہ زندگی میں غلطیوں کا احساس کر کے ہر کام کو سرانجام دے گا تو اس کی صحت بھی برقرار رہے گی اور معاشرے کا اہم فرد بھی کہلائے گا۔

تعلیم الصحت کی اہمیت

ہیلتھ ایجوکیشن

ہیلتھ ایجوکیشن ایک منفرد اور جاذبیت والی قیمتی تعلیم ہے۔اس سے معاشرہ کی بیماری،افلاس،غربت سے نجات مل سکتی ہے۔اگر صحت کی تعلیم نہ ہوتو ہم پھر ہمیشہ کے لئے اپنے پھیپھڑوں کو تمباکو نوشی سے متاثر کرتے رہیں گے۔شراب نوشی سے جگر اور زندگی کو خطرے میں ڈالتے جائیں گے۔خوراک کی حفاظت یا فارمولے سے ناواقفیت کی بنا پر جسم موٹے ہوکر ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں میں اضافہ کرتے جائیں گے۔اسی طرح ماحول کی صفائی یا ذاتی صفائی سے بے خبر رہ کر اپنی جسم اور افراد کو بے شمار بیماریوں سے آشنا کرتے رہیں گے۔ ورزش کی کمی سے جسم متاثر ہوتے جائیں گے۔ غلط جنسی ملاپ، غیر اخلاقی قدریں،نشہ آور گولیاں اور دیگر ایسے اعمال اجاگر ہوتے جائیں گے اور صحت مند معاشرہ کی بجائے قوم کے افراد ان گنت مسائل سے دوچار ہوں گے۔

اسی طرح ہم اپنے بچوں کو مشروبات اور چٹ پٹی مصنوعی خوراک کے ذریعہ بیماریوں کے دائرہ میں داخل کرتے جاتے ہیں۔انڈسٹری عام ہونے کے فائدے ضرور ہیں مگر نقصانات زیادہ ہیں۔ ہر جگہ فیکٹریاں لگ رہی ہیں۔ان کا شہر سے باہر ہونا ضروری ہے۔

ہیلتھ ایجوکیشن نارمل اور غیر نارمل طریقوں سے دی جاسکتی ہے۔کمیونٹی کے افراد خود مل کر یہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔ پڑھے لکھے فیملی ممبران کا بھی حق ہے کہ وہ جو سیکھیں دوسروں کو بھی سکھائیں کہ زندگی کیسے گزاری جائے تاکہ معاشرہ بیماریوں سے نجات حاصل کر سکے۔ مذہب دماغی اور جسمانی بیماریوں کی روک تھام کر سکتا ہے۔علماء اور دینی علوم میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس سلسلہ میں لوگوں کو بتائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ بہترین

ہیلتھ ایجوکیٹر تھے۔ انہوں نے صحت کے اصولوں کو اپنایا اور صحت مند معاشرہ کی تشکیل ہوئی۔ ڈاکٹر ،نرسیں، ملیریا کا سٹاف ہر آدمی صحت کے اصولوں سے لوگوں کو آگاہ کرسکتا ہے لہٰذا قوم کے تمام افراد مل کر ہیلتھ ایجوکیشن دے سکتے ہیں۔

آج کے دور میں ہیلتھ ایجوکیشن کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے کیونکہ اقوام عالم میں ایک زبردست Competition ہے۔ ہر قوم دوسری قوم سے آگے نکل جانے کی کوشش میں ہے۔ ہر فرد دوسرے فرد پر برتری لے جانا چاہتا ہے۔اس دوڑ میں حضرت انسان نے زندگی گزارنے کا فطری طریقہ بتدریج چھوڑ دیا ہے اور انسانوں نے زندگی گزارنے کے لئے کئی ایک مصنوعی ایجادات کی ہیں جو انسان کو سہولت تو دے دیتی ہیں مگر سہولت کے بدلے ان کی مجموعی صحت پر بڑے منفی اثرات ڈالتی ہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے انسانوں کو صحت مند، تندرست وتوانا دیکھنے کے لئے ان کو ہیلتھ ایجوکیشن دی جائے کیونکہ عوام کو چاہے جتنی مرضی حکومت وقت طبی سہولیات مہیا کرے لیکن جب تک عوام صحت کے اصولوں سے آگاہ نہ ہوں تو بے سود ہے۔ ہماری سوسائٹی میں اکثر ایسے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں کہ لوگ علم الصحت سے بے بہرہ ہیں۔مثلاً لوگوں کو عورتوں کی صحت کی اہمیت سے آگاہی ہی نہیں ان کو آگاہ ہونا چاہیے کہ اگر عورتوں کی صحت اچھی ہوگی تو بچے بھی اچھے ہوں گے۔اس کے لئے ہیلتھ ایجوکیشن کی ضرورت ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ دیہاتوں میں اکثر بچوں کی حالت بگڑی ہوتی ہے پیٹ پھولے ہوئے اور ٹانگیں پتلی ہوتی ہیں اور ان کی ہڈیوں کی صحیح طریقہ سے نشوونما نہیں ہوتی۔اس کی وجہ لوگوں کا علم الصحت کے اصولوں سے آگاہ نہ ہونا ہے۔قریہ قریہ کوچہ کوچہ، گلی گلی، شہر شہر، گاؤں گاؤں محکمہ صحت والے بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلاتے نظر آتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسا نہیں کرتے ،طرح طرح کی توہمات کی بنا پر وہ نوزائیدہ بچوں کو گھر کی دہلیز سے پار لے جانا گناہ سمجھتے ہیں۔ چاہے بچے کی جان چلی جائے وہ بچے کو ضروری ادویات دلانے کے لئے گھر سے باہر نہیں لے جاتے۔حاملہ عورتوں کو آخری دنوں میں گھروں سے باہر نہ جانے دینا، ان کو بروقت علاج کی سہولت نہ مہیا کرنا، ان کی بہتری کے لئے اچھی اور متوازن غذا نہ باہم پہچانا۔سب اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کو صحت کی تعلیم سے آگاہی ہی نہیں۔ ایسے ہی

دیکھیں کہ اگر واٹر سپلائی والے صاف پانی جراثیم سے پاک پانی مہیا کر دیں یا بوتلوں میں بند پانی Sterlized Mineral Water مہیا کر دیا جائے۔ لیکن اگر دوسری طرف گھر کے برتن بھی صاف نہ ہوں تو صحت پر جو اثر پڑے گا اس سے سب آگاہ ہیں، پانی تو صاف میسر ہو مگر برتن گندے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ پانی میں کتنے جراثیم ہیں اور یہ صحت کے لئے کتنا مضر ہے۔

علم الصحت ہی بتاتی ہے کہ صحت انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے بلکہ بے حد ضروری ہے کیونکہ صحت مند آدمی زیادہ خوش وخرم ہوتا ہے، وہ زیادہ کما سکتا ہے اگر وہ زیادہ کمائے گا تو اس کا معیار زندگی بڑھے گا جبکہ بغیر صحت کے معیار زندگی نہیں بڑھ سکتا۔

مثلاً اگر ایک کسان کھیتوں میں کام کرتا ہے اس کی صحت ٹھیک نہیں ہے تو اس کی پیداوار کم ہوگی جس سے آمدنی بھی کم ہوگی، کم آمدنی معاشی بدحالی کا سبب بنے گی اور یہ سرکل کی صورت اختیار کر جائے گا۔ ہمارا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو صحت کی تعلیم دیں اور اس کی اہمیت سے آگاہ کریں۔ دنیا بہت آگے نکل چکی ہے، علم ترقی کرتا جا رہا ہے۔ صحت صرف معلومات بڑھنے سے بہتر نہیں ہوگی جب تک ہم اس علم کو استعمال میں نہیں لائیں گے۔ چاہے کتنے ہی ہیلتھ سنٹر اور رورل سنٹرز میں صحت کی ترقی کے لئے مہمیں شروع کی جائیں لیکن جب تک عوام کو صحت کی تعلیم نہیں دیں گے یہ سب بے سود ہے۔

علم الصحت کی اہمیت مندرجہ ذیل نکات سے واضح کی جا سکتی ہیں:

1- تعلیم الصحت مکمل طور پر انسان کی فلاح کرتی ہے۔
2- تعلیم الصحت کو بہتر بنانے اور برقرار رکھنے میں کوشاں ہے۔
3- تعلیم الصحت انسان کے جسمانی، ذہنی، جذباتی اور روحانی پہلوؤں کو اُجاگر کرتی ہے۔
4- تعلیم الصحت موثر زندگی گزارنے کا ذریعہ بنتی ہے۔
5- خوشگوار اور بھرپور زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔
6- تعلیم الصحت بنی نوع انسان کے باہمی تعلقات کو بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔
7- تعلیم الصحت انسان کے کردار کو سنوارتی ہے۔
8- تعلیم الصحت انسان کو بے راہ روی سے بچاتی ہے۔

9- تعلیم الصحت انسان میں پابندی وقت، قانون کی بالادستی، مل جل کر کام کرنے کی عادت ڈالتی ہے۔
10- تعلیم الصحت شخصی صحت کو برقرار رکھنے کی ذمہ دار ہے۔
11- تعلیم الصحت بچوں کی متوازن نشوونما کی نگرانی کرتی ہے۔
12- تعلیم الصحت جہالت اور بیماری کے خلاف جہاد کرتی ہے۔
13- تعلیم الصحت بین الاقوامی تعلقات کو بہتر بنانے میں مدد دیتی ہے مثلاً اولمپک کھلیں۔
14- تعلیم الصحت انسان میں خود اعتمادی اور مستقل مزاجی پیدا کرتی ہے۔
15- تعلیم الصحت انسان کی فطری صلاحیتوں کو اُجاگر کرتی ہے۔
16- تعلیم الصحت انسان کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کا ذریعہ بنتی ہے۔
17- تعلیم الصحت انسان کی درازی عمر کا سبب بنتی ہے۔
18- تعلیم الصحت انسان کی ذہانت کو بڑھاتی ہے۔
19- تعلیم الصحت انسان کو معاشرے کا بے مثال شہری بناتی ہے۔
20- تعلیم الصحت انسان کے لئے خوشی مسرت اور سکون حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔
21- تعلیم الصحت انسان کے حواس خمسہ کی کارکردگی کو بڑھاتی ہے۔

صحت اور قومی ترقی

ترقی سے مراد کسی بھی قوم کا تمام شعبہ ہائے زندگی میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ ہے۔ آج کے دور میں صرف وہ ممالک ترقی یافتہ کہلاتے ہیں جو سیاسی اقتصادی، دفاعی اور سماجی لحاظ سے مضبوط ہوتے ہیں جب کہ ان تمام شعبوں میں ترقی و استحکام انسانوں کی بہتر کارکردگی اور استعدادِ کار کے مرہون منت ہے اور انسان کی کارکردگی اور استعدادِ کار اس کی ذہنی وجسمانی صحت پر انحصار کرتی ہے۔ صحت اور قومی ترقی کے اس تعلق کی وضاحت حسب ذیل انداز میں کی جاسکتی ہے۔

قومی ترقی کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا جب تک ملک اقتصادی

لحاظ سے استحکام حاصل نہیں کر لیتا اور اقتصادی استحکام کے لئے صرف وسائل و ذرائع پیداوار، جدید ٹیکنالوجی اور سرمایہ ہی ضروری نہیں ہے بلکہ ان تمام چیزوں کو استعمال کرنے کے لئے صحت مند تربیت یافتہ افرادی قوت بھی درکار ہوتی ہے۔ صحت مند قومیں سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی دے کر نئے نئے پیداواری وسائل و ذرائع دریافت کرتیں اور سرمایہ کاری کے لئے راہ ہموار کرتیں کیونکہ افراد جتنا صحت مند اور تندرست و توانا ہوں گے وہ اتنا ہی اپنے معیار زندگی بہتر بنانے کے لئے کوشاں رہیں گے۔ زیادہ محنت لگن سے کام کرنے کے سبب ملکی پیداوار میں اضافہ ہوگا جو قومی آمدنی کے ساتھ ساتھ فی کس آمدنی میں اضافہ کا باعث بنے گا اور فی کس آمدنی میں اضافہ نہ صرف افراد کے معیار زندگی کو بلند کرے گا بلکہ ان کی بچتوں کے معیار کو بلند کر کے سرمایہ کاری کے لیے رقوم کی فراہمی کو بھی آسان کر دے گا۔ اس طرح قومی ترقی کیلئے سرمایہ کاری اور صنعتکاری کی راہیں خود بخود کھلتی چلی جائیں گی۔ گویا صحت مند افراد ملک کو اقتصادی لحاظ سے ترقی دینے کی بنیادی کڑی ہیں لیکن اگر یہ افراد صحت جیسی نعمت سے محروم ہوں گے تو ان کی استعدادِ کار پست ہوگی اور ملکی ترقی کے لیے نمایاں خدمت سرانجام دینے کے جذبے بھی سرد ہوں گے۔ صحت کی پسماندگی کے برے اثرات زرعی شعبہ کی کم پیداوار سے لے کر صنعتی، تجارتی و بنکاری غرضیکہ ہر شعبے کی معاشی پسماندگی میں نظر آئیں گے۔ افراد کی اوسط عمر کم اور شرح اموات و شرح پیدائش میں اضافہ، ملکی آبادی میں نابالغ افراد کی تعداد کو زیادہ اور افرادی قوت کی تعداد میں کمی کا باعث بنے گا۔ اندرونی پیداواری صلاحیت کم ہونے سے حکومت کو ملکی آبادی کی بنیادی ضروریات کی کفالت کے لئے بیرونی دنیا سے قرض اور اشیائے خوردنی و اشیاء سرمایہ مہنگے داموں اور زیادہ شرح سود سے منگوانا پڑے گا۔ زرمبادلہ کے ذخائر کم اور افراطِ زر بڑھنے کا رجحان پیدا ہوگا۔ جس کے باعث صنعتیں بھی بیماری کا شکار ہو کر غیر معیاری، جعلی اور نقلی اشیاء کی پیداوار میں ملوث ہو کر مزید اقتصادی، معاشی سماجی وطبی مسائل کو جنم دیں گی۔

قومی ترقی کے دیرپا ثمرات و فوائد سے وہی معاشرہ مستفید ہوتا ہے جو سماجی طور پر بھی مستحکم ہو اور اس کے افراد کے باہمی تعلقات مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ ملک و معاشرہ سے باہمی وفاداری، ملکی قوانین کا احترام اور اخلاقی و معاشرتی اقدار و روایات کی پاسداری کا

اہتمام کیا جاتا ہو۔ ذہنی و جسمانی طور پر صحت مند افراد کے رویے نہ صرف مثبت و تعمیری ہوتے ہیں بلکہ وہ سماجی استحکام کے لئے بنیاد بھی فراہم کرتے ہیں۔ سماجی تعلقات کی بحالی ہو یا ملکی قوانین کا احترام صحت مند افراد کی کارکردگی مثالی اور بہترین ہوتی ہے اس کے علاوہ مذہبی و معاشرتی اقدار پر عمل کرنے کے لئے بھی صحت بہت ضروری ہے کیونکہ صحت مند فرد ہی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے مذہبی فرائض ادا کرنے کے قابل ہوگا۔ بزرگوں کا ادب اور دیگر حقوق العباد کی بجا آوری ہو یا امداد باہمی اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کے کاموں میں شرکت سب صحت مند افراد ہی کے لئے ممکن ہیں۔ بیمار فرد تو اپنی بیماری اور معاشی پریشانیوں کے باعث چڑاچڑا، غصیلا، قنوطی اور خودغرض ہو جاتا ہے۔ اس میں اخلاقی، مذہبی و معاشرتی روایات و پابندیوں سے نفرت اور قانون سے بغاوت کا مادہ پروان چڑھتا ہے۔ غرض کہ بیمار ذہن و جسم کا مالک فرد سماجی انتشار کا باعث بنتا ہے۔

المختصر اگر کوئی قوم مستقل اور دیرپا ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے افراد کی صحت کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے منظّم و منصوبہ بند کوششیں کریں کیونکہ صحت مند افراد ہی ملک کے مستقبل اور قسمت کے ستارہ کو بلند کرنے کے لئے اپنی توانائیوں کے چراغ جلاتے اور ملکی ترقی کے سفینے کو پسماندگی کے سمندر سے نکال کر ترقی کی معراج کے ساحل پر لنگرانداز کرتے ہیں۔

اہم سوالات

1- پست معیار صحت کی وجوہات بیان کریں اور معیار صحت کو بڑھانے کے لئے اقدامات تجویز کریں؟

2- صحت کی تعلیم کی معاشرہ میں اہمیت بیان کریں؟

3- قومی ترقی میں صحت کے کردار پر روشنی ڈالیں؟

باب نمبر 8

مخصوص گروہوں کی ضروریات

1- مندرجہ ذیل گروہوں کا تعارف، ضروریات، مسائل و حل
جسمانی معذور (اندھے، گونگے، بہرے، لنگڑے)
ذہنی معذور
سماجی معذور (یتیم، بیوہ، مجرم، ظلم کا شکار عورتیں
2- معذوروں کی فلاح و بہبود کی اہمیت

باب نمبر 8

مخصوص گروہوں کی ضروریات

(Needs of Special Groups)

مخصوص گروہوں کی ضروریات کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ مخصوص گروہوں سے کیا مراد ہے؟ مخصوص گروہ کن کو کہا جاتا ہے۔

''میرے خیال میں مخصوص گروہ سے مراد ایسے خصوصی افراد کا گروہ ہے جو کسی خاص معذوری کے سبب مشترکہ نوعیت کے مسائل سے دوچار ہوں اور ان کے تدارک کے لئے کسی مخصوص جگہ اکٹھے کئے جائیں۔''

خصوصی افراد سے مراد وہ معذور افراد ہیں جو ذہنی، جسمانی، سماجی اور مخصوص پسماندگی کے باعث اپنے روزمرہ معمولات کی ادائیگی میں مشکلات کا شکار ہوں۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ مخصوص گروہوں سے مراد خصوصی افراد ہوتے ہیں اور خصوصی افراد سے مخصوص گروہ تشکیل پاتے ہیں۔

خصوصی افراد کی گروہ بندی ماہرین نے یوں کی ہے:

1- جسمانی اختلافات

اس گروہ میں وہ افراد شامل کئے جاتے ہیں جو غیر حسی نا قابلیت (Nonsensory Disability) اور حرکتی نقائص (Mobility Disorder) کا شکار ہوتے ہیں۔

2- ذہنی اختلافات

ذہنی اختلافات سے مراد وہ خصوصی افراد ہیں جو یا تو بہت ذہین ہوتے ہیں یا ان

کے سیکھنے کی رفتار عام بچوں سے سست ہوتی ہے۔ان کو (Slow Learner) بچے بھی کہا جاتا ہے۔

3-حسی اختلاف

اس گروہ سے مراد افراد کا ایسا گروہ ہے جن کی دیکھنے اور سننے کی حس متاثر ہوتی ہے۔

4-اظہار کی قابلیت میں اختلافات

یہ وہ گروہ ہے جو گفتار کی پسماندگی (Speech Disability) اور زبان دانی کی پسماندگی (Language Disability) کا شکار ہوتے ہیں۔

5- کرداری اختلافات

اس گروہ میں ایسے افراد ہوتے ہیں جو مضطرب (Emotionally Disturbed) اور معاشرتی عدم مطابقت (Social Maladjustment) کا شکار ہوتے ہیں۔

ماہرین نے خصوصی افراد کی گروہ بندی کو تین بنیادی اقسام میں منقسم کیا ہے جو کچھ یوں ہیں:

1- جسمانی معذور (Physically Handicapped)

2- ذہنی معذور (Mentally Handicapped)

3- سماجی معذور (Socially Handicapped)

اب ہر ایک مخصوص گروہ کی اہمت کے حوالے سے ان کی ضروریات، مسائل اور ان کو درپیش مسائل کے علاج کے لئے اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں۔

جسمانی معذور

جسمانی معذور افراد میں گونگے، بہرے، نابینا، لنگڑے، دائمی مریض اور کثیر النقائص رکھنے والے خصوصی افراد شامل ہیں جو اپنے ایک یا زائد جسمانی اعضاء میں

نقص یا خامی کے باعث اپنی معاشرتی ذمہ داریاں موثر طور پر اٹھانے سے معذور ہوتے ہیں۔مختلف الاقسام کے جسمانی پسماندہ خصوصی افراد میں پسماندگی کی بھی مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔جو پیدائشی وموروثی ہونے کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے کے بعد کے حادثات و بیماریوں کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہیں۔لیکن ان تمام جسمانی نقائص وخامیوں کے باوجود ایسے تمام خصوصی افراد کو اللہ تعالیٰ نے دوسری بہت سی خصوصیات اور صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے جن کی اگر صحیح نشوونما کا اہتمام کیا جائے تو یہ افراد بھی اپنی خامیوں پر قابو پا کر نارمل زندگی گزارنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔

معاشرہ میں ان خصوصی افراد کی بحالی کے نقطہ نظر سے ان کی ضروریات، مسائل اور ان کا تدارک درج ذیل سطور میں پیش خدمت ہے۔

ضروریات

جسمانی طور پر پسماندہ افراد کی درج ذیل ضروریات ایسی ہیں جو اپنی شدت، نوعیت اور اہمیت کے سبب ان تمام خصوصی افراد کی کارکردگی کو متاثر کرتی ہیں۔

1- غذائی ضروریات

جسمانی پسماندہ خصوصی افراد کی غذائی ضروریات عام افراد کی غذائی ضروریات سے زیادہ اہم ہوتی ہیں کیونکہ انہیں ایسی متوازن ومقوی غذا کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کا وزن بڑھانے کی بجائے ان کی طاقت وقوت میں اضافہ اور بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرے۔

2- طبی ضروریات

پاکستان میں جسمانی پسماندہ افراد کی اولین ضرورت بہتر اور معیاری طبی سہولیات کی فراہمی ہے کیونکہ جسمانی ساخت میں پائے جانے والے مختلف نقائص پیدائشی، موروثی اور حادثاتی ہوتے ہیں اور ان میں سے بیشتر قابل علاج بھی ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات انہیں بروقت طبی امداد اور سہولت کی فراہمی اس معذوری سے بچانے کا سبب بھی بن سکتی

ہے۔اس کے ساتھ ساتھ سستے داموں مصنوعی اعضاء آلات سماعت وہیل چیرز وٹریول ایڈز، معیاری ادویات اور مختلف اقسام کے فزیوتھراپی مراکز میں اضافہ بھی ان خصوصی افراد کی طبی ضرورت کا اہم حصہ ہیں۔

3- تعلیمی ضروریات

معیاری تعلیم حاصل کرنا ہر شہری کا ایسا حق ہے جس کی ضمانت اور تحفظ ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ دنیا کی تمام فلاحی ریاستیں اب خصوصی افراد کے اس بنیادی حق کو نہ صرف تسلیم کرتی ہیں بلکہ ان کے لئے اقدامات بھی کرتی ہیں۔ مثلاً گونگے بہرے خصوصی افراد کے لئے زبانی واشاراتی طریقہ تدریس، نابینا خصوصی افراد کے لئے بریل (Braille) میں لکھی ہوئی کتابیں، ٹاکنگ بکس اور ریڈنگ مشین جب کہ ایسے خصوصی افراد جن کے ہاتھ یا انگلیاں کام کرنے کے قابل نہ ہوں۔ انہیں مخصوص پنسل ہولڈر اور ہیڈ پوائنٹر (Head Pointer) وغیرہ استعمال کر کے لکھنا پڑھنا سکھایا جانا چاہیے۔

4- سماجی ضروریات

انسان کی زندگی میں اس کے سماجی تعلقات بہت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ تعلقات ہی اس کی شخصیت و کردار کو سنوارنے اور بگاڑنے کا ذریعہ و وسیلہ بنتے ہیں۔ خصوصی افراد کے لئے ان کے والدین، دوست احباب اور اساتذہ کی محبت، شفقت اور توجہ خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

5- تفریحی ضروریات

نارمل افراد کی طرح خصوصی افراد کو بھی مثبت و تعمیری تفریح کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی مایوسیوں، دکھوں اور دیگر نفسیاتی مسائل سے چھٹکارا پاسکیں۔ زندگی کی خوشیوں اور قدرت کے حسین و دلفریب قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کا حق ان خصوصی افراد کو بھی حاصل ہے۔

جسمانی معذوروں کے مسائل

جسمانی پسماندہ خصوصی افراد پاکستان میں درج ذیل مسائل کا شکار ہیں۔

1- طب کے مسائل

پاکستان میں خصوصی افراد کے لئے طبی علاج کی سہولتیں بھی بہت قلیل اور بڑے بڑے شہروں تک محدود ہیں اس کے علاوہ علاج کے اخراجات غریب افراد کی پہنچ سے باہر ہونے کے باعث اکثر والدین اپنے خصوصی بچوں کو اللہ کی رضا سمجھ کر قابل علاج تصور نہیں کرتے۔ ہمارے معاشرہ میں متعدی امراض کی بہتات، فضائی آلودگی اور غذائیت کی کمی، غیر معیاری و جعلی ادویات، غیر تربیت یافتہ، عطائی اور دائیوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹروں کی پیشہ ورانہ غفلت ولا پرواہی معذوری کے مسئلہ کو سنگین بنا رہی ہیں۔ دوسری طرف طبی سہولتوں کا عدم پھیلاؤ ان خصوصی افراد کی طبی مشکلات میں اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔

2- معاشی مسائل

پاکستانی حکومت بیرونی ممالک کی مقروض اور اندرونی مفاد پرست عناصر کی لوٹ کھسوٹ کی بدولت معاشی بدحالی کا شکار ہے۔ سیاسی عدم استحکام نے معیشت کو ایسا تباہ کیا ہے کہ اب عام افراد بھی بجلی و ٹیکس چوری کے ذریعے حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں اور حکومت اپنی بقاء کے لئے آہستہ آہستہ اپنے تمام بنیادی فرائض کا بوجھ عوام کے کندھوں پر ڈال رہی ہے۔ بڑے بڑے ادارے فروخت کئے جا رہے ہیں اور عوام کی اکثریت بے روزگاری کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہر جائز ناجائز کام کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ ایسی افراتفری اور مفاد پرستی کی فضاء میں حکومت کا خصوصی افراد کی بحالی کا قانون مجریہ 1981ء پر عمل درآمد کی رفتار بہت سست ہو گئی ہے جس کے باعث خصوصی افراد مالی پریشانیوں، مایوسیوں اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہو رہے ہیں۔

3- تعلیم کے مسائل

پاکستان میں شعبہ تعلیم بہت سے مسائل کا شکار ہے۔ جس کے باعث نارمل افراد کو فراہم کردہ تعلیمی سہولتوں کا معیار نہ صرف ناقص ہے بلکہ تعلیم یافتہ افراد کی قابلیت و ذہانت اور کارکردگی کا معیار بھی پسماندگی کا شکار ہے۔ ایسی صورتحال میں خصوصی افراد کے تعلیمی مسائل کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ حکومت پاکستان نے 1983ء میں محکمہ خصوصی تعلیم قائم کر کے ان افراد کے لئے الگ سے تعلیمی اداروں کا اجراء کیا مگر ان اداروں کی تعداد خصوصی افراد کی تعداد کے تناسب سے نہایت قلیل اور صرف شہروں تک محدود ہے جب کہ ہماری آبادی کی اکثریت دیہاتوں میں رہائش پذیر ہے جو کہ اپنی غربت و جہالت کے سبب اپنے خصوصی بچوں کی تعلیمی ضروریات کی اہمیت سے ناواقف ہے۔ جس ملک میں نارمل افراد ناخواندگی کا شکار ہوں وہاں خصوصی افراد کو تعلیم دلوانے کی ضرورت سے ناواقفیت انہونی بات نہیں۔

4- ٹرانسپورٹ کے مسائل

ہمارے ہاں خصوصی افراد کے لئے الگ سے کسی بھی نوعیت کی ٹرانسپورٹ کا اہتمام موجود نہیں ہے اس لئے یہ تمام افراد بھی عام ٹرانسپورٹ کو ہی استعمال کرنے پر مجبور ہیں جب کہ ہمارا ٹرانسپورٹ کا نظام اپنی تیز رفتاری، عدم دستیابی، کرایوں میں اضافہ اور دیگر خرابیوں کے باعث تندرست افراد کے لئے سفر کو مشکل اور جان لیوا بنا رہا ہے تو ایسے حالات میں خصوصی افراد کی نقل وحمل میں بھی مشکلات کا باعث رہا ہے اس کے علاوہ ڈرائیور اور عام سواریوں کا ناروا سلوک و رویہ بھی خصوصی افراد کی ہمت وحوصلہ کو آزما رہا ہے جس کے سبب خصوصی افراد کی اکثریت گھروں سے نکلنے سے خوفزدہ ہے اور یوں ہمارے یہ محنتی اور باحوصلہ افراد ٹرانسپورٹ کی سہولتوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے عضو معطل بن رہے ہیں۔

5- عدم تحفظ کا مسئلہ

اسلامی معاشرہ عورتوں، بچوں اور تمام پسماندہ افراد کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ نہ صرف

جان ومال بلکہ عزت وآبرو کو بھی اسلام نے تحفظ فراہم کیا ہے مگر ہمارا معاشرہ مغرب کی تقلید کا اتنا دلدادہ ہو رہا ہے کہ اپنی معاشرتی اقدار پر عمل پیرا ہونا قابل شرم واحساس کمتری کی علامت بنتا جا رہا ہے۔

6- سیر وتفریح کے مسائل

مثبت وتعمیری تفریح ہر انسان کی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے ازحد ضروری ہے کیونکہ انسانی مشینری کو اپنی کام کے اوقات اور دورانیہ میں اپنی تھکان دور کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے اگر انسان کی زندگی میں تفریح کا وقفہ نہ ہو تو وہ بہت جلد اپنی روزمرہ زندگی کے معمولات سے تھک کر اکتانے کے ساتھ ساتھ بیمار بھی پڑ سکتا ہے اس کے علاوہ اس کے تفکرات اور پریشانیوں سے پیچھا چھڑانے میں بھی تفریح اہم کردار ادا کرتی ہے مگر افسوس ہمارے ملک میں نارمل افراد کی تفریح کا معقول انتظام موجود نہیں تو خصوصی افراد کی طرف توجہ تو بہت ہی کم ہے۔

7- فنی تربیت کے مسائل

موجودہ تیز رفتار دور میں سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث تربیت یافتہ افراد کی مانگ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ جدید پیشوں اور مشینری کی ایجاد واستعمال نے پیشوں کی نوعیت وہیئت بدلنے کے ساتھ ساتھ تربیت کے انداز بھی تبدیل کر دیئے ہیں۔ کمپیوٹر کے استعمال نے زندگی کے ہر شعبے کو تغیر وتبدیلی سے آشنا کر دیا ہے مگر افسوس پاکستان میں اب بھی خصوصی افراد کو صرف قدیم شعبوں میں ہی فنی تربیت فراہم کی جا رہی ہے۔ کرسیاں بننا، موم بتی بنانا، گڑیا سازی، کھڈی پر کپڑا بننا اور اسی قسم کے دوسرے ابتدائی پیشوں میں مہارتیں اب وقت کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت کھو بیٹھی ہیں اور ان اشیاء کی تیاری میں بھی اب جدیدیت آ گئی ہے لہٰذا ایک طرف ان خصوصی افراد کا وقت ضائع ہو رہا ہے تو دوسری طرف ان کی صلاحیتوں کا ضیاع جاری وساری ہے۔

8-معاشرتی رویوں کے مسائل

انسان کی شخصیت و کردار فطری و موروثی عوامل کے ساتھ ساتھ اس کے ارد گرد رہنے والے افراد کے رویوں سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ انسان کے باہمی روابط اور میل جول کی کیفیات اگر مثبت اور صحت مند بنیادوں پر استوار ہوں گی تو انسانی صلاحیتیں نشو ونما پاتی اور ترقی کی منازل بھی تیز رفتاری سے طے کرتی ہیں۔ جب کہ پاکستانی معاشرہ میں اپنے خصوصی افراد کے ساتھ رویے کی نوعیت، ہمدردی اور احسان و بے چارگی جیسی کیفیات کا شکار ہے اور ہمارے خصوصی افراد ان منفی رویوں اور بعض اوقات نارمل افراد کی عدم توجہی کے باعث احساس کمتری اور خود اعتمادی کی کمی جیسے نفسیاتی مسائل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مسائل کا حل

جسمانی پسماندہ افراد کے مسائل کو حل کرنے کے لئے دو قسم کے اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں۔ ان اقدامات کو ان خصوصی افراد کی بحالی کے لئے پروگرام بناتے ہوئے مدنظر رکھنا چاہیے۔

(1) انسدادی علاج یا حل

(2) عملی علاج یا حل

1-انسدادی علاج

معذور افراد کے مسائل کو حل کرنے کے لئے سب سے اہم قدم معذوری کا سد باب کرنا ہے تا کہ معاشرہ میں بڑھتی ہوئی معذوری کی شدت کو کم کیا جا سکے۔ اس کے لئے سائنسی بنیادوں پر منصوبہ بندی کرنا چاہیے تا کہ اس انسدادی پروگرام سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جا سکیں۔

انسدادی پروگرام بناتے ہوئی درج ذیل باتوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

i) موثر منصوبہ بند تعلیمی تحریک چلائی جائے تا کہ عوام کو معذوری کی وجوہات اور نوعیت

بتانے کے ساتھ ساتھ انہیں بیماریوں سے پرہیز کے طریقے سیکھائے جاسکیں۔اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ بہتر وموثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ii) حفاظتی ٹیکوں کے لئے ملک گیر مہم چلائی جائے اور پولیوڈے کی طرز پر تمام حفاظتی ٹیکے لگوانے کے لئے بھی والدین کو معلومات فراہم کی جائیں نیز ان ٹیکوں کی اہمیت و افادیت سے بھی والدین کو آگاہ کیا جائے۔

iii) ادویات کی قیمتوں پر کنٹرول کیا جائے۔اس کے علاوہ جعلی ادویات بنانے اور فروخت کرنے والوں کے خلاف سخت قانونی کاروائیوں پرعمل کیا جائے۔

iv) وقتاً فوقتاً ملک گیر پیمانے پر صفائی کی مہم چلائی جائے۔لوگوں کو حفظان صحت کے اصولوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اردگرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کی اہمیت وشعور دیا جائے۔حکومتی مشینری،عوامی نمائندے اورعوام کے تعاون سے صفائی کی مہم چلائی جائے۔ مختلف علاقوں کے خاکروبوں کی نگرانی کا نظام بھی سائنسی بنیادوں پر منظّم کیا جائے اور بلدیاتی اداروں کے تحت گندگی اٹھانے اورتلف کرنے کے کام کو بھی ہنگامی بنیادوں پر ترجیح دی جائے۔

v) ٹریفک قوانین کو مزید سخت بنایا جائے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت ترین سزائیں دی جائیں تاکہ حادثات میں کمی کی جاسکے۔

vi) والدین کو بچوں کی غذائی ضروریات سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ زچہ و بچہ کی صحت وتندرستی کے پیش نظر زچہ وبچہ مراکز کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اوردائیوں کی تربیت کے پروگرام خصوصاً دیہات میں شروع کئے جائیں۔

vii) سگریٹ نوشی اورمنشیات کے استعمال کوروکنے کے لئے حکومتی سطح پر منظّم کوششیں کی جائیں۔ایسی تمام اشیاء کی پیداواراورفروخت پر پابندی کے علاوہ اس کاروبار میں ملوث افرادکی سرکوبی کے لئےسخت سے سخت اقدامات کرنے چاہیں۔

2- عملی علاج

جسمانی پسماندہ خصوصی افراد کے علاج وبحالی کے سلسلے میں درج ذیل اقدامات

کرنے چاہیے۔

i) بچے کی پیدائش کے فوراً بعد اگر کسی معذوری کا شک گزرے تو فوراً ڈاکٹر سے رابطہ کرنا چاہیے کیونکہ ابتدائی دنوں کے علاج سے معذوری کو ختم یا کم کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کو اس سلسلے میں طبی سہولتوں میں اضافہ کرنا چاہیے اور خصوصی افراد سے متعلقہ جدید ترین طبی سہولتیں، آرتھوپیڈک، فزیوتھراپی اور دیگر جدید ترین طریقہ علاج کا دائرہ تمام ضلعی ہسپتالوں تک وسیع کرنا چاہیے۔

ii) مصنوعی اعضا بنانے کی فیکٹریوں اور ورکشاپوں میں اضافہ کیا جائے تاکہ بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے شہروں اور دیہات میں بسنے والے خصوصی افراد بھی ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

iii) جسمانی پسماندہ خصوصی افراد کو روزمرہ کے کام کرنے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی تربیت فراہم کی جائے۔

iv) خصوصی افراد کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص اداروں کا جال ملک بھر میں پھیلایا جائے ان اداروں میں انہیں عام تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید فنی تربیت کے مواقع بھی فراہم کئے جائیں اس کے علاوہ ان اداروں کے ساتھ کام کرنے کی ورکشاپس بنانی چاہیے تاکہ خصوصی افراد کے روزگار کی ضرورتوں کو بھی پورا کیا جا سکے۔

v) خصوصی افراد کے لئے تفریحی پروگرام اور کھیلیں منعقد کروانی چاہیے تاکہ یہ افراد بھی خود اعتمادی حاصل کر سکیں۔

vi) خصوصی افراد کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ علاج کے بعد بھی ان سے رابطہ رکھا جائے اور ان سے متعلقہ افراد کے رویوں کو بدلنے کی کوششیں کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنی جسمانی خامیوں کے باوجود اپنے فرائض سہل طریقے سے ادا کر سکیں۔

vii) محکمہ سماجی بہبود، محکمہ صحت اور یونیورسٹی کے شعبہ سماجی بہبود کے باہمی ربط و تعاون سے معذوروں کے بارے میں تحقیق و سروے کروانے چاہیے تاکہ خصوصی افراد کی تعداد، ضروریات اور مسائل کا صحیح ادراک ممکن ہو سکے۔ ان اعداد و شمار کے بغیر مہیا کی جانے والی خدمات ہماری ملکی ضروریات کے لئے ناکافی اور غیر فائدہ مند ہی رہیں گی۔

(viii) ڈاکٹروں اور سماجی کارکنوں کو دوران ملازمت خصوصی تربیت دینی چاہیے۔ کانفرنسوں اورٹریننگ کورسز کے ذریعے انہیں جدید طریقہ علاج کے بارے میں آگاہ کرنا چاہیے تاکہ خصوصی افراد کے علاج اور بحالی کے پروگراموں کو بدلتی ہوئی ضروریات و حالات کی مناسبت سے جدید خطوط پر استوار کیا جاسکے۔

المختصر جسمانی پسماندہ خصوصی افراد ہمارے معاشرہ کا اہم حصہ ہیں اور ان کی ضروریات اور مسائل کے پیش نظر حکومت اور عوام کا فرض اولین ہے کہ انہیں مربوط اور منظّم منصوبہ بندی کے ذریعے خدمات فراہم کی جائیں تاکہ یہ خصوصی افراد بھی اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دے کر معاشرہ کی ترقی میں اپنا کردار فعال طریقے سے انجام دینے کے قابل ہوجائیں۔

ذہنی معذور

ذہنی معذوری سے مراد ذہنی صلاحیتوں میں خلل یا ذہنی نشوونما میں تاخیر اور ذہنی صلاحیتوں کا آہستگی اور سست روی سے بڑھنا ہے۔ جس کے باعث بچہ نہ صرف تندرست بچوں کی نسبت بہت پیچھے رہ جاتا ہے بلکہ اپنے روزمرہ معمولات کی ادائیگی میں بھی مشکلات کا شکار رہتا ہے اور بعض اوقات اپنے اردگرد کے ماحول اور حالات سے بالکل لاتعلق ہو جاتا ہے۔ ذہنی معذوری پیدائشی، موروثی، حادثاتی اور مختلف نفسیاتی و جسمانی بیماریوں اور حادثات کے باعث ہوسکتی ہے۔ عام طور پر اس قسم کی معذوری کو چار درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

-1 معمولی ذہنی پسماندگی (Mild Mental Retardation)

-2 درمیانہ ذہنی پسماندگی (Moderate Mental Retradation)

-3 شدید ذہنی پسماندگی (Severe Mental Retardation)

-4 انتہائی ذہنی پسماندگی (Profound Retardation)

پہلے تین درجوں کے ذہنی پسماندہ خصوصی افراد کو تربیت کے ذریعے اپنے روزمرہ کاموں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ بنیادی تعلیم مثلاً لکھنا، پڑھنا اور ابتدائی حساب وغیرہ

سیکھایا جا سکتا ہے جب کہ آخری درجے کا شکار بچوں کو تربیت دینا تقریباً ناممکن ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے اردگرد کے حالات سے لاتعلق ہوتے ہیں اس لئے وہ تمام عمر اپنی بنیادی ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسرے افراد کے محتاج رہتے ہیں۔

ذہنی معذوری کا شکار خصوصی افراد کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی نشوونما اور ترقی کے لئے درج ذیل ضروریات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

طبی ضروریات

دوسرے خصوصی افراد کی طرح ذہنی پسماندہ خصوصی افراد کے علاج معالجہ کی سہولتیں بہت ضروری ہیں کیونکہ بعض نفسیاتی بیماریاں قابل علاج بھی ہیں اور ادویات کا استعمال ان کی ذہنی کیفیات کو پرسکون بھی کرتا ہے۔ ڈپریشن کا مریض ہو یا شیزوفرینیا کا مریض، مختلف نفسیاتی علاج اور ادویات کا استعمال ذہنی صلاحیتوں کو بڑھانے، ان کے دورانیہ مختصر یا ختم کرنے اور انہیں تندرست زندگی گزارنے میں مددگار رہوتا ہے۔

تعلیمی ضروریات

ذہنی پسماندہ خصوصی افراد کی تعلیمی ضروریات دوسرے خصوصی افراد سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ یہ دوسرے خصوصی افراد کی طرح تعلیم کے مختلف مدارج اور امتحان پاس کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ ان کو صرف بنیادی اور ابتدائی تعلیم مثلاً لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا سیکھایا جا سکتا ہے۔

ملکی افرادی قوت میں اضافہ

ان لوگوں کو تعلیم و تربیت سے لیس کر کے ملکی افرادی قوت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور یہ لوگ اپنے خاندان اور اپنے آپ پر بوجھ نہ بننے کے علاوہ حکومت کے لئے بھی لمحہ فکریہ نہ رہیں گے بلکہ ملکی ترقی میں معاون ثابت ہوں گے۔ جزوی معذور تو خوب کام کر سکتے ہیں۔

مفید شہری بننا

اس گروہ کو خصوصی توجہ درکار ہے۔ جو انہیں معاشی مسائل سے نجات دلانے کے

علاوہ معاشرتی اور نفسیاتی مشکلات سے بھی چھٹکارا دلا سکتی ہے اور یہی لوگ معاشرہ کے لئے ناسور ثابت ہونے کی بجائے مفید شہری بن جائیں۔

خاندانی فوائد

دراصل ان سات تا دس فیصد لوگوں کی بحالی ان افراد کی ہی بحالی نہیں بلکہ اتنے خاندانوں کی مشکلات کا حل ہے جو گھر میں ذہنی معذور فرد یا افراد کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں اور معاشرتی طور پر پست خیال کئے جا رہے ہیں۔

سماجی معذور

پاکستان جو کہ ایک ترقی پذیر ملک ہے اسے کئی ایک سماجی مسائل کا سامنا ہے جس میں افراط آبادی، غربت، ناخواندگی، بے روزگاری، اور ان جیسی کئی ایک دوسری برائیاں شامل ہے جو پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑے ہونے سے روکے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک اہم ترین سماجی حالت و برائی، سماجی معذوری ہے جسے معاشرے پر بوجھ سمجھا جاتا ہے۔

سماجی معذور افراد کو معاشرے کے لئے نا مفید سمجھا جاتا ہے سماجی معذور افراد نا صرف جسمانی طور پر بیمار ہوتے ہیں بلکہ ذہنی اور سماجی طور پر معذور بیمار ہوتے ہیں اور اگر یہ معاشرتی فلاہ و بہبود میں حصہ لینے میں ناکام یا عادی رہیں تب یہ بڑی بُری طرح سے ملکی و معاشرتی ترقی کو متاثر کرتے ہیں معاشرہ ان کو کمتر سمجھتا ہے اور ان کی خوبیوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کرتا ملک پر براہ راست بوجھ ہوتے ہیں اور ملکی وسائل کو بے جا طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ سماجی معذور کسے کہا جاتا ہے۔ ”سماجی معذور افراد سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوئی غیر سماجی فعل سرانجام دے چکے ہوں یا معاشرے کے عطا کردہ معیارات، اقدار اور رسومات کے خلاف زندگی بسر کر رہے ہوں۔“

”سماجی معذوروں سے مراد وہ افراد ہیں جو جسمانی کمزوری، اخلاقی پسماندگی یا

باہمی تنازعات کا شکار ہونے کی وجہ سے متوازن زندگی گزارنے میں دشواری محسوس کرتے ہوں۔ ان کی شخصیات کو اوران کے احساسات وجذبات کو معاشرہ نظرانداز کر دیتا ہے اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان افراد میں شرابی، یتیم، گداگر، نشئی، بیوہ، بے سہارا لڑکیاں اور متعدی بیماریوں میں مبتلا افراد شامل ہیں۔

ماہرین سماجیات نے کہا ہے یہ افراد معاشرے کے منفی رویے، زمانے کی حقارت بھری نگاہوں اور زمانے میں مختلف پیش آنے والے تلخ حوادث کی وجہ سے، معاشرے کے لئے مسائل پیدا کرتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے اس کئی ایک وجوہات ہوسکتی ہے لیکن یہ امر مسلمہ اور متفقہ علیہ ہے کہ وہ لوگ جو سماجی معذور ہوتے ہیں ان کے ساتھ کلنک کا ٹیکہ لگا ہوتا ہے کہ یہ معاشرے کو بے توقیر کمتر، حقیر دکھائی دیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی قابل رحم حالت کی وجہ سے ان کو معاشرے پر بوجھ خیال کیا جاتا ہے جیسے یتیم، بیوہ، غیر قانونی بچے وغیرہ۔

ماہرین خصوصی تعلیم کے خیال میں سماجی معذور افراد کو معاشرہ کی طرف سے زیادہ توجہ دی جانی چاہیے تا کہ وہ معاشرے میں دیگر افراد کے ساتھ شانہ بشانہ چل کر اپنے جائز قانونی اور معاشی حقوق حاصل کرسکیں اور یہ نا صرف خود مسائل کے سمندروں کے تھپیڑوں سے اپنے آپ کو بچاسکیں بلکہ اپنے معاشرے کے لئے مزید مسائل پیدا نہ کریں اور نہ اس پر بوجھ بنیں۔ مزید برآں یہ سماجی معذور افراد معاشرے کی ترقی کے عمل میں شامل ہوں۔

سماجی معذور افراد کے مسائل

پاکستان میں موجود سماجی معذور افراد کو درج ذیل مسائل کا سامنا ہے۔

1- شعور کی کمی

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ پاکستان ایک کم تعلیم یافتہ ملک ہے جس کی وجہ سے لوگ اکثر سماجی معذور افراد کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ہمارے لوگ سماجی معذور افراد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کو نہ جانتے ہیں اور نہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کا شعور ہی

نہیں رکھتے کہ ان سماجی معذور افراد کو اپنی زندگیاں گزارنے کے لئے کسی نہ کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ لوگوں کے اندر سماجی معذور افراد کی ضرورتوں کے شعور کا نہ ہونا ان مسائل میں سے ایک ہے جن کا یہ افراد سامنا کرتے رہتے ہیں۔

2- ناخواندگی

ناخواندگی بھی ان مسائل میں سے ایک بڑا مسئلہ ہے جس کا سماجی معذور سامنا کر رہے ہیں جن مسائل کا سامنا یہ افراد کر رہے اس کی بنیادی وجہ ناخواندگی ہے۔ چونکہ لوگوں کی اکثریت ان پڑھ، جاہل، تو ہم پرست ہے اور اس قابل نہیں کر معذور افراد کے لئے موزوں اقدامات اٹھائیں لہٰذا یہ افراد ڈاکٹرز یا طبی ماہرین کو ملنے اور ان سے علاج کروانے کی بجائے یہ لوگ جھوٹے پیروں، صوفیوں کو ان کے علاج کا بہترین مقام خیال کرتے ہیں اور اپنا اہم وقت اور پیسہ ضائع کرتے ہیں۔ ناخواندگی کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سماجی معذور افراد کو اپنی تمام زندگی غیر مفید ہی رہنا ہے۔

3- مخصوص تعلیمی اداروں کا فقدان

ایک اور پہلو جو سماجی معذور افراد کے لئے مسائل کھڑے کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے لئے بہت کم مخصوص تعلیمی ادارے ہیں اس کی وجہ سے وہ مناسب تعلیم حاصل کرنے کے مواقع سے محروم ہیں ان کے شاندار روشن مستقبل کے لئے ضروری ہے۔ پاکستان میں سماجی افراد کے لئے جو سہولیات موجود ہیں وہ بہت کم اور مسائل کے مقابلے میں ایسے ہی ہیں جیسے آٹے میں نمک۔

4- غلط رویے

سماجی معذور افراد کے اردگرد رہنے والے افراد جن میں ان کے خاندان والے، رشتہ دار اور دوست وغیرہ ہوتے ہیں اُن کے رویے ان کے لئے بڑے منفی ہوتے ہیں خاص طور پر جو سماجی معذور ہوتے ہیں اُن پر غلط کاری ٹیکہ لگا ہوتا ہے ان کے خاندان، رشتہ داروں کو ظالم،، گناہ گار خیال کرتے ہیں۔ اس طرح کے رویے پورے پاکستان میں موجود

ہے۔ یہ رویے نہ صرف سماجی معذور افراد کے ارد گرد رہنے والے افراد کے ہوتے ہیں بلکہ بدقسمت افراد بذات خود اپنی زندگیوں سے مایوس ہوتے ہیں اور کسی بھی قسم کی اُمید سے خالی ہوتے ہیں وہ خود کو اپنے خاندان اور معاشرے پر بوجھ خیال کرتے ہیں۔

5- تفریحی سہولیات کی کمی

دنیا میں موجود تمام انسانوں کو اپنے ذہنی دباؤ کو دور کرنے کے لئے کسی نہ کسی طرح کی تفریح کی ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے۔ تفریح جسمانی سرگرمیوں کے ذریعے سے اپنے ذہنی دباؤ اور تناؤ کو ختم کرنے کا ایک زبردست ذریعے ہے۔ اس کی کمی پاکستان کے طول وعراض میں موجود ہے جو خاص کر سماجی معذور افراد کے لئے ایک بڑا مسئلہ ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور تفکرات کو ختم کرنے کے قابل نہیں ہو پاتے جو مزید ان کی بے چینی میں اضافہ کرتا ہے۔

6- طبی سہولیات کی کمی

سماجی معذور افراد کو پاکستان میں طبی سہولیات انتہائی کم ہے جو کہ ان کے مسائل میں مزید اضافہ کا باعث ہے۔ پاکستان ان افراد کے لئے کوئی خاص قسم کے ہسپتال یا ادارے نہیں ہیں کیونکہ ہمارے نشئی افراد کا علاج اور ان کی مناسب دیکھ بھال انہیں اداروں میں ممکن ہے اگر کچھ موجود ہیں تو پرائیویٹ ادارے ہیں جو نہایت مہنگے اور تمام عوام الناس کی پہنچ سے باہر ہیں۔ ایسے ہی متعدی امراض کا شکار سماجی معذور افراد کے لئے بھی اداروں کا نہ ہونا بھی ان افراد کے لئے بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔

7- روزگار کے کم مواقع

اکثر سماجی معذور افراد چونکہ ناخواندہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں تعلیم کی کمی ہوتی ہے اس لئے یہ نوکریوں کے اہل نہیں ہوتے۔ اگر یہ نوکریوں کے تعلیمی معیار پر پورے اُترتے بھی ہوں تو ہمارے معاشرے کے افراد کے منفی رویے اور میڈیکل رپورٹ اور پولیس رپورٹ کے قوانین ان کی راہ میں بڑا کانٹا بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان افراد کے لئے حکومت وقت کے اقدامات بھی حوصلہ افزاء نہیں اگرچہ معذور افراد کے

2% کوٹہ برائے نوکری مختص ہے لیکن پھر بھی اس کا اطلاق عملی طور پر کم ہی کیا جاتا ہے۔ نوکریوں کی کمی بھی سماجی معذور افراد کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

8- معاشی تحفظ کا نہ ہونا

پاکستان میں سماجی معذور افراد کے لئے کوئی معاشی تحفظ نہیں یعنی ان کو کوئی مالی امداد نہیں دی جاتی۔ یہ بدقسمت افراد اس قابل بھی نہیں ہوتے کہ اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات کے لئے کما سکیں جبکہ دوسری طرف حکومت پاکستان کی طرف سے ان افراد کے کسی بھی قسم کے فنڈز مختص نہیں کئے جاتے۔ لہٰذا یہ معاشی طور پر اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کرتے ہیں۔

سماجی معذور افراد کی بہتری کیلئے اقدامات

ملکی ترقی کے لئے سماجی فلاح و بہبود ضروری ہے۔ وہ افراد جو سماجی طور پر معذور ہیں ان کے مفادات، ان کی ضروریات کا پورا ہونا، معاشرہ کی بھلائی کے لئے مفید ہے۔ یہ وہ بدقسمت لوگ ہیں جو دنیا کی خوشیوں اور رنگینوں سے لطف انداز ہونے سے محروم ہیں۔ لہٰذا سماجی معذورین کی بھلائی اور ان کی زندگی کے معیار کو بلند کرنے کے لئے ہر ممکن اقدامات اُٹھائے جانے چاہیں۔ سماجی معذورین کی بہتری کے لئے درج ذیل اقدامات اُٹھائے جائیں تو ان کے مثالی نتائج برآمد ہوں گے۔

1- سماجی معذورین کی شماریات بندی کرنا

جو اولین قدم اُٹھایا جانا چاہیے وہ ان بدقسمت افراد کے متعلق اعداد و شمار اکٹھا کرنا چاہیں یہ شماریات ہر طرح کی معذوری سے متعلق اکٹھا کیا جانا چاہیے۔ یہ حکومت وقت کے لئے معاون معلومات ہوں گی۔ جن کو مدنظر رکھ کر ضروری، اقدامات اٹھا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت وقت ان افراد کو مطلوبہ خدمات مہیا کر سکتی ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے۔

2- محبت اور تحفظ کا احساس دلانا

سماجی معذور افراد کے لئے بنیادی ضرورت سماجی تحفظ کا احساس دلانا ہے۔ اگر یہ ضروریات پوری نہ ہوں تو یہ لوگ معاشرے کے لئے مضر اور ناسور بن سکتے ہیں لیکن اگر یہ خواہشات وضروریات پوری ہو جائیں تو یہی معاشرے کا سرمایہ بن سکتے ہیں یہ بنیادی ضروریات صرف اسی صورت میں پوری ہوسکتی ہیں جس وقت ان لوگوں کے رشتہ دار، اہل خاندان، دوست احباب ان کو قابل محبت اور مطلوب افراد سمجھیں بجائے ایک بوجھ کے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں سماجی معذورں کے مسائل کو کم کرنے کے لئے ان کو محبت دینا اور انہیں تحفظ دینا اشد ضروری ہے۔

3- تعلیمی ضروریات

سماجی معذوروں کے مسائل کے لئے خاتمے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کو تعلیمی ضروریات وسہولیات دینے کے لئے سکول وکالج کھولنے چاہیں۔ یہ سکول اعلیٰ معیار والے ہونے چاہیں اگر ایسا ہو جائے گا تو نہ صرف ملک کی شرح خواندگی میں اضافہ ہوگا یہ لوگ ملکی معیشت پر مزید بوجھ نہ رہیں گے اور بذات خود کمانے کے قابل بھی ہو جائیں گے۔

4- پیشہ ورانہ ادارے

ایک اور قدم جو اٹھایا جا سکتا ہے وہ پیشہ وارانہ اداروں کا قیام ہے جہاں جسمانی، ذہنی اور سماجی معذروین کو مختلف پیشوں اور فنون کی تعلیم دی جائے مثلاً دستکاریوں، کمپیوٹر وغیرہ کی۔ یہ ان کے لئے آئندہ کی زندگی میں معاون ہوگا کیونکہ وہ اس حد تک ماہر اور صاحب ہنر ہو جائے گا کہ مختلف پیشوں میں اپنی خدمات کو پیش کر سکے گا۔

5- طبی سہولیات کی فراہمی

سماجی معذور افراد کے لئے طبی سہولیات کی کمی کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور اس کا حل یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے خصوصی ہسپتال بنائے جانے چاہیے۔ ان کو عام زندگی میں سے حصہ لینے کے قابل بنانے کے لئے مناسب طبی سہولیات جن میں ادویات طبی ادارے

نفسیاتی علاج معالجہ کے لئے ماہرین نفسیات وغیرہ زیادہ سے زیادہ مہیا کئے جانے چاہیے خاص کرنشہ باز افراد کے لئے ادویات فری ہونی چاہیں اوران کے علاج کے لئے سنٹر یا ہسپتال میں سہولیات بھی ان کو فری دی جائیں۔

6- معاشی تحفظ کی فراہمی

کوئی بھی شخص جو اپنے آپ کو مالی طور پر محفوظ خیال نہیں کرتا وہ پر سکون اورآرام دہ زندگی نہیں گزار سکتا۔ایسے ہی خاص کر سماجی معذوروں کے معاملہ میں یہ حقیقت بڑی قابل توجہ ہے کہ ان افراد کو جلد از جلد اور زیادہ معاشی تحفظ دیا جانا چاہیے۔اس کے لئے حکومت وقت کو چاہیے کہ ان کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دے۔

7- تفریحی سرگرمیوں کی فراہمی

تفریح سرگرمیوں کی فراہمی کر کے سماجی معذورین کے کئی ایک مسائل کا حل کیا جا سکتا ہے عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ سماجی معذور افراد اپنے آپ کو تنہا خیال کرتے ہیں وہ مایوس ہوتے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے بڑے ذہنی تناؤ میں بھی ہوتے ہیں لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ ایسے افراد کے لئے تفریحی سرگرمیوں اور تفریحی سنٹرز، تفریحی پارکوں کا اجراء کرے جہاں وہ اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کرسکیں۔

8- رویوں کو بدل کر

سماجی معذور افراد کی حالت بہتر بنانے کے لئے اوران کے مسائل کم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے منفی رویوں کو بدلا جائے ان کو Educate کیا جائے اس کے علاوہ معذور افراد کو علاج معالجہ کے لئے پیشہ ورانہ طبی ماہرین کے پاس لے کر جائیں تا کہ جھوٹے پیروں کے پاس دربدر کے دھکے نہ کھاتے پھریں۔ اس کے علاوہ لوگوں کے رویوں کو بھی بدلنا چاہیے ان کو بتایا جائے کہ جو لوگ کسی مجبوری یا غلطی کوتاہی کی بنا پر کوئی جرم کرنے پر مجبور ہو گئے تو وہ ان کو قابل نفرت نہ سمجھیں۔ زانی، شرابی، چور، ڈکیٹ لوگوں کی جانب منفی رویہ بدلا جانا چاہیے کیونکہ وہ اپنی بقیہ زندگی اپنے جرم کی ندامت کے احساس کے

سائے میں نہیں گزار سکتے۔

الختصر یہ کہ کوئی بھی اقدامات ہوں یا منصوبہ بندی، اس وقت کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک انفرادی کوششوں کی بجائے اجتماعی کوششیں نہ کی جائیں اوران کی کامیابی کے لئے یہ شرائط ہیں کہ ان کوششوں کے پیچھے دردمندی، خلوص، ایمانداری، سچائی، نظم وضبط اورعزم صمیم سے بھرے دل ودماغ کام کریں تب ہی جاکرتو قومیں اپنی ترقی کی معراج کو پہنچتی ہیں۔

بڑی لعنت کے خلاف جہاد

اس بحث کے بعد ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ دراصل ہم ایک قلیل گروہ کی بحالی کے اقدامات نہیں کررہے بلکہ ایک بڑی لعنت کے خلاف جہاد کررہے ہیں۔ جو معاشرہ کے لئے ناسور ہے۔ معذوروں کی فلاح کے لئے جو بھی اقدامات کئے جائیں معاشرہ پرمثبت اثرات مرتب کریں گے۔ جس سے معاشرہ دیگر معاشروں میں باعزت مقام حاصل کرے گا اوران اقدامات کی عدم موجودگی معاشرہ پر دھبہ ہوگا۔ معاشرتی ترقی محدود بلکہ معدوم ہو جائے گی۔ انہی وجوہ کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معذور خواہ کیسا ہی ہو، اس کی بحالی ضروری ہے تاکہ بات بگڑنے نہ پائے ورنہ معذوراور تندرست سبھی اس آفت میں پھنس سکتے ہیں۔

سماجی کارکن کا کردار

1- وہ ان کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے لئے سروے کرسکتا ہے۔
2- ان لوگوں کومختلف گروہوں میں بانٹ کر مشاورت کی خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔
3- وہ معذوروں کے خاندانوں، اہل محلّہ اور پھر معاشرہ کو مسئلہ کی نوعیت سے آگاہ کر سکتا ہے اور سب کو مسئلہ کے حل پر آمادہ کرسکتا ہے۔
4- معذوروں کی بحالی کے لئے سماجی قانون بنانے میں معاونت کرسکتا ہے۔
5- بحالی کے اداروں کی رہنمائی کرسکتا ہے۔
6- دوران تربیت اور بعداز تربیت ان اداروں کی کارکردگی جانچ سکتا ہے اور نتیجتاً معاشرہ کو اعتماد میں لے سکتا ہے۔

7- ان لوگوں کی بحالی میں معاونت کرسکتا ہے۔

المختصر ایک سماجی کارکن ان تمام اقدامات میں اپنا موثر اور بھرپور کردار ادا کرسکتا ہے جو اس مخصوص گروہ کی بحالی کے لئے کیئے جائیں۔

اہم سوالات

1- جسمانی معذوروں کی ضروریات، وجوہات اور مسائل کے علاوہ اُن کے تدراک کے لئے اقدامات تجویز کریں؟

2- ذہنی معذوری کی اقسام اور ذہنی معذوروں کی ضروریات بیان کریں؟

3- سماجی معذوری سے کیسا مراد ہے نیز سماجی معذوروں کی فلاح و بہبود کے لئے اقدامات تجویز کریں؟

باب نمبر 9

پاکستان کے سماجی مسائل

1- سماجی مسئلہ کی تعریف و تفصیل

2- سماجی مسائل کی عمومی وجوہات

3- پاکستان کے بڑے سماجی مسائل (منشیات کا استعمال، ناخواندگی، افراطِ آبادی، گداگری، کم سنی کے جرائم، جرائم

باب نمبر 9

پاکستان کے سماجی یا معاشرتی مسائل

(Social Problems of Pakistan)

معاشرتی مسئلے کی نوعیت

مفہوم

انسان اپنی روزمرہ کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے شب وروز کوشاں رہتا ہے۔اسے ان کی تکمیل کے لیے بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کوئی ذریعہ روزگار کے لیے مارا مارا پھرتا ہے۔کسی کو سر چھپانے کے لیے جگہ نہیں ملتی اور کسی کا عزیز کسی مہلک مرض کا شکار نظر آتا ہے۔اس وسیع وعریض دنیا میں ایسے لوگوں کی نشاندہی کرنا بہت ہی مشکل ہے جو کہ مکمل طور پر بہت ہی بے فکر اور مطمئن ہوں۔ورنہ ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی کا شکار نظر آتا ہے۔جسے ہم عام زبان میں مسئلہ (Problem) کہتے ہیں۔

مسئلہ کی اگر ہم تعریف کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ مسئلہ کسی بھی ایسی حالت کا نام ہے جس میں سے کوئی شخص نکلنا چاہے۔روزمرہ کی زندگی میں بہت سی حالتوں اور واقعات کا ہمیں سامنا کرنا پڑتا ہے مگر جو چیز اس حالت یا Situation کو مسئلہ بناتی ہے وہ اُس سے نکلنے یا اُس کو حل کرنے کی ''چاہت'' ہے۔اگر یہ چاہت یا خواہش ہمارے اندر نہ ہو تو کوئی بھی حالت Condition یا Situation ہمارے لئے مسئلہ نہیں کہلائے گی۔

لیکن کبھی کبھی معاشرے میں ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ ملک یا معاشرے

کے بہت سے لوگ ایک ہی پریشانی کا شکار نظر آتے ہیں مثلاً پاکستان میں پڑھے لکھے نوجوانوں میں زیادہ تر لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ انہیں ان کی علمی قابلیت کے معیار کے مطابق نوکریاں نہیں ملتیں۔ یورپ میں اکثر والدین کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ان کے بچے چھوٹی عمر سے ہی نشہ آور اشیاء کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ تو ایسی صورت حال جس سے معاشرے کی کثیر تعداد ناپسندیدہ طریقے سے متاثر ہو اور اس کو حل کرنے کے لئے مشترکہ طور پر سوچیں نیز اس سوچ پر عمل کرنے کی کوشش بھی کریں تو یہ حالت معاشرتی مسئلہ کہلاتی ہے۔

یعنی: ''ایک معاشرتی مسئلے سے مراد معاشرہ کی ایک ایسی حالت ہے جو ناگزیر طریقے سے معاشرے میں پیدا ہو جائے اور جس کو ارکان معاشرہ ناروا اور نامناسب سمجھیں۔ لیکن ان کو اس بات کا یقین ہو کہ کوشش اور عمل سے یہ ناقابل قبول حالات درست کئے جاسکتے ہیں۔''

معاشرتی مسئلہ مفکرین کی نظر میں

لسٹر فرینک وارڈ (Lester Frank Ward) نے معاشرتی مسئلے کی توضیح یوں کی ہے:

''معاشرتی مسئلہ ایسی معاشرتی حالت ہے جس کے متعلق لوگوں میں ناپسندیدگی کا احساس پیدا ہو جائے اور وہ اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔''

ماہر عمرانیات رین ہارٹ (Rein Hart) میڈوس (Meadows) اور گلٹ (Gillette) نے مشترکہ طورر معاشرتی مسئلے کی مندرجہ ذیل تعریف پیش کی ہے۔

''معاشرتی مسئلہ ایک ایسی غیر مرئی اصطلاح ہے جو سادہ اور پیچیدہ معاشروں میں موجود تکلیف دہ حالات کی عام خصوصیات پر محیط ہے۔ جو عوام کی توجہ کا مرکز بنتے رہتے ہیں۔''

سی ایم کیس (C.M. Case) کی پیش کردہ وضاحت بھی اسی نوعیت کی ہے:

''معاشرتی مسئلہ ایسی معاشرتی حالت ہے جو کسی بھی معاشرے میں محققین کی اکثریت کی توجہ کا مرکز بنتی ہے اور ان کا مشترکہ اجتماعی کوششوں سے حل یا تدارک ڈھونڈ ھنے پر ابھارتی ہی۔''

مارٹن ایچ نیومر (Martin H Neumeyer) کی نظر میں:

''سماجی مسئلہ ذاتی اور معاشرتی انتشار کے اندر سے پیدا ہوتا ہے۔''

لارنس کے فرینک (Lawrence K. Frank) کا کہنا ہے:

''کوئی مشکل یا غلطی جس کا بہت سے لوگ شکار ہوں اور ہم اسے دور کرنے یا صحیح کرنے کی خواہش کریں یہ غلطی یا مشکل سماجی مسئلہ کہلاتی ہے۔''

جان ایف سوبر کا خیال ہے کہ

''معاشرتی مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی معاشرے میں ایک گروہ تمام معاشرتی حالات میں تبدیلی لانے کی کوشش کرے۔''

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ عام طور پر سماجی مسائل اور سماجی برائیوں کی اصطلاحوں کو ہم معانی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایک ہی زبان کے دو لفظ یا اصطلاحات کبھی بھی ہم معانی نہیں ہوتے۔ ان میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور موجود ہوتا ہے۔ یہاں بھی صورت حال ایسی ہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے مسئلہ کے بارے میں کہنا ہے کہ مسئلہ کسی ایسی Situation یا حالت کا نام ہے جس سے کوئی شخص نکلنا چاہے۔ تو برائی سے یہ مراد ہے کہ کوئی ایسی رسم یا عادت جس سے خرابی صحت کے ساتھ ساتھ پیسے کا ضیاع بھی شامل ہو۔ اسی طرح سماجی برائی سے مراد وہ تمام عادات اور رسومات ہیں جن میں معاشرہ کے رہنے والے افراد کی کثیر تعداد ملوث ہو اور اُن کو معاشرہ میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے۔

عام طور پر سماجی برائی اور مسئلہ کا ایک دوسرے پر انحصار ہوتا ہے۔ جیسے غربت کی وجہ سے گداگری اور چوری جیسی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ غریب جو کہ ایک سماجی مسئلہ ہے اور گداگری ایک سماجی برائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی Situation ایک وقت میں سماجی مسئلہ ہو اور دوسرے وقت سماجی برائی یا ایک وقت میں ایک سماجی برائی دوسرے وقت میں سماجی مسئلہ ہو۔

پاکستانی معاشرہ کے سماجی مسائل اور برائیاں

پاکستانی معاشرہ بہت سے سماجی مسائل اور برائیوں میں گھرا ہوا ہے۔ کچھ ایسے مسائل ہیں جو اسے اپنی پیدائش کے ساتھ ہی مل گئے تھے۔ کچھ ایسے مسائل ہیں جو بعد کے حالات کی پیداوار ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے ایسے مسائل ہیں جو کسی دوسرے ترقی پذیر ملک کے ہو سکتے ہیں۔

درج ذیل میں کچھ سماجی مسائل اور برائیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

1- غربت	2- سیاسی عدم استحکام	3- فرقہ پرستی
4- بے روزگاری	5- جہالت اور ناخواندگی	6- افراط آبادی
7- مسئلہ کشمیر	8- لسانی و علاقائی اختلافات	9- سست معاشی ترقی
10- سست سماجی تبدیلی	11- معاشرتی انتشار	12- وسائل کی کمی
13- وسائل کا ضیاع	14- فضول رسم و رواج	15- جہیز کی لعنت
16- نمود و نمائش	17- ظلم اور بے انصافی	18- حسد
19- جھوٹ	20- چوری	21- پست معیار تعلیم
22- پست معیار صحت	23- گداگری	24- رشوت
25- اقربا پروری	26- منشیات کا استعمال	27- اخلاقی کمزوریاں
28- صنعتوں کا فقدان	29- کم پیداواری صلاحیت	30- دھوکہ دہی

معاشرتی مسائل اور برائیوں کے عمومی اسباب

آج کل دنیا کے تمام معاشروں میں جہاں معاشرتی مسائل کی شدت کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس بات پر توجہ دی جا رہی ہے کہ ان مسائل کے پیدا کرنے والے اسباب کا پتہ چلا کر ان کو معاشرے سے ختم کرنے کے سلسلے میں موثر اقدامات کیے جائیں۔ تحقیق اور مشاہدے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ کسی ایک معاشرتی مسئلے کے ابھرنے کا کوئی ایک

سبب نہیں ہوتا بلکہ کئی اسباب مل کر معاشرے میں مسئلے کو ابھارتے ہیں۔ کہیں یوں بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی ایک سبب سے معاشرہ بیک وقت کئی مسائل کی آماجگاہ بن گیا۔ کبھی معاشرے میں ایک مسئلے کے پیدا ہونے سے کئی دوسرے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ مسائل کا گہرا مطالعہ اوران سے متعلق اسباب کی تحقیق ہی درست ترین نتائج تک پہنچا سکتی ہے۔

تمام معاشروں میں معاشرتی مسائل کے پیدا کرنے میں جن اسباب کا گہرا دخل ہے ان کا مختصر جائزہ درج ذیل کیا جارہا ہے۔ ان اسباب کی روشنی میں متعلقہ مسائل کی بھی نشاندہی کی جارہی ہے۔ ان میں چند مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق پاکستان سے ہے۔ جو یہاں کے خاص پس منظر اور حالات کے سبب پیدا ہوئے ہیں جبکہ بیشتر مسائل ایسے ہیں جو نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر معاشروں میں موجود ہیں جہاں اس قسم کے اسباب پیدا ہو گئے ہوں۔

1- معاشرتی تغیر

معاشرتی تغیر ہر دور اور ہر معاشرے میں آتا رہا ہے اور آج بھی دنیا کے بیشتر معاشرے تبدیلیوں سے دوچار ہیں۔ جہاں ان تبدیلیوں کو معاشرے میں لانے میں ایک طبقہ نمایاں کردار انجام دے رہا ہے، وہاں ہر معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو ان تبدیلیوں کی مخالفت کرتے ہوئے ان تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ اس طرح جب معاشرے میں دو متضاد طرزِ فکر رکھنے والے طبقے پیدا ہو جائیں تو معاشرہ کئی مسائل سے دوچار ہو جاتا ہے جن میں والدین اور اولاد کے درمیان تنازعہ، اقدار میں تنازعہ، نوجوانوں کی بے راہ روی اور خاندانی انتشار جیسے مسائل قابل ذکر ہیں۔

2- صنعتی ترقی

مشینوں کی ایجاد سے صنعتوں کو ترقی دینے کا رجحان دنیا کے معاشروں میں بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صنعتی ترقی سے قومی معیشت میں اضافہ ہوتا ہے اور ملک ترقی کر سکتا ہے۔ مگر شروع شروع میں صنعتی ترقی سے معاشرے میں کچھ ایسی تبدیلیاں آتی ہیں جو ملک

کے لیے بجائے فائدے کے مسائل کا سبب بن جاتی ہیں مثلاً ایسے معاشرے جہاں کی معیشت کا دارومدار زراعت پر ہے صنعتوں کو فروغ دینے سے غربت، بے روزگاری اور طبقاتی کشمکش پیدا ہوگئی ہے۔ زرعی معاشروں میں لوگوں نے مشینوں کو ذہنی طور پر قبول نہیں کیا۔ خاص طور پر ہمارے کسان روایتی طریقوں سے زراعت کے عادی ہیں اور کاریگر جو ہاتھ کی محنت سے روزگار حاصل کرتے ہیں یا جانوروں کی مدد سے آمدورفت کا کام لیتے ہیں صنعتوں کی ترقی سے بے روزگاری کے شکار ہو گئے ہیں۔ ان کی محنت کی اہمیت نہیں رہی۔ صنعتی ترقی سے سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت ملتی ہے۔ محنت کشوں کے دل میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ صنعتی ترقی سے جہاں شہروں کو فروغ ملتا ہے۔ وہاں روپے پیسے کی ریل پیل سے نائٹ کلب جواخانے، طوائفوں کے اڈے اور سینما جیسے غیر صحتمند تفریح کے ذرائع میں بھی اضافہ ہوتا ہے جو بچوں اور نوجوانوں کے ذہن پر برے اثرات مرتب کرتا ہے ان حالات کے ماتحت جرائم، بے راہ روی، خاندانی انتشار، طبقاتی کشمکش جیسے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔

3- ثقافتی خلاء

ثقافت کے مادی پہلوؤں میں ترقی کی رفتار تیز ہوجاتی ہے جبکہ ثقافت کے غیر مادی پہلو اس رفتار سے ترقی نہیں کرتے جس کے نتیجے میں معاشرہ میں ایک طرح کا فکر اور عملی زندگی میں فاصلہ یا خلیج پیدا ہوجاتا ہے۔ جس کو ماہر عمرانیات ولیم ایف آگبرن (W.F. Ogburn) نے ثقافتی خلاء کا نام دیا ہے۔ جن معاشروں میں ثقافتی خلاء پایا جائے۔ وہاں چند ایک مسائل پائے جاتے ہیں۔ جن میں بوڑھوں کا مسئلہ، والدین اور اولاد کے درمیان متنازعہ، نوجوانوں کی بے راہ روی جیسے مسائل قابل ذکر ہیں۔ ثقافت کے مادی پہلوؤں میں ترقی کے سبب معاشرے میں مشینوں کا استعمال عام ہو جائے اور دوسری طرف اقدار اور روایات یا افکار ان کے استعمال کی اجازت نہ دیں تو بے روزگاری اور غربت جیسے مسائل بڑھتے ہیں۔ مثلاً ہمارے کسان آج بھی زراعت میں جدید آلات اور مشینوں کا استعمال پسند نہیں کرتے جس سے فصلیں بہتر نہیں ہوتیں اور وہ غربت کا شکار ہیں۔

4- زندگی میں پیچیدگی

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور ہے۔ روزمرہ زندگی میں مشینوں کا استعمال عام ہوتا جارہا ہے۔ جس سے ایک طرف صنعتوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے تو دوسری طرف انسانی محنت کی قدر و قیمت گھٹتی جا رہی ہے۔ فلک بوس عمارتیں، تیز رفتار سواریاں، ملیں، کارخانے یہ سب آج کے معاشرے کی ترقی کے عکاس ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آج کے انسان کو وہ تمام آسائشیں میسر ہیں جو پہلے نہیں تھیں۔ مگر جہاں تک اس کی معاشرتی زندگی اور اس کی مصروفیات کا تعلق ہے وہ دن بدن پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے اور اس میں اُلجھنیں اور مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔

5- اقدار کی کشمکش

غیر مادی ثقافت میں تغیر سے اقدار متاثر ہوتی ہیں، پرانی قدریں اہمیت کھوتی جاتی ہیں اور ان کی جگہ نئی اقدار نئے معیارات کے ساتھ ابھرتی ہیں۔ چونکہ اقدار کا گہرا تعلق مذہب اور رسم و رواج سے ہوتا ہے اور اقدار ایک طویل عرصے سے لوگوں کے ذہنوں پر اثر انداز رہتی ہیں۔ ان میں تبدیلی لوگ برداشت نہیں کرتے۔ کچھ لوگ نئی اقدار کا دفاع کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگ پرانی اقدار برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کشمکش سے معاشرہ بیک وقت کئی مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ والدین اور اولاد کے درمیان تنازعہ اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ایسے معاشرے جہاں مذہبی ثقافتی اور نسلی اعتبار سے مختلف قومیتوں کا احساس ہو وہاں بھی متضاد اقدار کام کرنے لگتی ہیں۔ جس سے طبقاتی کشمکش، صوبائیت کے جھگڑے اور تصادم جیسے مسائل ابھر آتے ہیں۔

6- معاشرتی انتشار

کبھی کبھی معاشرے میں ادارے اپنے وظائف کی ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں جس سے افراد کی ضروریات کی تکمیل بحسن وخوبی نہیں ہوتی تو اس سے نہ صرف اس متعلقہ سماجی ادارے میں بلکہ تمام معاشرے میں انتشار اور بدنظمی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جرائم،

بے راہ روی، سیاسی عدم استحکام، خاندانی انتشار اور معاشی مسائل کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

7- غربت

معاشی حالات کی خرابی یا غربت کو ماہرین عمرانیات نے بیشتر مسائل کا سبب قرار دیا ہے۔ غربت بذات خود بھی ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔ اس سے نہ صرف دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں بلکہ غربت سے ملک کے تعمیری اور ترقیاتی منصوبے بھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتے۔ غریب معاشروں میں افراد اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل قانونی حدود میں نہیں کر سکتے تو وہ غیر قانونی ذرائع اپنا لیتے ہیں۔ اسی سے ملک میں جرائم اور بے راہ روی جیسے مسائل عام ہو جاتے ہیں۔ غربت کے سبب والدین اپنے بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں کر سکتے۔ نیز غریب معاشروں میں تعلیمی اداروں شفا خانوں اور تفریح گاہوں کی کمی بھی ہوتی ہے۔ جس سے بچوں کی پرورش پر برا اثر پڑتا ہے۔

8- دیہی و شہری نقل مکانی

دیہات سے شہروں کی جانب ہجرت کا سلسلہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ شہری زندگی کی چمک دمک اور روپے پیسے کی زیادتی کا تذکرہ دیہاتیوں کے دل میں شہر جا کر دولت مند بننے کی خواہش ابھارتا ہے اور وہ اپنی روایتی زندگی اور آبائی پیشوں کو ترک کر کے شہروں کی جانب چل پڑتے ہیں۔ مگر شہر پہنچ کر ان کی تمام امیدوں پر اوس پڑ جاتی ہے اور انہیں زبردست دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ صرف خود پریشان ہوتے ہیں بلکہ ان کی موجودگی شہروں کو کئی مسائل کا شکار بنا دیتی ہے۔ دیہاتیوں کی شہروں کی جانب نقل مکانی سے گو شہر وسیع ہو رہے ہیں مگر ان کی آبادکاری مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ جو مسائل پیدا ہو جاتے ہیں ان کا تعلق بھی دیہاتیوں سے ہے مثلاً دیہاتی عموماً ان پڑھ ہوتے ہیں وہ کسی میدان میں مہارت نہیں رکھتے۔ بے انتہا سادہ لوح اور اونچ نیچ کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ وہ دیہات سے اپنے ذہن میں راتوں رات امیر بننے کا تصور لے کر شہروں کی جانب آتے ہیں۔ یہاں آ کر جب انہیں ملازمت نہیں ملتی تو ان کے لئے غذا اور رہائش کا

مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ان حالات میں عموماً انہیں شہر کے گندے اور پسماندہ علاقوں میں رہنا پڑتا ہے۔ یہاں پر انہیں جرائم کی ترغیب ملتی ہے یا انہیں مجرم آلہ کار بنا کر اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔

9- جنگ یا سیاسی بحران

ہر معاشرے میں امن وسکون کی بحالی اور تنظیم برقرار رکھنے کے لئے سیاسی استحکام لازم ہوتا ہے۔اگر حکومت یا سیاسی ادارے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے سے قاصر رہیں تو ملک انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔لاقانونیت پھیل جاتی ہے۔معاشرے میں منفی قوتیں برسرکار آجاتی ہیں جس سے معاشرے میں ضبط ختم ہو جاتا ہے۔خودغرضی اور بدکردار افراد اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔جس سے جرائم بے راہ روی اور انتشار پھیلتا ہے۔اس قسم کے حالات پیدا کرنے میں جنگ کا بھی کافی دخل ہے۔وہ معاشرے جہاں جنگ چھڑتی ہو۔اندرونی طور پر انتشار، بدنظمی اور مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں چونکہ حکومت کی پوری توجہ دشمن سے مقابلے پر ہوتی ہے۔ملکی اندرونی معاملات پر توجہ کم ہو جاتی ہے۔اس موقع سے مجرم اور ملک دشمن عناصر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

10- شخصی انحطاط

ہر معاشرہ افراد کے کردار کو منظّم کرنے کے لیے کچھ اصول وقوانین نظام اقدار اور معیارات کو تشکیل دیتا ہے جس کی ہر فرد کو پابندی کرنی پڑتی ہے۔اگر کوئی فرد ان سے انحراف کرتا ہے تو معاشرہ اس کا محاسبہ کرتا ہے اور وہ فرد مذہب معاشرتی قوانین اور حکومت کی نظر میں قابل سزا ہوتا ہے۔جیسے شراب نوشی، بدکاری، بری عادات میں مبتلا ہونا، جنسی بے راہ روی ہمارے معاشرے میں شخصی انحطاط کی نشانیاں ہیں اور ایسا فرد قابل مذمت اور قابل سزا ہے۔یہاں پر اس بات کا ذکر اہم ہے کہ اچھائی یا برائی کے معیارات ہر معاشرے میں مختلف ہوتے ہیں مثلاً خواتین میں جنسی بے راہ روی یا مردوں سے میل جول ہمارے معاشرے میں تو ناپسند کیا جاتا ہے جبکہ یہ بات امریکہ یا انگلستان میں قابل قبول ہے۔شخصی

انحطاط عام ہو جائے تو معاشرے میں بے راہ روی، جرائم، اخلاقی گراوٹ اور انتشار جیسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

11- نسلی یا ثقافتی اختلافات

وہ معاشرے جہاں مختلف ثقافتوں کا وجود ہو گروہی تنازعات صوبائیت اور اونچ نیچ برتری کمتری جیسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر ثقافت سے متعلق طبقے میں اپنے آپ کو زبان لباس رسم و رواج اور طور طریقوں کو اچھا اور دوسروں کو کمتر یا برا سمجھنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ احساس ایک ملک کی سالمیت کو ختم کرنے اور قومی استحکام کو پارہ پارہ کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آج کل تمام دنیا میں رنگ و نسل اور ذات پات کی بنیاد پر اونچ نیچ کا امتیاز بھی مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ امریکہ میں نیگرو اور سفید فام اقوام کے درمیان تنازعہ اور ہندوستان میں طبقاتی کشمکش اس کی اچھی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

12- جسمانی اور ذہنی امراض

جسمانی یا ذہنی اعتبار سے بیمار افراد اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو پورا نہیں کر سکتے بلکہ ان کی کفالت اور تیمارداری دوسروں پر بوجھ بن جاتی ہے۔ اگر خاندان کا سرپرست بیمار ہو جائے تو خاندان کی کفالت مسئلہ بن جاتی ہے۔ اگر ماں بیمار رہے تو پورے گھر کا انتظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ بچوں کی تربیت دیکھ بھال متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح اپاہج یا بیمار بچے بھی والدین کے باعث رنج و پریشانی بنے رہتے ہیں۔ جن کا والدین کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے اور وہ اپنی دیگر ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے سکتے۔ ان حالات میں بچوں کی بے راہ روی، جرائم، بیروزگاری اور خواتین کی بے راہ روی جیسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

13- فطری آفات

جب بھی کوئی معاشرہ فطری آفات کا شکار ہو جاتا ہے تو اس میں ایک طویل عرصے تک مسائل کی شدت کو محسوس کیا جاتا ہے، سیلاب، زلزلے، قحط اور وبائی امراض کے

پھوٹنے سے آبادی کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ پیداوار اور صنعتیں متاثر ہوتی ہیں۔ کام کرنے والوں کی کمی کے سبب روزمرہ زندگی کے کاموں میں خلل پڑتا ہے۔ بے گھر افراد کی آبادی کاری کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ جرائم کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ جسمانی اور ذہنی امراض کی تعداد میں اضافہ مسئلہ بن جاتا ہے۔ معاشرے کی ازسرنو تعمیر و تشکیل میں ایک طویل عرصے تک کوشش اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

14- رسم ورواج، روایات

عام زندگی کے وہ طور طریقے جو کسی زمانے میں آباؤ اجداد کی نظر میں پسندیدہ تھے، نسل در نسل منتقل ہو کر بغیر کسی تبدیلی کے اپنا لئے جاتے ہیں۔ ان طریقوں کو رسم ورواج کا نام دے کر ہر معاشرہ میں ہر فرد کو ان کا پابند بنایا جاتا ہے۔ بعض رسم و رواج وقت کے گزرنے کے ساتھ اپنی اہمیت کھو چکے ہوتے ہیں بلکہ وہ تکلیف دہ اور نقصان پہنچانے والی قدریں بن جاتے ہیں مگر آباؤ اجداد کی تقلید کا رجحان انہیں اپنانے پر مجبور رکھتا ہے۔ ہندوستان، پاکستان، افریقہ، آسٹریلیا کے قبائلی علاقوں میں معاشرتی زندگی میں رسم ورواج اور روایات کا کافی دخل ہے ان معاشروں میں ہمیں ایسے مسائل ملتے ہیں جن سے عوام سخت پریشان تو لگتے ہیں۔ مگر ان سے نجات حاصل کرنا ان کے بس کی بات نہیں لگتی۔ ان مسائل میں جہیز شادی بیاہ کی رسومات پر مخصوص اخراجات، مذہبی اور ثقافتی تہوار، رسمیں، مختلف موقعوں پر تحائف کا تبادلہ جیسے مسائل قابل ذکر ہیں۔

15- بے روزگاری

بے روزگاری سے مراد ایسی صورتحال ہے جس میں افراد کام کرنے کی خواہش اور صلاحیت رکھتے ہوں لیکن حسب صلاحیت کام کے حصول میں ناکام رہیں۔

یہ فطری بات ہے کہ انسان زندہ رہنے کے لیے معاشی جدوجہد میں لگا رہتا ہے۔ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے روٹی، کپڑا اور مکان کے حصول کے لیے وہ کام کرتا ہے اور اپنی اور اپنے خاندان کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ بے روزگاری انسان کو انفرادی طور پر اور

نتیجتاً پورے معاشرے کو بہت بری طرح متاثر کررہی ہے۔

بے روزگاری کی وجہ سے معاشرے کی اچھی خاصی افرادی قوت بے کار رہتی ہے کیونکہ انسانی قوت کا ذخیرہ ممکن نہیں ہے۔ جب کسی شخص کو اپنی قابلیت کے مطابق نوکری نہیں ملتی تو وہ اپنی صلاحیت سے کم کام کرنے کو بھی بعض اوقات تیار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پاکستانی معاشرے میں کثیر تعداد میں انجینئرز، ڈاکٹرز، پروفیسرز معمولی نوکریاں کر کے اپنا گزراوقات کرتے ہیں۔ اس سے افرادی قوت کا ضیاع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بے روزگاری فقر وفاقہ کو جنم دیتی ہے اور فقر وفاقہ سوسائٹی کے امن وسکون کے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

16- جہالت اور ناخواندگی

پاکستان میں برائیوں کے پھیلنے اور زور پکڑنے کا سب سے بڑا سبب جہالت ہے۔ اس نے افراد میں بہت سی خرابیاں کمزوریاں اور کوتاہیاں پیدا کر دی ہیں۔ جنھوں نے افراد کو اس قدر پستی میں گرا دیا ہے کہ پھر اٹھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا ان کا اپنے آباؤ اجداد اور مذہبی راہنماؤں کی بغیر سوچے سمجھے تقلید کرنا اپنی عقل سے کچھ کام نہ لینا اور نہ قرآنی تعلیم پر غور کرنا یہ سب جہالت ہے۔

تعلیم کا فروغ اور جہالت کا خاتمہ عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے تمام ممالک کوشاں ہیں کہ ان کے عوام علم کے نور سے منور ہو جائیں اقوام متحدہ بھی جہالت اور ناخواندگی کے خلاف برسر عمل ہے۔

17- قرآن وسنت سے غفلت

آج مسلمان توحید سے کس قدر دور اور شرک وبدعت سے کس قدر قریب ہو گئے وہ کس قدر بے اصل اور گمراہ کن ہیں۔ ان کے نزدیک آج وہ تمام برائیاں اور رسوم عبادت کا درجہ رکھتی ہیں جو گناہ میں شامل ہیں یہ سب قرآن وسنت سے غفلت کا نتیجہ ہیں۔

مسلمانوں کی قرآن وسنت سے غفلت کی طرف قران پاک میں اس طرح آتا ہے۔

''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے اس شرک سے جو لوگوں اس کی ذات میں ٹھہرا دیے ہیں۔''

جیسے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی ویسے ہی مسلمان بھی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید اور اپنی نبی ﷺ کی سنت سے غفلت برتنا شروع کر دی ہے۔ ان کا طرز عمل وہی ہے جو یہودیوں کا تھا۔ یہاں تک کہ اکثر نماز نہیں پڑھتے اور روزے نہیں رکھتے حالانکہ ان کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عملی طور پر مسلمانوں نے قرآن وسنت کو اس حد تک چھوڑ رکھا ہے کہ وہ الفاظ جو کفار کیلئے تھے آج ان کیلئے صادق آتے ہیں جو نہایت افسوسناک بات ہے۔

18- آخرت سے بے یقینی

سماجی برائیوں کی کثرت کا سبب آخرت سے ہماری بے یقینی ہے۔ آخرت کا یقین ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ لیکن لادین مغربیت نے ہمارے اس یقین کی جڑوں پر کلہاڑی چلائی ہے۔ ایک مادی نظریہ ہے کہ موت زندگی کا مستقل خاتمہ ہے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ اس خطرناک نظریے نے انسان کو ''فلسفہ تعیش'' دیا۔ یعنی چند روزہ زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ چنانچہ تعیش کے پردے میں جس قدر بھی اخلاق باختگی ہوسکتی ہے اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آخرت کے وجود میں شک کرنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایک منکر آخرت کے دل سے احتساب عمل کا خوف نکل جاتا ہے۔ اسے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس کے اعمال کی باز پرس، کوئی مواخذہ، کوئی محاسبہ نہیں اس سے یہ معاشرتی المیہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے منکر آخرت معاشرے کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں اور ہر ظلم و بدی اور بداخلاقی کا ارتکاب کرتے ہیں کیونکہ عمل کی جوابدہی تو ہے ہی نہیں اور سزا کا ڈر تو دل سے نکل ہی گیا۔ کسی کو قتل کرو۔ کسی کا حق چھینو، کس کو بے عصمت کرو۔ معاشرے کی حدوں میں خوب

شیطانی کھیل کھیلتے پھرو۔

19-احساس جوابدہی کا فقدان

انسان کی یہ دنیاوی زندگی اصل میں اس کی اخروی زندگی کا مقدمہ ہے یہ زندگی عارضی ہے اور وہ دائمی ہے۔ اس نظام کے درہم برہم ہونے پر ایک زبردست عدالت قائم ہوگی اور سب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تمام لوگوں نے اپنی دنیوی زندگی میں جو کچھ کیا ہے اس کا پورا نامہ اعمال خدا کی عدالت میں پیش ہوگا اور اللہ کریم ہر شخص کے اچھے اور برے اعمال کا وزن فرمائے گا اور ہر ایک کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

"جس نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔"

حدیث میں اس بات کی مزید وضاحت بھی آئی ہے کہ اس دربار اور عدالت میں ہر آدمی سے چار سوال ہوں گے۔

"قیامت کے دن آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے جب تک چار سوال نہ کر لیے جائیں گے عمر کس مشغلہ میں ختم کی، جوانی کس کام میں خرچ کی، مال کس طرح کمایا تھا اور کس کس مصرف میں خرچ کیا تھا، اپنے علم پر کتنا عمل کیا تھا۔"

20-ایمان کی کمزوری

ایمان و اخلاق کسی بھی قوم کی طاقت و قوت کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ایمان جتنا راسخ ہو گا اور اطاعت جتنی کامل ہوگی، مقاصد کا حصول اسی قدر آسان ہوگا۔ آج تمام مسلمان ماسوائے چند کے ضعف ایمان کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان کے برعکس ماضی کے مسلمان پکے دیندار تھے اور اپنی دیانت اور ایمان کی پختگی وجہ سے معاشرے کو برائیوں کی کثرت سے بچا رہے تھے جبکہ آج کے مسلمان کا ایمان اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ اسے خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے زیادہ اپنی خیر خواہی مطلوب ہے۔ اسے ایسی راہ پر چلنے میں کوئی

ہچکچاہٹ نہیں جس سے اس کے غرور کا سر اونچا ہو لیکن دین کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے۔

مولانا ابوالحسن ندوی کہتے ہیں۔

''یہ مسلمان دوسروں کو کیا پیغام دیں گے جن کو نمازوں کی طاقت اور افادیت کا خود یقین نہیں رہا۔ جن کو کلمہ کی صداقت وحقیقت کا خود یقین نہیں رہا۔ جن کو خیر وشر اور نفع وضرر کے مالک ہونے پر یقین نہیں رہا۔ جن کو تقدیر کے ہونے پر خود یقین نہیں رہا۔ جنہوں نے امریکیوں کو اپنا رازق سمجھ لیا ہے اور جنہوں نے کارخانوں کو اپنا کفیل سمجھ لیا ہے۔''

ایمان کی کمزوری کی بنا پر دور حاضر میں مسلمان لا دین افکار اور نظریات کو تیزی سے قبول کر رہے ہیں اور اپنے دین سے دن بدن دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ لا مذہبیت دہریت اور اشتراکیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ دور حاضر کے مسلمان زبان سے تو دین اسلام کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن عملی زندگی اس سے یکسر خالی ہے ان میں معاشرتی برائیاں عام ہو گئی ہیں گویا کہ

ے رہ گئی رسم اذاں، روح بلالیؓ نہ رہی

21-اخلاقی کمزوری

کسی معاشرے کی خوبصورتی اس معاشرے میں رہنے والے افراد کی اخلاقیات سے ہی قائم ہے۔ انسان فطری طور پر اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں اخلاقیات کی کمی ہوگی وہ معاشرہ کبھی مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتا لہٰذا آج معاشرے میں خرابیوں کے بہت سے عوامل میں سے ایک اخلاقی کمزوری ہے۔

اخلاق سے کیا مراد ہے؟

اخلاق کا مطلب انسانوں کے باہمی حقوق وفرائض کے وہ تعلقات ہیں جن کا ادا کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ اخلاق کا تعلق انسان کے ذاتی کردار کی بلندی اور چال چلن کی عمدگی سے ہے تزکیہ نفس اور تعلیم وحکمت بھی اخلاق کی تکمیل کا ایک زینہ ہے۔

انسان کی زندگی میں اخلاق کی ضرورت واہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں چند معاشرتی برائیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- رشوت

رشوت لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کی ایک صورت ہے۔رشوت یہ ہے کہ مال صاحب اختیار یا سرکاری ملازم کو پیش کیا جائے تاکہ وہ اس کے حق میں یا اس کے حریف کے خلاف فیصلہ کرے یا اس کا کام کردے یا اس کی حریف کے کام کو موخر کردے۔

اسلام نے حکام اور اس کی معاونین کے لیے رشوت لینا حرام ٹھہرایا ہے۔نہ انہیں رشوت دینا جائز اور انہیں اسے قبول کرنا جائز ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

''آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حاکموں کے آگے اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً حق تلفی کر کے کھانے کا موقع مل جائے۔''

2- منشیات

منشیات ایک بنیادی اور معاشرتی برائی ہے اور منشیات سے مراد ایسی اشیاء ہیں جن کے استعمال سے انسان کے حواس فطری طور پر کام کرنا چھوڑ دیں اور اس پر بے ہوشی یا مدہوشی کی کیفیت طاری ہوجائے اور وہ اپنے موجودہ ماحول اور حالات سے بیگانہ ہوجائے۔

عالمی تنظیم صحت نے منشیات کی یوں تعریف کی ہے۔

''کسی بھی نشہ آور دوائی کا ایسا عادتاً اور مجبوراً استعمال جس سے عادی کی اپنی اور دوسروں کی صحت وسلامتی اور فلاح و بہبود کو خطرہ لاحق ہو۔''

منشیات کا سلسلہ صدیوں پرانا ہے۔ ہر دور میں ہر قسم کی منشیات کا استعمال ہوتا رہا ہے ان کی اقسام اور ان کا استعمال کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔آج منیات تمام حکومتوں، بین الاقوامی تنظیموں اور سماجی بہبود کے لیے عالمی مسئلے کی حیثیت سے سرفہرست ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

''اے ایمان والو ! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک شیطانی اعمال ہیں۔سوان سے بچتے رہوتا کہ نجات پاؤ۔شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ جوئے اور شراب کے سبب تمہاری آپس میں رنجش اور دشمنی ڈلوا دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔''

3- غیبت

غیبت اس بات کا نام ہے کہ کسی کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہی جائے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو جبکہ اس میں وہ بات پائی جائے اور اگر نہ پائی جائے پھر کہی جائے تو وہ بہتان ہے۔اسلام میں غیبت اور بہتان دونوں حرام ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور جاسوسی نہ کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

O ''جو شخص دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھائے گا یعنی اس کی غیبت کرے گا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردار گوشت اس کی پاس لائیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ جیسا تو نے زندہ کو کھایا تھا اب مردہ کو بھی کھا۔پس وہ شخص اس کو کھائے گا اور ناک بھوں چڑھاتا جائے گا اور غل مچاتا جائے گا۔''

4- گداگری

گداگر سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے یا اپنی اقتصادی و ذہنی یا جسمانی کمزوری، معذوری کا اظہار کر کے خود کو اس قابل رحم حالت میں پیش کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا کر سکے۔

گداگری ایک قبیح فعل ہے۔ سماجی برائی ہے غالباً یہ سب سے قدیم بھی ہے اور انتہائی شدید نوعیت کی ہے۔ گداگری کو سماجی انتشار کی علامت کہا گیا ہے۔ گداگری ایک انتہائی سنگین مسئلہ ہے۔ ناداروں کو بھیک دیکران کی مدد کرنے کی رسم سے کسی نہ کسی حد تک فائدہ ہوتا ہے اور انفرادی طور پر مفلسوں کی حاجت روائی بھی لیکن اس طرح اس ذاتی اور سماجی ناہمواری پر توجہ نہیں دی جاتی جو گداگری کا سبب بنتی ہے۔ بہت سے لوگ خیرات دینے کا سب سے آسان طریقہ اسے سمجھتے ہیں جو بھکاری دروازے پر آ جائے یا گلی کوچے میں بھیک مانگتا ہوا مل جائے اسے کچھ دے دیا جائے خیرات کی اس بے ڈھنگی تقسیم سے گداگری کی لعنت اور بڑھ جاتی ہے۔

5- چوری

کسی کی رکھی ہوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر چھپا کر لے لینے کی سب سے کمینی حرکت کا نام چوری ہے۔

چوری جیسی برائی کی وجہ یہی نہیں ہے کہ جو دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر چپکے سے اپنے تصرف میں لے آتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی جائز محنت سے کما کر جو حاصل کرتا ہے دوسرا بغیر کسی جائز محنت کے اس پر قبضہ کر کے پہلے کی محنت کو اکارت کر دیتا ہے اور اگر اس کی روک تھام نہ کی جائے گی تو کسی کو اپنی محنت کا پھل نہ ملے گا۔

چوری کی عام قسم تو وہی ہے جس کو سرقہ کہتے ہیں۔ لیکن اسلام کی تکمیلی تعلیم یہ ہے کہ اس نے ان نازک، ناجائز معاملوں کی بھی جن کو عام طور سے چوری نہیں سمجھا جاتا تشریح کی اور اس سے بچنے کی تاکید ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم چیز ناپ تول کی کمی بیشی ہے جس سے ہر شخص کو ہر وقت کام پڑتا ہے۔

6- جھوٹ

جھوٹ کے معانی دروغ گوئی اور غلط بیانی کے ہیں اور یہ نہایت ہی قبیح وصف ہے

جس میں یہ بری صفت پائی جاتی ہے یعنی جھوٹ بولنے کی عادت پائی جاتی ہے وہ اللہ اور انسانوں کے نزدیک بہت برا ہے اور اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے اسلام میں سخت ترین لفظ لعنت ہے۔ لعنت کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور محرومی کے ہیں۔ قرآن پاک میں اس کا مستحق شیطان بنایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد یہودیوں کافروں اور منافقوں کو اس کی وعید سنائی گئی ہے لیکن کسی مومن کو کذب یعنی جھوٹ کے سوا کسی فعل پر لعنت سے یاد نہیں کیا گیا۔

جھوٹ بولنا اور جھوٹا الزام لگانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت کی جائے۔ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جھوٹ کتنا بڑا گناہ ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں جھوٹ کی برائی اس قدر سرایت کر چکی ہے کہ لوگ کسی کی پروا کیے بغیر جھوٹ بولتے ہیں اور اپنی اولاد کو جھوٹ کی تربیت دیتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات ایک فرد گھر میں ہوتا ہے اور اسے کوئی باہر سے بلانے آتا ہے تو وہ اپنے بچے سے کہتا ہے کہ باہر جا کر کہو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔ اس طرح بچوں کو جھوٹ بولنی کی عادت پڑ جاتی ہے اور پھر وہ اکثر و بیشتر جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔

7- ظلم و بے انصافی

ظلم سے مراد کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رہنے دینا اور افراط و تفریط سے کام لینا ہے۔ ظلم کی ضد عدل ہے عدل کے معنی کسی شے کو صحیح موقع و محل پر استعمال کرنا، کمی و زیادتی نہ کرنا یعنی اعتدال پسندی۔

ظلم یہ ہے کہ کسی کا جائز حق اپنی طاقت یا اختیارات کے بل بولتے پر چھینا جائے اسلام عدل و انصاف کا علمبردار ہے۔ اس لیے اسلام میں امارت، قوت، نسلی برتری، حکومت، صاحب اختیار ہونے کی صورت میں دوسروں کے حقوق کو غضب کرنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ کتاب و سنت میں اس کی ممانعت اور مذمت کی گئی ہے۔ بیشمار لوگوں کو ظلم کی بنا پر اسی میں دنیا سزا مل جاتی ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ بہت سے ظالموں کی بستیوں کو ان کے ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔
قرآن مجید میں ظلم شرک کے معانی میں بھی استعمال ہوا ہے۔
''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

8- نمود و نمائش

آج معاشرے میں جہاں دوسری خرابیاں ہیں وہاں لوگوں نے کچھ ایسے رسم و رواج اور عادات اختیار کر لی ہیں جو لوگوں کو معاشی طور پر سنبھلنے ہی نہیں دیتی۔ایسی رسم و رواج کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ان کے بغیر بھی زندگی کا تصور ممکن ہے۔لیکن اس کے باوجود ہم انہیں اپنی عزت کا مسئلہ اور وبال جان بنا لیتے ہیں۔انہی میں سے ایک نمائش و دکھاوا ہے۔اس نمائش و دکھاوے میں کئی رسم و رواج ہیں جن پر بے پناہ رقم خرچ کی جاتی ہے۔اسلام اسراف و تبذیر سے منع کرتا ہے اور سادگی اور اعتدال پسندی کا درس دیتا ہے۔

نمائش دکھاوے کے لیے عربی زبان میں ریاء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔انسانی اعمال کی اصل حقیقت ان کی نیت اور غرض پر مبنی ہے۔اس لیے اعمال کی راستی اور ناراستی اور اچھائی کا بہت کچھ مدار غرض و نیت پر ہے۔

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

یہ ریاء اور نمائش انسان کے ہر عمل میں ظاہر ہوتی ہے جو خالصتاً اللہ کے لیے نہ کیے جائیں بلکہ اس سے کوئی اور دنیوی غرض مطلوب ہو۔ ہمارے پاکستانی معاشروں میں بالخصوص ایسی فضول قسم کی رسمیں ہیں جنہیں خواہ مخواہ ہم لوگوں نے اپنے سروں پر سوار کر لیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ ہماری ثقافت کا حصہ ہے اور انہیں پورا کرنا ہمارا فرض بھی ہے جیسے جہیز۔

9- جہیز

جہیز شادی کی ایک رسم ہے جو کہ چند ایک معاشروں میں کثرت سے رائج ہے۔
عام طور پر جہیز وہ جائیداد ہے جو کہ کسی آدمی کو اس کی شادی کے موقع پر بیوی کے خاندان

سے ملتی ہے یہ جائیداد عام طور پر کپڑوں، فرنیچر، روزمرہ کے استعمال کی اشیاء، مادی اشیاء اور نقدی پر مشتمل ہوتی ہے۔

جہیز کے لغوی معنی ساتھ کے سامان کے ہیں یعنی وہ ساز وسامان جو نئی دلہن اپنے میکے سے سسرال لے کر آئے جس میں قیمتی ملبوسات، زیورات، فرنیچر، برتن آرائشی چیزیں نقدی اور جائیداد بھی شامل ہوتی ہیں، جہیز کہلاتی ہے۔

جہیز ایک معاشرتی برائی بن چکی ہے۔ شادی پر جو بہو، بیٹیاں اپنے ساتھ اچھا جہیز نہیں لاتیں تمام عمر سسرال والوں کے طعنوں کا نشانہ بنتی ہیں اور جو والدین اپنی حیثیت کے مطابق لڑکیوں کو معمولی جہیز دیتے ہیں۔ اس جہیز کی اس قدر تحقیر کی جاتی ہے کہ لڑکی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

10- حسد

کسی دوسرے کے پاس کسی نعمت کے چھن جانے کی آرزو کو حسد کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی، کی گئی تقسیم پر خوش نہ ہونے کا نام ''حسد'' ہے۔ یعنی بعض لوگ ایسے تنگ دل ہوتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی اور بہتری کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتے۔ خاص کر اپنی رشتہ داروں، عزیزوں، دوستوں اور ہمہ پیشہ وروں کو جب اچھی اور آسودہ حالت میں دیکھتے ہیں تو جل بھن کر خاک ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آسودہ لوگوں سے آسودگی چھن جائے اور وہ مجھ کو مل جائے اس بری عادت کو حسد اور حسد کرنے والے کو حاسد کہتے ہیں۔

حسد تمام برائیوں کی جڑ ہے اس سے حاسد کی دونوں جہان کی تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے۔ حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہوگا کچھ بھی نہیں جس پر حسد کر رہا ہے اس کی نعمت ذائل نہیں ہوگی بلکہ یہ خود جلتا رہے گا۔ دنیا میں اپنی حسد کی آگ میں جلے گا اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلے گا۔

منشیات

بلاشبہ منشیات کے استعمال میں مسلسل اضافہ ہماری قوم کے لئے عصر حاضر کا سنگین ترین مسئلہ ہے لہٰذا ہم سب کا فرض ہے کہ ہم آنے والی نسلوں اور قومی وارثان کے تحفظ کے لیے نسلی، سیاسی اور گروہی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے من حیث القوم لبیک کہیں اور اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں ایک دوسرے کا انتظار نہ کریں۔ منشیات فروش، خواہ آپ کے کتنے ہی قریبی عزیز یا دوست کیوں نہ ہوں معاشرے کے ناسور اور سماج دشمن عناصر ہیں۔ ان سے میل جول، رشتے ناطے ختم کر کے اور مکمل سماجی بائیکاٹ کر کے آپ اپنے گھر کو منشیات کی آگ سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اپنے بچوں کو منشیات کے عادی افراد کی عبرتناک داستانیں سنائیں نہ کہ منشیات فروشوں کی دولت کی ریل پیل کے قصے۔ آج جب ملک کی اکثریت منشیات کے مکروہ کاروبار کو سنگین ترین جرم قرار دیتی ہے تو یہ حقائق ہماری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں کیونکہ گذشتہ چند سالوں میں ہماری بے توجہی اور عدم دلچسپی کی بناء پر صرف منشیات کے فروغ کی بناء پر جرائم میں بے پناہ اضافہ، لاکھوں خاندانوں کے معاشی قتل اور معاشرہ میں عمومی بے راہ روی جیسے بھیانک نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں لہٰذا ہمیں یہ یقین کرنا ہوگا کہ نشہ جرم کی بنیاد اور گھر کی مکمل بربادی کی پہلی علامت ہے۔ منشیات کے عادی افراد میں پہلے اخلاقی انحطاط وقوع پذیر ہونا شروع ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اخلاقی پستیوں میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

1- منشیات کا استعمال (Drug Addiction)

جدید دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ دن رات کافی، چائے کے دور چل رہے ہیں سگریٹوں کے بے تحاشا کش لگائے جا رہے ہیں۔ خواتین اپنے جسم کو سمارٹ رکھنے کے لیے ڈائٹنگ (Dieting) پلز کھا رہی ہیں۔ امیر طبقہ نیند کے حصول کے لئے خواب آور گولیوں کا بے دریغ استعمال کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ غریب مزدور طبقہ بھی نشے کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ بیشتر پیشہ ور ڈرائیور کسی نہ کسی نشے کا سہارا لیتے ہیں۔ بچوں اور نوجوانوں میں ہیروئن کی وبا دن

بدن بڑھتی جا رہی ہے۔

منشیات سے کیا مراد ہے؟

ماہرین نفسیات وجسمانیات نے منشیات کی تعریف یوں کی ہے کہ ''منشیات سے مراد تمام نشہ آور ادویات ہیں جن کو استعمال کرنے کے بعد نشئی اپنے ارد گرد کے ماحول سے بے خبر اور لاتعلق ہو جاتا ہے۔''

منشیات کے استعمال کی وجوہات

منشیات کی عادت یا اس کے استعمال کی براہ راست یا بالواسطہ وجوہات کا معلوم کرنا ضروری ہے ہم ان اسباب کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے پاکستانی معاشرہ کے افراد منشیات کے استعمال کے عادی ہوتے ہیں۔

ماہرین نفسیات کے نزدیک نشہ آور اشیاء کے استعمال کے کئی سبب ہیں ان میں کچھ اسباب کا تعلق آدمی کے ماحول سے ہے ماحول اس میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جیسے گھر، گھریلو تعلقات اور رشتوں کا ڈھیلا ہونا، مدرسہ اور اس کی لاپرواہی، اخلاقی اصولوں سے انحراف اور معاشرتی برائیاں، عملی زندگی کی پریشانیاں، کامیابیاں اور نامرادیاں شامل ہیں، نتیجتاً وہ اپنی حالت کو بھول جانے کی شدت سے ضرورت محسوس کرتے ہیں اور منشیات کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کا اخلاق بگڑ جاتا ہے وہ زندگی اور زندگی کے متعلقات سے نفرت کرنے لگتے ہیں کیونکہ انہیں زندگی میں ناکامی اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں ملا ہوتا۔

اس لعنت کے استعمال کا بدترین وقت وہ ہوتا ہے جب ایک نوجوان پر تعلیمی ادارے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور فرد فارغ ہوتا ہے، بے روزگار رہتا ہے اسی بنا پر وہ پریشانی کا شکار رہتا ہے۔ اس کے خاندان والے اس کا خیال نہیں رکھتے ہیں، نہ صحیح تربیت کا معقول انتظام کرتے ہیں۔ وہ اس کی مشکلات ومصیبتوں کو حل نہیں کر پاتے اس طرح ان بیچاروں کو مصیبتوں کا سامنا کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیتے ہیں اور نتیجتاً وہ منشیات کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ نشہ کرنے والوں کی اکثریت ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے جن کا

شیرازہ بکھر چکا ہوتا ہے اور ان میں ازدواجی تعلقات ختم ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے بچے فراغت، بے کاری اور اکتاہٹ کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے پاس غم غلط کرنے اور تفریح کا کوئی سامان نہیں ہوتا ماسوائے ٹیلی ویژن کیبل، وغیرہ کے جو اپنے روزانہ کے گھٹیا اور لچر پروگراموں سے جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ ٹی وی، کیبل پر جرم، جنسیات اور ڈاکہ زنی فحاشی عریانی کی ترغیب دیکر ان کی زندگیوں میں زہر گھول دیتے ہیں۔ باقی وقت میں نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنی نوعمری کے زمانہ کو منشیات کی زہرناکی کے سپرد کر کے گزارتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منشیات کا بے جا استعمال کیوں کیا جاتا ہے۔ دراصل اس کی بہت سے وجوہات ہیں۔ جن کا تعلق فرد کی ذات، اس کے ماحول اور اس سماجی و معاشی حالات سے ہوتا ہے۔ جن کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

ذاتی وجوہات

فرد ذاتی وجوہات کی بنا پر منشیات کا عادی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی مسائل، الجھنوں اور پریشانیوں سے بچنے کے لیے منشیات کا سہارا لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے تحریک دینے والی ادویہ استعمال کرتا ہے۔ کئی دفعہ فرد قوت ارادی پر نازاں ہوتا ہے' وہ اپنی قوت ارادی کے مضبوط ہونے کے زعم میں تجرباتی طور پر پینے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی قوت ارادی کمزور ثابت ہوتی ہے اور وہ اسی پر انحصار کرتے کرتے منشیات کا عادی ہو جاتا ہے۔

ماحولیاتی وجوہات

منشیات کے عادی والدین کے بچوں میں نشہ آور ادویات کے استعمال کے امکانات زیادہ ہیں۔ فرد معاشرے میں کسی اہم اور معزز فرد کی تقلید میں بھی ایسا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں دوست احباب کی صحبت میں ایک دوسرے کے اصرار پر منشیات کا استعمال بڑھتا ہے۔ فرد اپنے آپ کو گروہ کا رکن سمجھتے ہوئے بھی گروہ کا ساتھ دیتا ہے۔ کیونکہ اس طرح اسے گروہی وقار حاصل ہوتا ہے۔ جدید دور میں ذرائع ابلاغ سگریٹ نوشی کے اشتہارات کو

پر کشش انداز میں پیش کرتے ہیں تو اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ بھی سگریٹ پیئے۔

ثقافتی وجوہات

ایسی ثقافت جس میں نشہ آور اشیاء باآسانی دستیاب ہوں وہاں کے اکثر افراد منشیات کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اس صورتحال میں نشہ آور اشیا کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ کئی معاشروں میں قانونی تحفظ حاصل ہونے کی بنا پر منشیات کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ پاکستان میں بھی منشیات کا استعمال خاص طور پر مزدور طبقہ افراد میں بہت زیادہ ہے وہ افیون، چرس، بھنگ وغیرہ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ کوئی فرد غیر قانونی دوا کا استعمال محض تجسس یا ہم خیال دوستوں کی بنا پر کرتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ ڈرگ کلچر میں گھس جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ منشیات کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور اس کے سارے اعتقادات، رویے بدل جاتے ہیں۔ ہیروئن کے استعمال کے عادی گروہ کے ارکان فرد کو مجبور کریں گے کہ وہ بھی ہیروئن کا استعمال کرے۔

فوری یا ہنگامی وجوہات

منشیات کے استعمال کی فوری وجوہات میں جنگ، ناگہانی آفات اور عبوری دور شامل ہیں، چونکہ جنگ میں شریک افراد کے بے شمار ہیجانی مسائل ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان ہیجانی مسائل پر قابو پانے کے لیے نشہ آور اشیاء کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جیسے ویت نام کی جنگ نے امریکہ اور یورپ میں ہیروئن کی وبا پھیلائی۔ افغانستان کی جنگ نے یہ وبا ایشیا اور بالخصوص پاکستان تک پہنچا دی۔ اب صرف پاکستان میں 2,00,000 سے زائد افراد اس گھناؤنے نشے کا شکار ہیں۔ امریکہ اور مغربی ممالک میں یہ تعداد بہت زیادہ ہے۔

منفی اقدار کا مثبت اقدار کی جگہ لینا

جب کسی معاشرے میں پرانی اقدار اپنی اہمیت کھو چکی ہوں اور ان کی جگہ نئے اصول وضوابط لاگو نہ کیے گئے ہوں تو اس عبوری دور میں بے ایمانی، سیاسی دباؤ، بدعنوانیاں، نسلی اور جنسی امتیازات، ایک دوسرے کے ساتھ غیر انسانی سلوک وغیرہ جنم لیتے ہیں تو ان

حالات میں سیاسی احتجاج، سیاسی بے چینی، مذہبی تبدیلیاں، جنسی بے راہروی جیسے مسائل ابھرتے ہیں۔ان مسائل سے فرار حاصل کرنے کے لیے نوجوان نشہ آور اشیاء کا سہارا لیتے ہیں۔

ترک منشیات کے طریقہ ہائے علاج

منشیات کے عادی افراد کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ ہائے علاج قابل ذکر ہیں۔

نشہ توڑ طریقہ علاج (Detoxification Therapy)

اس طریقہ علاج میں منشیات کے عادی مریض کا علاج ہسپتال میں کیا جاتا ہے۔ اگر فوری طور پر انہیں نشے سے ہٹایا جائے تو شدید ردعمل ہوتا ہے۔لہٰذا مریض کو علاج کے دوران مختلف ادویات دی جاتی ہیں۔ یہ ادویہ معمولی نشہ آور ہوتی ہیں۔ یا نشے کو ختم کرنے والی ہوتی ہیں۔مثلاً عام طور پر ہیروئن کے عادی شخص کو (Naloxone) جیسی دوائی دیتے ہیں تاکہ اسے ہیروئن سے ہٹایا جا سکے۔اس طرح مریضوں کو بہت کم تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں منشیات کے موذی مرض سے نجات مل سکتی ہے۔

طویل المدت طریقہ علاج (Long Term Therapy)

جب ایک دفعہ مریض کو منشیات چھڑوا دی جائے تو اس کے بعد اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مریض دوبارہ منشیات کا استعمال شروع کر دے۔ کیونکہ مریض کا دل چاہتا ہے کہ وہ دوبارہ وہی دوائی استعمال نہ کرے۔اس کے لیے فرد کو انفرادی طریقہ علاج کے ذریعے مشورے دیے جاتے ہیں اور مریض کو دوائی کے مضر اثرات بتائے جاتے ہیں تاکہ وہ اس کے قریب بھی نہ جائے۔

کراہتی طریقہ علاج

اس طریق علاج کا تعلق آموزش کے اصول کلاسیکل مشروطیت سے ہے۔مریض کو اس کی مطلوبہ نشے والی دوا (مثلاً شراب) کے بعد باقاعدگی سے کوئی ایسی کراہتی گولی یا پڑیا یا کوئی مکسچر وغیرہ دی جاتی ہے کہ جس سے اس کا دل متلائے اور قے بھی ہو جائے۔نشہ

آور دوا اور ناخوشگوار رد عمل والی دوا کے مابین جب باقاعدہ ربط اور مشروط تعلق قائم ہو جاتا ہے تو پھر مریض متعلقہ نشہ آور شے سے گریز یا اجتناب کی عادت مشروطیت کے عمل سے بندھ جاتی ہے۔ کراہتی ادویہ کی بجائے بعض اوقات برقی صدمے کا طریقہ بھی اپنایا جاتا ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ یہ طریق کار کم موثر ہے۔

کراہتی طریق علاج کا بنیادی مقصد نشہ آور ادویات سے مریض کا دل اچاٹ کرنا ہے۔ تاہم یہ طریقہ علاج کسی بھی دوسرے طریق علاج کی طرح اسی صورت میں کارگر ثابت ہوتا ہے جب مریض کا تعاون حاصل ہو۔

جُرم

پاکستان میں ''جُرم'' بحیثیت معاشرتی مسئلہ

جرم انسانی کردار کے عدم مطابقت کی ایک قسم ہے۔ مجرمین معاشرے کی پیداوار ہیں اور وہ معاشرے کے بدنظم ڈھانچے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں جرم ایک ایسا فعل ارادی ہے جسے قطعی طور پر ثابت کیا جا سکتا ہو اور جو ملکی قوانین کے مطابق قابل تعزیر ہو۔

جرم کی تعریف کرتے ہوئے اسٹیفین نے کہا کہ ''جرم ایک ایسا فعل یا کوتاہی ہے جس کی قانون کے تحت سزا دی جا سکے''

ایک اور ماہر عمرانیات نے یوں کہا ہے کہ ''جرم ایک فعل یا کوتاہی ہے جس کی حکومت ممانعت کرے اور اس فعل یا کوتاہی کا مرتکب سزا کا حقدار ہوتا ہے۔''

موارنے جرم کی تعریف یوں کی ہے ''جرم ایک ایسا فعل ہے جو قانون کے خلاف ہو۔''

یہاں جرم کا سرزد ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا اہم بات اس کا کسی مجاز قانونی ادارے تک رپورٹ کرنا ہے۔ حتیٰ کہ رپورٹ ہو چکنے کے بعد بھی اگر عدالت جرم کے خلاف کافی شہادت نہ پائے تو وہ مجرم نہیں۔ اگر کسی شخص کو عدالت جرمانے یا قید کی صورت میں سزا دیتی ہے تو وہ شخص مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں سزا کا انحصار ضابطہ اخلاق کی قدامت پسندی اور نسلی اقدار پر ہوتا ہے معاشرہ میں موجود ہوں اور جن کی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ اگر مذہبی

اقدار کو بری طرح پامال کیا گیا ہو تو سزا بھی شدید ہوگی۔ عدم مطابقت اور جرم کے مابین کوئی حد فاصل نہیں ہے اور ہر عدم مطابقت جرم نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر قتل انسانی ایک جرم ہے مگر جنگ کے موقعہ پر دشمن کو قتل کرنا ایک اہم فریضہ قرار پاتا ہے۔ بس ان تمام چیزوں کا انحصار سوسائٹی کی توقعات پر ہے (کہ وہ کیا چاہتی) اگر آبادی کا بہتر حصہ ایسے طرز پر عمل کر رہا ہو جو جرم کی تعریف پر پورا اترتا ہو تو اسے جرم نہیں گردانا جائے گا کیونکہ ریاست بھی اپنے تمام شہریوں کو جیل میں نہیں ڈال سکتی۔ ایسا عمل معاشرے میں معمول بن جاتا ہے۔

کسی معاشرے میں جرائم میں اضافے سے عوام کے معاشی سماجی اور نفسیاتی مصائب میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی سربراہ کنبہ کے قتل سے اس بیوہ، بچوں اور زیر کفالت افراد کے لئے سینکڑوں مسائل میں اضافے سے ساری سوسائٹی اور اس کے سماجی اداروں میں بے ترتیبی اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ حکومت کے خزانے پر بھی شرح جرائم میں اضافے سے اثر پڑتا ہے اور اسے پولیس، محکمہ انصاف جیل خانوں اور دیگر متعلقہ اداروں پر اٹھنے والے فالتو اخراجات کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور جس سے بالآخر قومی بجٹ متاثر ہوتا ہے۔

بلند شرحِ جرائم کے اسباب

1- معاشی تنازعات

زمین اور جائیداد کی تقسیم کے جھگڑے معاشرے میں زیادہ تر جرائم کا سبب ہیں۔ چھوٹے چھوٹے غیر معاشی اور پٹواری کے ہاں غیر واضح قطعات اراضی نے ملک میں جرائم کی صورت حال اور بھی ابتر کر رکھی ہے۔

2- خاندان اور شادی بیاہ

خاندان اور شادی کے ادارے میں تنازعات طلاق، علیحدگی اور ناجائز تعلقات وغیرہ شہری اور دیہاتی ہر دو علاقوں میں شدید جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں بعض اوقات زنا بالجبر اور اغوا کے واقعات میں خاندانی جھگڑوں کے باعث اضافہ ہو جاتا ہے۔

3- جہالت اور ناخواندگی

عام لوگوں کی جہالت اور ناخواندگی جرائم کی تعداد میں اضافے کا ایک بڑا سبب ہے ملک میں تعلیم کی روشنی پھیلا کر چھوٹے چھوٹے جرائم کی تعداد میں خاصی کمی کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ بیشتر جاہل اور ناخواندہ لوگ ان معاشی سماجی اور نفسیاتی عوارض سے واقف نہیں ہوتے جو ان کے جرم کے باعث خود ان کے لیے اور دیگر لوگوں کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔

4- گروہ بندیاں اور پارٹی بازی

پرانی گروہ بندیاں اور پارٹی بازی مختلف علاقوں میں مختلف لوگوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہے یہ بین الگروہی مخالفتیں اور ٹکراؤ بہت سے سنگین جرائم مثلاً قتل، چوری، ڈاکہ اور ناجائز تعلقات کا باعث بنتی ہیں۔

5- ٹھونسی ہوئی قیادت

دیہی اور شہری علاقوں میں بیشتر جرائم کی جڑ ٹھونسی ہوئی قیادت ہوتی ہے۔ بڑے جاگیردار اور تاجر اپنے علاقوں میں اپنی چودہراہٹ پر جائز وناجائز طریقے سے قبضہ قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں جرائم سرزد ہوتے ہیں ایسے حالات میں یہ قائدین غنڈوں اور ایسے ہی دیگر عناصر کی پشت پناہی کرتے ہیں تاکہ علاقے میں ان کی چودھراہٹ قائم رہے۔

6- ذرائع آمد ورفت اور رسل وسائل کا فقدان

کچھ جغرافیائی علاقے ایسے ہیں جہاں پولیس کا پہنچنا یا وہاں تک رسائی حاصل کرنا ناممکن ہے یہ علاقے جرائم اور دیگر سماج دشمن سرگرمیوں کے مرکز بن جاتے ہیں۔

7- غربت

غربت بھی مجرم ذہنیت پیدا کرنے کا ایک اہم سبب ہے۔ جب کسی فرد کی مالی حالت اچھی اور تسلی بخش نہیں ہوتی تو وہ معاشرے کے فارغ البال لوگوں سے نفرت کرنے

لگتا ہے اس طرح معاشی عدم استحکام افراد کو مایوس کرتا اور انہیں سنگین جرم کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

8- قدیم رسمیں اور فرسودہ اقدار

عام طور پر بالخصوص دیہاتی علاقوں میں ذاتی بنیادوں پر انتقام لینے کو ایک اہم اخلاقی قدر سمجھا جاتا ہے۔ کسی عدالت کی طرف سے دی گئی سزا کو کافی نہیں سمجھا جاتا ہے اور اس طرح لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو قتل کر دیا گیا ہے تو اس کا انتقام مقتول کے بیٹے یا قریبی رشتہ دار لیں گے اور یہ شیطانی چکر نسل در نسل چلتا رہے گا۔

9- جذباتی پریشانیاں

کچھ جرائم ایسے ہیں جو عام حالات میں واقع نہیں ہوتے اور بالعموم پہلے سے سوچے سمجھے نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر زنا بالجبر اور قتل عموماً جذباتی پریشانی کی حالت میں ہی ہوتے ہیں اور ویسے ان کا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔

10- سستا ادب اور فلمیں

نوجوانوں کے ناپختہ ذہنوں کو سستا ادب اور گھٹیا فلمیں بری طرح متاثر کرتی ہیں۔ وہ سماج دشمن ہیرو کی نقل کرنا اور پولیس کو دھوکا دینا سیکھتے ہیں اکثر نوجوان فلمیں اور تھیٹر وغیرہ دیکھنے کی وجہ سے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

11- صنعت کا پھیلاؤ

صنعتوں کے پھیلنے سے ہمارا معاشرہ اجنبی قسم کا بن گیا ہے اور اب خاندان اور پڑوس کی وہ روائتی گرفت افراد پر باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس سے کجروی اور جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے دیہاتی علاقوں سے کثیر تعداد میں نقل مکانی کر کے آنے والے لوگ جب شہروں میں اپنے آپ کو اجنبی اور غیر اہم شخص پاتے ہیں تو وہ کجروی اور جرم کی طرف راغب ہو

جاتے ہیں۔

12- مذہبی گرفت کی کمی

عوام پر مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے جس کے نتیجے میں جرائم کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ خوف خدا اور مذہب کا صحیح شعور عوام پر سماجی گرفت قائم رکھنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔

13- تیز ذرائع آمدورفت

پیشہ ور مجرموں اور بدمعاشوں کے لیے تیز رفتار ذرائع آمدورفت بے حد معاون ہیں۔ ان تیز ذرائع اور ذرائع رسل ورسائل کے باعث ڈاکہ زنی اور لوٹ ماری کی وارداتیں اکثر ہونے لگی ہیں خاص کر شہری علاقوں اور ریل کے طویل سفر کے دوران ان کی بہت زیادہ کثرت ہے۔

14- ذرائع آمدورفت کی کمی

کچھ علاقہ جات میں ذرائع آمدورفت کی کمی ہوتی ہے یا راستہ بہت مشکل ہوتا ہے جہاں پولیس آسانی سے نہیں پہنچ سکتی ایسی جگہیں ملزموں کے ٹھکانے بن جاتے ہیں۔

15- ذہنی انتشار

کچھ جرائم ایسے ہوتے ہیں جو کہ کسی سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت نہیں کیئے جاتے بلکہ عام گفتگو اور بحث میں لوگوں کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں اور ملکی قوانین کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جرم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

16- تفریحی سہولیات کی کمی

تفریحی سہولیات کی کمی کی وجہ سے لوگ منفی سرگرمیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں جن میں جوا وغیرہ شامل ہیں۔ جو آپس میں نفرت اور جھگڑا فساد کا باعث بنتا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں

17- جیلوں کا فرسودہ نظام

جیل خانہ جات کے فرسودہ نظام کی وجہ سے کم سن مجرم جو کہ پرانے مجرموں کے ہمراہ رکھے جاتے ہیں۔ ان کی صحبت انہیں عادی مجرم بنا دیتی ہے۔ علاوہ ازیں ہماری جیلوں میں جو لوگ قید و بند کی سزا کاٹتے ہیں ان سے محنت مزدوری بھی کروائی جاتی ہے۔ لیکن اس کا صلہ انہیں ادا نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا جب وہ جیل سے باہر آتے ہیں تو ان کے پاس گزارے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا اس لئے وہ دوبارہ جرم کرتے ہیں۔ جیل کا ماحول انہیں عادی مجرم بنا دیتا ہے۔

18- بے روزگاری

بے روزگاری کی وجہ سے لوگ جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بے روزگاری اور روز کے طعنوں سے بچنے کے لئے چوری ڈکیتی جیسے جرائم کرتے ہیں۔

19- معاشرتی انتشار

جب انتشار کی وجہ سے معاشرہ میں قانونی اور اخلاقی گرفت کمزور ہو جائے جیسا کہ اکثر بدلتے ہوئے سیاسی حالات میں ہوتا ہے تو جرائم میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ مجرموں کو سزا ملنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں اس سے مجرموں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

20- ستائش طلبی

ستائش یا جاہ طلبی بھی جرائم کی ایک وجہ بنتی جا رہی ہے بعض اوقات فرد اپنے ساتھیوں سے ستائش حاصل کرنے کے لئے بھی جرم کر ڈالتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس کا وقار اپنے ساتھیوں میں بلند ہوگا۔

21- لذت آزار

دوسروں کو تکلیف دیکر لذت حاصل کرنا بھی جرائم کی ایک وجہ ہے کیونکہ بعض افراد دوسروں کو ایذا دینے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں ہمدردی کا جذبہ بالکل

نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ایسے افراد جرم کی جانب راغب ہو جاتے ہیں۔

22- والدین کا منفی کردار

والدین کی عدم توجہ اور گندہ ماحول بچوں کو بے راہ روی پر مائل کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر والدین بچوں کی مناسب دیکھ بھال اور رات گئے دیر سے گھر آنے پر پوچھ پکچھ نہ کریں گے تو وہ آزاد پنچھی کی طرح لہروں پر اُڑتا ہوا کہیں دور نکل جائے گا جہاں سے واپس آنا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں بے جا سختی بھی بچوں کو جرائم کی طرف راغب کرتی ہے۔

23- نفسیاتی اور تعلیمی عوامل

جن افراد میں ذہنی پختگی نہیں پائی جاتی وہ آسانی سے جرم میں ملوث ہو جاتے ہیں نوعمر بچوں کو پیشہ ور مجرم آسانی سے جرم کی طرف راغب کر لیتے ہیں۔ احساس کمتری کی وجہ سے فرد جرم کی جانب راغب ہو جاتا ہے۔ عام طور پر جاہل افراد نسبتاً تعلیم یافتہ افراد سے زیادہ جرم کرتے ہیں۔ تعلیم یافتہ افراد جعلسازی، فریب اور ٹیکس کی چوری کے جرائم میں زیادہ ملوث ہوتے ہیں۔

24- وراثت

بعض مفکرین کا خیال ہے۔ کہ جرم اور وراثت میں قریبی تعلق پایا جاتا ہے۔ جرم وراثت کے طور پر ملتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جس طرح بچہ اپنے والدین سے ذہنی اور جسمانی خصوصیات ورثہ میں پاتا ہے۔ بالکل اس طرح جرم بھی اس کو وراثت میں ملتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جرم وراثت میں نہیں ملتا بلکہ خاندان کا ماحول اور مجرم والدین کا اثر جرم کی وجہ ہوتا ہے۔

جرم کا انسداد یا روک تھام

انسدادی تدابیر

چونکہ جرائم کی وجہ کوئی ایک چیز نہیں ہے لہٰذا ایک ہی انسداد تجویز پیش کرنا غلط ہوگا تاہم پاکستان کے سماجی ثقافتی اور جغرافیائی عوامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے جرائم کی تعداد میں کمی کے لئے مندرجہ ذیل اقدام تجویز کئے جاتے ہیں۔

1- تقسیم اراضی

دیہی علاقوں میں، چھوٹے چھوٹے تقسیم شدہ، غیر معاشی قطعات اراضی جرائم پیدا کرنے کا ایک بڑا سبب ہیں۔ زمین کی متنازعہ حد بندیاں، آبپاشی کے لیے نامناسب ہیں نیز لوگوں کے مابین مستقل دشمنی کا ذریعہ ہیں جن سے کئی قسم کے جرائم جنم لیتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ کم از کم حد ملکیت قائم کی جائے اور اس کی مزید تقسیم اور حصے بخرے کرنے کی اجازت نہ ہو۔

2- تعلیم

عوام میں تعلیم پھیلانے سے ملک میں جرائم کی تعداد اور نوعیت میں کمی آ جائے گی۔ تعلیم سے لوگوں میں قانون کا احترام پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے گردوپیش کو بہتر طور پر سمجھنے لگتے ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ آدمی ان پڑھ کے مقابل بہتر شہری ہوتا ہے۔ ملکی پیمانے پر عام تعلیم کے پہلو بہ پہلو تعلیم بالغاں کے مراکز بھی قائم کئے جانے چاہئیں۔ عام طور پر ایک پڑھا لکھا آدمی کوئی جرم کرنے سے پہلے اس کے اثرات پر ضرور غور کرتا ہے۔

3- بہتر معیار زندگی

عام لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے کیونکہ بہتر معیار زندگی سے صاف ستھرا اور صحت مند ماحول پیدا ہوگا کسی خاندان کے لئے بہتر

خوراک اور لباس فرد کے لیے صحت مند ماحول پیدا کرتا ہے، غربت اور معاشی عدم تحفظ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی مایوسی ختم ہوگی تو اس سے جرائم کی رفتار میں خاصی کمی ہوگی کیونکہ یہی مایوسی جرائم پیدا کرنے کا ایک اہم سبب ہوتی ہے۔ گھریلو صنعتوں کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے تا کہ دیہاتی لوگوں کو فالتو اوقات میں مصروف رکھا جاسکے اور ان کا معیار زندگی بھی بہتر ہو۔

4- کھیل کود اور تفریح

عوام کے لیے کھیل کود اور تفریح کے مناسب مواقع بہم پہنچانا بہتر زندگی کے لئے ہے تا کہ فارغ وقت کو بہتر طور پر استعمال کیا جاسکے۔ اگر عوام کے فراغت کے اوقات بہتر تفریحی مشاغل میں صرف ہوں تو ان کے ذہن تعمیری سرگرمیوں کی طرف مائل ہوں گے۔ کھیل کود سے فالتو قوت کے اخراج اور جذبہ مسابقت کے اظہار کی بہتر اور صحت مند صورتیں پیدا ہوں گی۔ اگر لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کیا جاسکے تو مجموعی طور پر معاشرہ کے لئے اس کے بہتر نتائج پیدا ہوں گے۔

5- عارضی رہائی اور اصلاح اسیران

مغربی ممالک میں اصلاح اسیران کا تجربہ جو عارضی رہائی کے دوران ان کی نفسیاتی اصلاح پر مبنی ہے بہت کامیاب ثابت ہوا ہے اور آئندہ جرم کے ارتکاب سے مجرمین کو باز رکھتا ہے۔ عارضی رہائی کے ذریعے فرد کو یہ موقعہ مہیا کیا جاتا ہے کہ وہ ملک کے معزز شہری کے طور پر زندگی گزارے یہ طریقہ مجرموں کو قابل اصلاح مریض قرار دیتا ہے۔ پاکستان میں جیل خانوں کا موجودہ نظام مجرمین کی اصلاح کرنے میں ناکام رہا ہے بلکہ اس کے برعکس وہ مجرمین کو اور زیادہ پختہ اور عادی بناتا ہے۔ تاہم پہلا جرم کرنے والوں کا قانون ایک اچھا اقدام ہے جو کہ عام طور پر نوجوان لوگ ہوتے ہیں اور پہلی بار جرم کا اقدام کرتے ہیں۔

پاکستان کے کچھ علاقوں میں بھی عارضی رہائی اور اصلاح اسیراں کے نظام نافذ کیئے گئے ہیں یہ تجربہ بہت کامیاب ہے اس میں وسعت کی ضرورت ہے اور زیادہ اختیارات اور

ذمہ داریاں دی جانا ضروری ہیں۔ مرکزی حکومت کو ایک خودمختار ڈائریکٹوریٹ قائم کرنا چاہیے جس کے تحت صوبوں میں بھی (Cell) قائم ہوں جو مجرم اور جرائم پر تحقیق و تفتیش کے لیے قابل اور مستند لوگوں کی سربراہی میں کام کریں۔

6- سٹیج ڈراموں کیبل اور انٹرنیٹ سے بچاؤ

ملک میں جرائم کی رفتار میں کمی لانے کے لئے ضروری ہے کہ سستی کتب اور ایسی فلمیں جن میں جرائم کی ترغیب دی گئی ہو کو سختی سے سنسر کر دیا جائے اور ان کی نمائش اور اشاعت ممنوع ہو۔ نوجوانوں کے لیے صحت مند ادب ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے سماجی ڈھانچے اور اس کے مختلف افعال کو بہتر طور پر سمجھ سکیں جس کے نتیجے میں ان افراد کی معاشرے کے ساتھ بہتر مطابقت پیدا ہوگی۔ ایسے ہی طلباء خاص طور پر جو 18 سال سے کم کے ہوں ان کے لئے سٹیج ڈراموں، کیبل اور نٹرنیٹ کی عریاں سائٹس اور تشدد سے بھرپور فلموں کی نمائش پر پابندی ہونی چاہیے۔

7- مذہبی اقدار کا احیاء

عوام میں قدیم اسلامی اقدار کے احیاء کی بھرپور کوشش کی جانی چاہیے جس سے معاشرہ میں استحکام اخوت اور وحدت پیدا ہوگی۔ مذہب میں گہرا اعتقاد جرائم میں کمی اور معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوگا۔ مسجد کے ادارے کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے اور اسے مکمل طور پر فعال بنانا ضروری ہے۔ مسجدوں کے ساتھ کتب خانوں کا اہتمام بھی ہونا چاہیے جن میں مذہبی کتب کے علاوہ لوگوں کے لیے عام معلوماتی کتب بھی رکھنی چاہیں۔ مذہبی علماء کو دنیاوی علوم پر بھی عبور ہونا چاہیے۔ سکولوں اور کالجوں میں لازمی مذہبی تعلیم کا بندوبست ہونا چاہیے تاکہ آئندہ نسلیں صحیح مذہبی تعلیمات سے آگاہ ہو سکیں۔ ان باتوں سے یقیناً جرائم میں کمی واقع ہوگی۔

8- نوجوانوں کی تحریکیں

عام طور پر مجرموں کی بڑی تعداد نوجوانوں پر مشتمل ہوتی ہے اور جوں جوں عمر بڑھتی

ہے فرد میں جرم کرنے کا رجحان گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ نوجوانوں میں صحت مند تفریح، پکنک، کوہ پیمائی وغیرہ کے مواقع فراہم کرے جن سے نوجوان نسل کو اپنی فالتو قوت کے اخراج کا موقعہ ملے گا۔ ملک کے گوشے گوشے میں نوجوانوں کے قیام کے لئے کم خرچ پر (Youth Hostles) قائم کیے جانے چاہیں۔

9- نوجوانوں کے لیے علیحدہ عدالتیں اور جیلیں

نوجوانوں کے مقدمات خصوصی عدالتوں میں پیش کئے جانے چاہیں جہاں مجسٹریٹ ایسے لوگ ہوں جو نوجوانوں کی نفسیات کے ماہر ہوں۔ مجرم ثابت ہونے والے نوجوانوں کو جیلوں میں الگ رکھنا چاہیے اور انہیں پیشہ ور اور عادی مجرموں سے ملنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

10- عوام کے تعاون کی حوصلہ افزائی

پولیس کو مجرموں کی نقاب کشائی کے لئے عوام کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے مخبروں اور گواہوں کو خواہ مخواہ پریشان کن طریقوں سے عدالتوں اور تھانوں میں نہیں گھسیٹنا چاہیے عوام عام طور پر اس لئے پولیس کو اطلاع دینے سے گریز کرتے ہیں کہ وہ پولیس کے مشتبہ رویے اور طریق کار سے گھبراتے ہیں۔

11- والدین اور اساتذہ کی بچوں کی نفسیات سے واقفیت

اساتذہ اور والدین کو بچوں کی نفسیات سے مکمل آگاہ ہونا چاہیے تاکہ وہ انہیں پوری طرح معاشرتی اقدار سے مطابقت پیدا کرنے کے قابل بنا سکیں غیر ضروری پابندیوں سے نوجوانوں کو آزاد رکھنا چاہیے اور انہیں سماجی کردار ادا کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے اگر نئی نسل کی سماجی تربیت مناسب طرز پر کی گئی ہو تو ان کی زندگی میں کوئی طوفانی اور ہیجانی دور نہیں آئے گا۔

12- اصلاحی کمیٹیاں

''اصلاحی کمیٹیاں'' بالخصوص دیہی علاقوں میں بہت ضروری ہیں تاکہ وہ اپنے

علاقوں میں روایتی گرفت کی مدد سے چھوٹے چھوٹے جھگڑے نمٹائیں اور معمولی تنازعات کو حل کرائیں جو بعد ازاں سنگین وارداتوں کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ کمیٹیاں اگر ان کی مناسب حوصلہ افزائی کریں تو لوگوں میں بھائی چارے کے جذبات پیدا کر کے انہیں فضول مقدمہ بازی اور جرائم سے باز رکھا جا سکتا ہے۔

13- بیمہ اور سماجی تحفظ

بیروزگاری، بڑھاپے اور دیگر حادثات کی صورت میں سماجی تحفظ کے انتظامات سے معاشرے میں جرائم کی تعداد میں خاصی کمی کی جا سکتی ہے۔ اگر حکومت اس سلسلہ میں ذمہ داری قبول کرے تو یہ بہتر ہوگا۔ لہٰذا ہر فرد کی بیمہ پالیسی ہونی چاہیے۔

14- چائلڈ لیبر پر پابندی

جب بھی کسی معاشرے میں چھوٹے بچوں کو مشقت کے کاموں پر لگا دیا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ بچے اچھی اور بامقصد تعلیم و تربیت اسے محروم رہ جاتے ہیں ان کو ماحول اور روپیہ دونوں مل کر خراب کر دیتے ہیں اور وہ نوخیز بچے جلد ہی اپنی عمر کے ابتدائی مراحل میں جرائم کی طرف چل پڑتے ہیں چنانچہ چائلڈ لیبر قوانین پر سختی سے پابندی ہونی اور کروانی چاہیے۔

15- غیر قانونی کھیلوں پر پابندی

حکومت کو چاہیے کہ وہ غیر قانونی کھیلوں پر پابندی لگائے تاکہ انسان جرائم سے بچ سکیں اور حصول روزگار کے متبادل ذرائع اختیار کریں۔

16- رشوت کی روک تھام

جب معاشرے سے رشوت جیسی لعنت ختم ہو جائے گی تو جرائم بھی کم ہو نگے کیونکہ جب کوئی آدمی جرم کرتا ہے تو وہ رشوت دے کر آسانی سے قانون کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے اور اسی طرح وہ اور زیادہ جرم کرنے لگتا ہے۔

17- آبادی کا کنٹرول

جب معاشرے میں آبادی پر کنٹرول کیا جا سکے تو جرائم کی تعداد میں خود بخود کمی واقع ہوگی کیونکہ روزگار کے مواقع زیادہ حاصل ہونگے۔

18- روزگار کی فراہمی

روزگار کے حصول پر انسان کا بنیادی حق ہے جسے وہ اپنی دیگر ضروریات زندگی کے حصول کے لئے اہم اور ضروری گردانتا ہے۔ جب انسانوں کو روزگار ملے گا تو وہ جرائم کی طرف مائل نہ ہونگے۔

19- نوجوانوں کی اخلاقی تنظیموں کا فروغ

معاشرے میں نوجوانوں کی اخلاقی تنظیمیں قائم کی جانی چاہیں تاکہ وہ دوستوں کے ساتھ مل کر اپنے دوسرے نوجوان دوستوں اور معاشرے کے دیگر نوجوانوں کو اچھی تربیت دیں تاکہ وہ جرائم سے بچ سکیں۔

ناخواندگی

ناخواندگی ہمارے ملک کا ایک اہم سماجی مسئلہ ہے۔ یہ دیگر سماجی مسائل پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے مثلاً ناخواندگی ہی کے باعث مندرجہ ذیل سماجی برائیاں و مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔

1- گروہ بندی
2- فرقہ واردیت
3- قدامت پرستی
4- حفظان صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی
5- بلند شرح اموات و پیدائش
6- پست معیار زندگی

7- سماجی تبدیلی کے خلاف عوام کا شدید ردعمل

ناخواندگی سے کیا مراد ہے؟ یہ جاننے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ خواندگی کیا ہے؟ خواندہ کسے کہتے ہیں؟ کسی دور میں خواندہ سے مراد وہ شخص کہلاتا تھا جو اپنا نام لکھ پڑھ سکتا ہو اور اپنے دستخط کرنے کا اہل ہو۔ پھر خواندہ سے مراد وہ شخص لیا گیا جو کسی اخبار کی تحریر کو پڑھ سکے، سمجھ لے اور پڑھ کر سنا سکے۔ کبھی خواندہ شخص اس کو کہا گیا جو بنیادی حساب کتاب کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور بوقت ضرورت خط وغیرہ لکھ سکتا ہو۔ ان تعریفات خواندہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو سکے کہ پاکستان میں خواندگی کی تعریف عشروں سے بدلتی رہی ہے اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ 1951ء میں خواندگی کی شرح 17.9% تھی جو 1961ء میں 16.9% ہوگئی جس کی وجہ یہ تھی کہ 1961ء میں خواندگی کی تعریف بدل دی گئی جس طرح خواندگی کی تعریف Time to Time بدلتی رہی ہے...... ناخواندگی کے بھی مخصوص معنی لئے جاتے رہے ہیں۔ ناخواندگی سے مراد وہ صورت حال بھی ہے جس سے افراد ایک مخصوص عمر تک پڑھنا لکھنا نہ جانتے ہوں۔ مثلاً پانچ سال کی عمر میں سکول بھجوانا ہوتا ہے اگر اس عمر تک بچہ سکول نہیں گیا تو ان پڑھوں میں شامل نہیں ہوگا مگر اس کی عمر بڑھنے سے وہی بچہ ناخواندہ تصور ہوگا۔

اس کے علاوہ ناخواندگی سے مراد کسی معاشرہ کی وہ حالت ہے جب اس کے افراد کی کثیر تعداد بنیادی تعلیم سے محروم رہ جائیں۔''

ناخواندگی کے اسباب

قومی اور بین الاقوامی کوششوں کے باوجود پاکستان میں ناخواندگی کا خاتمہ ممکن نہیں ہوسکا اس کی کئی وجوہات ہیں آیئے دیکھتے ہیں۔

1- انگریزوں کی ناانصافی

برطانوی دور میں مسلمانوں کو سیاسی چالوں سے ہندو معاشرہ سے پیچھے رکھنے کی دیدہ دانستہ کوشش کی۔ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ جس کے باعث وہ کھیتی باڑی یا دیگر

پیشے اپنانے پر مجبور ہو گئے اور ناخواندہ رہ گئے۔

2- مسلمانوں کا رویہ

مسلمانوں کا رویہ انگریزی تعلیم کے خلاف تھا۔ مگر وہ اس کا حل بھی تلاش نہ کر سکے۔ کیونکہ برطانوی دور میں انگریزی تعلیم کے بغیر گذارہ بھی نہ تھا۔ اس سے کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

3- دیہاتی آبادی

ملک کی اکثریت دیہاتوں میں آباد ہے۔ اور زراعت کے پیشہ سے منسلک ہے۔ لوگ ہاتھ بٹانے کے لئے اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر انہی پیشوں سے گزر اوقات کرتے ہیں اور تعلیم ان کے لئے ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔

5- لوگوں کی ملازمت

ہمارے ہاں پڑھے لکھے لوگوں کو بھی مناسب ملازمتیں نہیں ملتی۔ یا تو ان کے معیار کے مطابق نہیں ہوتیں۔ ان کے نا ملنے سے بددلی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ ناخواندہ والدین بچوں کو سکول نہیں بھیجتے۔

6- فنی تعلیم کی کمی

فنی تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ جس کے باعث ملازمتوں کے حصول میں دشواری ہوتی ہے ورنہ افراد فنی تعلیم حاصل کر کے کوئی بھی کام کر سکتے ہیں۔

7- سیاسی نظام

ہمارے ہاں سیاسی استحکام نہیں جس کے باعث آئے روز ہڑتالوں اور ہنگاموں کی خبر ملتی ہے۔ جو نظام تعلیم کو متاثر کرتی ہے۔

8- غربت

غربت، افلاس کے باعث چھوٹے بچوں کو ہی تلاش روزگار، کسب معاش پر مامور

کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ بچے قلیل آمدنی لاتے ہیں لیکن یہ تھوڑی آمدن بھی گھر والوں کے لئے تسکین قلب کا باعث بنتی ہے اور وہ بچوں کا مستقبل داؤ پر لگانے پر مجبور ہوتے ہیں۔

9- بچیوں کی تعلیم

ہمارے ہاں بچیوں کی تعلیم بڑی مشکل ہے۔ معاشرہ میں جب ان کو تحفظ نہیں ملتا تو اکثریت ناخواندہ رہ جاتی ہے جو قومی سطح پر شرح تناسب پر اثر انداز ہوتی ہے۔

خواندگی میں اضافے کیلئے تجاویز

1- پرائمری سکولوں کی تعداد میں اضافہ

گورنمنٹ کو زیادہ سے زیادہ پرائمری سکول کھولنے چاہیں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کو ہدایت کی جانی چاہیے کہ وہ پرائمری تعلیم کے لیے زیادہ سے زیادہ رقوم مختص کریں۔

2- حکومتی نگرانی

پرائمری تعلیم مکمل طور پر حکومت کی نگرانی میں ہونی چاہیے اگر حکومت مکمل پرائمری تعلیم کو اپنی کفالت میں نہیں لے سکتی تو لوکل گورنمنٹ کے اداروں کو اس سلسلہ میں اپنا حصہ ادا کرنا چاہیے اس طرح اساتذہ کو ملازمت کا تحفظ حاصل ہوگا اور اس سے اساتذہ کی کارکردگی بھی یقیناً بہتر ہوگی۔

3- مخلوط تعلیم

مخلوط تعلیم بالخصوص دیہی علاقوں کے پرائمری سکولوں میں شروع کی جانی چاہیے اس طرح ایک گاؤں میں حکومت ایک ہی سکول کے اخراجات برداشت کرے گی جبکہ فی الوقت دیہات میں لڑکیوں کے لئے الگ سکول چلائے جارہے ہیں جن میں تعداد بہت کم ہوتی ہے اور اس طرح حکومت کے وسائل کا ضیاع ہوتا ہے۔ ایسے سکولوں میں معلمات کا تقرر کیا جانا چاہیے تاکہ والدین کو اپنی بچیوں کو ان سکولوں میں بھیجنے پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

4- مفت تعلیم

پرائمری درجے میں تعلیم بالکل مفت ہونی چاہیے اگرچہ اب بھی مفت ہی ہے تاہم کچھ فنڈ طلباء سے وصول کیے جاتے ہیں جنہیں اکثر والدین ناواجب بوجھ سمجھتے ہیں۔

5- ڈبل شفٹ

ڈبل شفٹ بالخصوص شہری علاقوں میں جہاں طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہیں شروع کرنی چاہیے اور اساتذہ کو اس زائد کام کے لیے کچھ زائد الاؤنس وغیرہ دیئے جانے چاہیں۔ ڈبل شفٹ کے تحت کم اخراجات سے طلباء کی کثیر تعداد کو تعلیم دی جاسکتی ہے۔

6- تعلیم بالغاں کے مراکز

مقامی آبادی کے باہمی تعاون سے تعلیم بالغاں کے مراکز کھولے جائیں۔ پرائمری اساتذہ کو تعلیم بالغاں کے مراکز چلانے کی بھی تربیت دی جانی چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ تعلیم بالغاں کے پروگرام کو دلچسپ بنایا جائے اور ملک میں خواندگی کی شرح بڑھائی جائے۔

7- گریجوایٹس کو ناخواندہ افراد کو پڑھانا چاہیے

بی۔اے۔بی۔ایس۔سی کے بعد طلبہ پر یہ شرط عائد کرنی چاہیے کہ انہیں اس وقت تک اگلی ڈگری نہیں دی جائے گی جب تک وہ کم از کم تین ناخواندہ افراد کو لکھنا پڑھنا نہ سکھا دیں۔

8- لازمی تعلیم

سکول جانے کی عمر کے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے مڈل تک کی تعلیم لازمی قرار دی جانی چاہیے جو والدین اپنے بچوں کو سکول نہ بھیجیں ان کے خلاف سخت قانونی کارروائی ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ بچوں کو بھی اس بات کا پابند کیا جانا ضروری ہے کہ وہ اپنے ان پڑھ والدین کو پڑھنا لکھنا سکھائیں، جیسا کہ چین میں بالغوں کی ناخواندگی ختم کرنے کے لئے کیا گیا۔

9- منصوبہ برائے تعطیلات

موسم گرما کی تعطیلات اور دیگر چھٹیوں کو اس طرح طالب علم پھیلانا اور تقسیم کرنا چاہیے کہ دیہی علاقوں میں جب فصل کی کٹائی اور دیگر مصروف ایام میں اپنے والدین کا ہاتھ بٹا سکیں۔اس طریقے سے وہ طلباء بھی سکول پہنچ جائیں گے جنہیں ان کے والدین اس قسم کی معمولی باتوں کے لیے سکول میں داخل نہیں کراتے۔

10- خصوصی انعامات

ایسے اساتذہ اور معلمین کو خصوصی انعامات اور اضافی تنخواہ اور سرٹیفکیٹ دینے کا انتظام ہو جو زیادہ سے زیادہ طلبہ کو سکولوں میں لائیں اور اچھے نتائج بھی دکھائیں۔اس قسم کی ترغیبات سے اساتذہ کی کارکردگی بڑھائی جاسکتی ہے۔

11- سیمینار اور دوران ملازمت تربیت

اساتذہ کو محکمہ تعلیم کے لیے مفید بنانے کی غرض سے سیمینار، دوران ملازمت تربیت اور نئے کورسز کا انتظام کیا جانا چاہیے۔ان طریقوں سے اساتذہ کو ہر روز بدلتی ہوئی دنیا میں اپنی معلومات کو تازہ رکھنے میں مدد ملے گی۔اسی طرح اساتذہ کو ایسے طلباء کے لیے تعلیم کو دلچسپ اور بامقصد بنانے میں مدد ملے گی جو عام طور پر اس میں دلچسپی نہیں لیتے۔

12- بہتر تنخواہیں

پرائمری اساتذہ کے پیشے کو زیادہ دلکش بنانے کے لیے بہتر تنخواہیں پیش کی جانی چاہئیں۔ پرائمری اساتذہ کو کبھی بھی اس امر کا احساس پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے کہ وہ معاشرے کا گرا پڑا اور نظر انداز کیا گیا طبقہ ہیں۔

13- پرائیویٹ اداروں کو تسلیم کرنا

پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کے کام کی حوصلہ افزائی کی جانی

چاہیے اور تعلیم کو محض حکومت ہی کی ذمہ داری قرار نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کی حکومتیں ہر سال بڑھتی ہوئی طلبہ کی تعداد کے لئے مطلوبہ مقدار میں رقوم مہیا نہیں کر سکتیں۔ صنعت کار اور دیگر مخیرّ حضرات کو اس شعبے میں قومی ذمہ داری سنبھالنی چاہیے اور حکومت کا بوجھ کم کرنا چاہیے۔

پاکستان میں غیر سرکاری ہائی سکولوں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے تاہم پرائمری تعلیم کی صورت میں حالات برعکس ہیں (سوائے کراچی اور لاہور کے)۔

14- مدرسے اور مکتب

موجودہ مدرسے اور مکتب حکومت کو تسلیم کرنا چاہیں اور انہیں محکمہ تعلیم سے ملحق کرنا چاہیے۔ ان اداروں میں جدید علوم پڑھانے کے لیے تربیت یافتہ اساتذہ مقرر کیے جائیں۔ موجودہ امام جو دیہات کی مساجد میں موجود ہیں کو پرائمری تعلیم کے استاد کے طور پر تربیت دی جانی چاہیے۔

گداگری

گداگری ہمارے معاشرے کا اہم مسئلہ ہے۔ گداگر چاہے بے کس مجبور ہی کیوں نہ ہو وہ انسانیت کے لیے ایک داغ ہے۔ یہ لعنت انسان کی خودی کو ختم کر دیتی ہے اور وہ شخص معاشرہ کی نظر میں گر جاتا ہے۔

دنیا کے تمام معاشروں میں فقیروں کی مخلوق پائی جاتی ہے یہ جدید ترین ماڈرن اور انتہائی پس ماندہ معاشروں میں بھی پائے جاتے ہیں فقیر بنیادی طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں۔

1- ایک وہ جو حالات سے حقیقتاً متاثر ہوتے ہیں اور ان کے پاس اپنی گزر اوقات کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا اس لیے ان کے پاس گداگری کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔

2- گداگری میں دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اس کو بطور فیشن، پروفیشن یا پیشہ کے طور پر اپناتے ہیں اور موقع ملتے ہی بھیک مانگنے کے ساتھ ساتھ وارداتیں کرنا بھی شروع کر دیتے

ہیں یہ شوقیہ قسم کے فقیر ہوتے ہیں جو اس کام کے علاوہ اور کام نہیں کرتے۔

گداگری کی تعریف

ڈکشنری آف سوشیالوجی کے مطابق

”گداگری یا بھکاری سے مراد وہ شخص ہے جو عادتاً دست دراز کرتا ہے اور اصولی اور قانونی طور طرِ معاشرہ اس کی کفالت کا ذمہ دار نہ ہو۔“

گداگر چاہے مجبور ہو بے کس ہو انسانیت کے نام پر دھبہ ہے یہ ایسی برائی ہے جو خودی کو ختم کر دیتی ہے اور یہ افراد معاشرہ کی نظر سے گر جاتے ہیں پچھلے چند سالوں سے اس میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔

گداگری پاکستان میں آج کل سنگین مسئلوں میں سے ایک ہے کیونکہ گداگری یا کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا کوئی آسان کام نہیں ہے ہاتھ پھیلانے سے پہلے آدمی کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اس میں خود اعتمادی اور کام کرنے کا جذبہ ناپید ہو جاتا ہے آدمی دوسروں کے رحم و کرم پر انحصار کرنا شروع کر دیتا ہے علاوہ ازیں گداگر ملکی اور قومی ترقی میں حائل ہوتے ہیں۔

وجوہات

گداگری کی وجوہات کو مندرجہ ذیل مفصل بیان کیا گیا ہے۔

1- جسمانی معذوری اور حادثات

فقیروں میں کچھ لوگ مختلف قسم کے حادثات اور جسمانی معذوری کی وجہ سے بھیک مانگتے ہیں یہ حادثات جن سے جسمانی معذوری جنم لیتی ہے مندرجہ ذیل وجوہات میں شامل ہیں۔

2- بطور پیشہ

کچھ افراد یا فقیر اس پیشہ کی آمدنی کی وجہ سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں یہ وراثتی طور پر اس میں شریک نہیں ہوتے بلکہ دیکھا دیکھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

3- بچوں کا اغواء اور تربیتی کیمپ

گداگری کو بطور پیشہ بنانے والے افراد معاشرے میں ہی ہوتے ہیں۔ یہ بچوں کو مختلف علاقوں سے اغواء کرواتے ہیں ان کو تربیتی کیمپوں میں رکھنے کے بعد ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر اور بھیک مانگنے کے طریقے سکھا کر زبردستی بھیک منگواتے ہیں۔ یہ ایک بڑا منظّم کاروبار ہے جس میں فقیروں کو باقاعدہ ان کے اڈوں سے واپس لایا جاتا ہے اور ان کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

4- یتیم اور ناجائز بچے

ایسے بچے جس کے والدین فوت ہو جاتے ہے یا جن کو اپنے والدین کا علم نہیں ہوتا ان کے پاس نہ تو مناسب تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی رہائش و خوراک کے لیے روپیہ پیسہ چنانچہ یہ بھی گداگری سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے اپنی خودی کھو دیتے ہیں۔

5- منشیات کا استعمال

منشیات کا استعمال کرنے والے کسی کام کے نہیں ہوتے، اور نہ ہی یہ کوئی کام ڈھنگ سے سرانجام دیتے ہیں اس لیے یہ منشیات کے استعمال کرنے کے لیے گداگری شروع کرتے ہیں۔

6- غربت

گزراوقات اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے جن افراد کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ انتہائی افلاس کی حالت میں اپنے خاندان کا پیٹ بھرنے کے لئے بھیک مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔

7- سماجی تحفظ کا فقدان

مشترکہ خاندان میں بے سہارا بوڑھوں، بیواؤں وغیرہ کو سماجی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں مختصر خاندان کا رواج عام ہو گیا ہے جس میں صرف میاں بیوی اور بچے

شامل ہوتے ہیں اور بے سہارا اور بوڑھوں کا تحفظ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے وہ اپنے گزر اوقات کے لیے دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

8-وراثت

کچھ افراد کو گداگری کا پیشہ ورثہ میں ملتا ہے یعنی کہ ان کے والدین گداگر ہوتے ہیں۔حالانکہ انہیں دیگر ذرائع بھی دکھائی دیتے ہیں جو ان کی کفالت کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں مگر مجبوراً بچے کمائی کا یہی طریقہ اپنا لیتے ہیں۔

9-قدرتی آفات

قدرتی آفات کی صورت میں جیسا کہ زلزلے سیلاب اور جنگ وغیرہ جس میں لوگ اپنے گھربار سے محروم ہو جاتے ہیں مجبوراً انہیں بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے گداگری جیسی لعنت میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

10-مذہبی عقیدہ

بعض لوگ مذہب کے نام پر مانگتے ہیں اور لوگ اپنی نجات کے لئے یا مذہبی جذبات کے تحت خیرات دیتے ہیں۔اس طرح گداگر لوگوں کے مذہبی جذبات کو ابھار کر اپنا کام چلاتے ہیں۔اور لوگوں کا یہ رویہ یقینی طور پر گداگری کے فروغ کا باعث ہے کیونکہ دوسروں کی مدد کرنا ہم اپنا ایک مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔

11- کام چوری

اکثر لوگ فطرتاً کام چوری کا شکار ہوتے ہیں مشکل وقت میں عارضی طور پر گداگری کو وسیلہ بناتے ہیں اور پھر چھوڑنے کا نام نہیں لیتے اور اس طرح کام سے جی چرانا ہی گداگری کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

12- **جہالت** : جہالت کی وجہ سے بھی گداگری کرنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ جہالت کی وجہ سے لوگ اس کے نقصانات سے واقف نہیں ہوتے اور جہالت کی

وجہ سے گداگری کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔

گداگری کا انسداد یا خاتمے کے لیے تجاویز

انسداد گداگری کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

1- قوانین

گداگری کو روکنے کے لیے سب سے موثر چیز گداگری سے متعلق قوانین ہیں جن کا نفاذ سختی سے کیا جانا چاہیے اگر یہ قوانین صحیح لاگو ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بے شمار گداگر اپنا پیشہ گداگری چھوڑ دیں ان لوگوں کو نہ تو عام پبلک روکتی ہے اور نہ ہی اس سے متعلق ادارے چنانچہ یہ لوگ بغیر کسی روک ٹوک سے اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔

2- گداگروں کی آبادکاری

فقیروں پکڑنے کے بعد ان کے علاج رہائش اور روزگار کا مکمل بندوبست ہونا چاہیے۔ جب یہ تینوں چیزیں حکومت کی طرف سے ملیں گی تو اس کا خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

3- یتیم خانوں کی اصلاح

کچھ یتیم خانوں میں یتیم بچوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلوک اور مار پیٹ کی وجہ سے بچے معذور ہو جاتے ہیں اور پھر انہی ادارے کے لوگ آمدن کے لیے ان بچوں سے بھیک منگواتے ہیں۔

4- خاندانی منصوبہ بندی

بچوں کی پیدائش میں اضافہ کی وجہ سے بچے اپنی بنیادی حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں ایسے بچے اپنے والدین کی توجہ اور پیار سے بھی محروم ہوتے ہیں اور کچھ گھروں سے بھی بھاگ جاتے ہیں چنانچہ اگر فیملی پلاننگ (Family Planning) کو موثر بنایا جائے تو اس سے کچھ خاندانوں کا اور کچھ بچوں کا ضرور بھلا ہوگا۔

5- بچوں کے اغواء کی روک تھام

قانون نافذ کرنے والے ادارے سختی کے ساتھ ایسے منظّم گروہوں کا خاتمہ کریں جو بچوں کے اغوا میں شریک ہوتے ہیں چنانچہ اس سے بھی گداگری کے پیشے میں آنے والے افراد کی روک تھام ہو سکے گی۔

6- مذہبی تعلیمات کا فروغ

اسلام نے بھیک مانگنا گناہ قرار دیا ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے مذہبی تعلیمات سے روشناس کروایا جائے اور عوام الناس کو سختی سے ہدایت جاری کی جائے کہ وہ گداگری کی روک تھام کے سلسلہ میں حکومت سے تعاون کریں۔

7- بچوں کی تعلیم و تربیت

گداگر بچوں کو علیٰحدہ گھروں میں رکھ کر اچھے شہری بنانے کے لیے ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ان کی مناسب تعلیم و تربیت بھی کی جائے۔

8- علاج معالجہ کی سہولیات کی فراہمی

بے شمار کوڑھی اور دیگر بیماریوں میں مبتلا گداگروں کا علاج کیا جائے۔ ان کو تمام علاج معالجہ کی سہولیات کم قیمت پر یا بالکل مفت فراہم کی جائیں تا کہ وہ معاشرے کے باوقار افراد بن کر زندگی پر امن طریقہ سے بسر کر سکیں۔

9- غربت کا خاتمہ

گزر اوقات اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے جن افراد کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں چنانچہ ان حالات میں حکومت کو چاہیے کہ وہ غربت کا خاتمہ کرے تا کہ گداگری جیسی سماجی برائی سے نجات حاصل کی جا سکے۔

10- عوام کے فرائض

ایسے میں عوام پر فرض لاگو ہوتا ہے کہ وہ گداگروں کی پہچان کریں اور جو لوگ اس کے مستحق ہوں صرف اور صرف اُن کو خیرات دیں۔

11- گداگری کی تحقیق

مختلف اداروں مثلاً بالخصوص تعلیمی اداروں میں سوشل روک اور نفسیات پڑھنے والے طلبہ گداگری کی وجوہات پر تحقیق کریں تا کہ اس سے متعلق صحیح وجوہات کا پتہ چل سکے۔اور اُن وجوہات کی روشنی میں حکومت فقیروں کے روک تھام اور آبادکاری کے انتظامات کر سکے۔

12- سماجی تحفظ

مشترکہ خاندانوں میں بے سہارا بوڑھوں وغیرہ کو سماجی تحفظ ہوتا ہے لیکن اس موجودہ دور میں مختصر خاندان کا رواج عام ہو گیا ہے۔مختصر خاندان اپنے میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ اپنے بوڑھوں کی حفاظت نہیں کرتے اس لئے کچھ تربیتی مراکز قائم ہونے چاہیں جو کہ لوگوں کو اس بری لعنت سے محفوظ رکھ سکیں۔

13- قدرتی آفات

قدرتی آفات میں مثلاً زلزلے سیلاب اور جنگ وغیرہ میں لوگ اپنے گھر بار سے محروم ہو جاتے ہیں اس لئے اُن کو اپنی بنیادی پوری کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے سپیشل روزگار اور مدادفراہم کرنی چاہیے۔

غربت

وہ ممالک جو بنیادی طور پر پسماندہ ہوتے ہیں۔ان ممالک میں ذرائع کا صحیح استعمال نہیں ہوتا۔جس کی وجہ سے پیداوار تقسیم کار کے اصول پر نہیں کی جاتی۔لہٰذا پیداوار کم رہتی ہے۔ پیداوار کی کمی کی سب سے بڑی وجہ منڈیوں کا نامکمل ہونا ہے۔لہٰذا پسماندہ ممالک

میں پیداوار کم ہونے کی وجہ سے لوگوں کی آمدنیاں قلیل ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ ممالک بنیادی طور پر زرعی ہوتے ہیں۔ لہٰذا لوگوں کی آمدنیوں کا زیادہ تر انحصار زرعی شعبے کی پیداوار پر ہوتا ہے۔ لیکن پسماندگی کی وجہ سے اس شعبے کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ اس لئے ان ممالک میں لوگوں کی آمدنیاں بھی کم رہ جاتی ہیں۔ اپنی آمدنی میں کمی کی وجہ سے لوگ جو کچھ کماتے ہیں وہ اپنی ضروریات زندگی کو حاصل کرنے کے لئے خرچ کر دیتے ہیں لہٰذا ان کی بچتوں کا معیار بہت پست ہو جاتا ہے بلکہ ان ممالک میں بچتیں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ بچتوں میں کمی سرمایہ کاری میں کمی کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر کینز کے مطابق بچتیں ہمیشہ سرمایہ کاری کی کمی کی وجہ ہوں گی، جس سے ان ممالک میں سرمائے کی قلت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور سرمائے کی قلت ہی دراصل ان ممالک کی معاشی پسماندگی کا باعث بنتی ہے۔ اس طرح سے یہ ممالک ایک قسم کے غربت کے منحوس چکر میں پھنس جاتے ہیں۔ جس سے نکلنا ان کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

غربت کے اسباب

کسی ملک، قوم یا افراد کے پسماندہ غریب ہونے کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں۔ ان میں سے چند اہم وجوہات کی نشان دہی تو مذکورہ بالا شکل میں ہوگئی ہے وجوہات کا مزید تفصیلی خاکی ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

1- غلامی کا دور

اگر کوئی ملک کسی غیر ملکی سامراجی طاقت کا غلام رہا ہو تو وہ ملک اور اس کے افراد آزاد ممالک کے مقابلے میں غریب ہوں گے۔

2- جاگیردارانہ نظام

اگر کسی ملک کے زرعی شعبے میں جاگیردارانہ نظام رائج ہو تو وہاں کا شتکاروں اور عوام کی حالت انتہائی غریبانہ ہوگی۔

3- صنعتی پسماندگی

اگر کسی ملک میں صنعتی کارخانوں کی کمی ہو تو وہاں مزدوروں کی معاشی حالت ابتر رہتی ہے۔ زیادہ بے روزگاری کے سبب آمدنی قلیل رہتی ہے۔ لوگ غربت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

4- آبادی کا دباؤ

اگر کسی ملک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہو تو وہاں کے عمومی حالات اور فی کس آمدنی کا معیار پست ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے غربت بڑھتی ہے۔

5- جہالت

جہاں لوگ عام طور پر اَن پڑھ ہوتے ہیں۔ وہاں پیداوار بڑھانے کے نئے نئے طریقوں کو استعمال کرنا مشکل ہوتا ہے۔ آمدنی کا معیار پست رہتا ہے جو کہ غربت کا باعث ہوتا ہے۔

6- دقیانوسی ماحول

اگر معاشرے میں فرسودہ حالات کا دور دورہ ہو تو ترقی کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ قدامت پسندی قدم قدم پر رکاوٹ بنتی ہے اور غربت چھا جاتی ہے۔

7- پرانے طریقے

جہاں مشینوں کی بجائے انسانی ہاتھوں اور جانوروں سے زیادہ کام لیا جاتا ہو، وہاں ترقی، آمدنی اور خوشحالی کی رفتار سست رہتی ہے۔

8- قناعت پسندی

جس علاقے کے لوگ آگے بڑھنے کی بجائے قناعت پسندی کو اپنا مسلک بنا لیتے ہیں۔ تو وہاں ترقی کا کام شدت کے ساتھ متاثر ہوتا ہے۔

9- سرمایہ کی کمی

اگر افراد یا اقوام کو سرمایہ کی کمی لاحق ہو تو ترقی کا خواب دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ترقی کے لیے سرمایہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

10- ذرائع کی قلت

جہاں معدنیات، پانی، ہوا، دھوپ، بجلی اور تیل جیسی قدرتی نعمتوں کی کمی ہوگی۔ وہاں ترقی کی رفتار کو تیز رکھنا وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

11- کام چوری

اگر افراد محنت کے عادی نہ رہیں تو پیداوار کو بڑھانا اور پھر آمدنیوں کے معیار کو بڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔اس لئے کہ ترقی کا دارومدار محنت اور مشقت پر ہے۔

12- معاشرتی اقدار

جس معاشرے میں قانونی اور جائز کام کرنا اچھا نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور لوگ ناجائز ذرائع سے کمانا پسند کرتے ہوں تو وہاں ترقی کی رفتار متاثر ہو جاتی ہے۔

13- استحصال

جہاں مزدور کو اس کی محنت کا صحیح معاوضہ نہ ملتا ہو، وہاں امن وامان کی ضمانت نہیں رہتی۔لوگ پورے نظام کو تہ وبالا کرنے پر تل جاتے ہیں۔غربت کا بھوت اس معاشرے پر اپنا سایہ پھیلائے رکھتا ہے۔

14- بے روزگاری

جس معاشرے کے افراد کو بے روزگاری کا سامنا ہو۔ وہاں آمدنی میں اضافے کی ہر گز توقع نہیں کی جاسکتی۔ بے روزگاری سے غربت لازماً جنم لیتی ہے۔

15- معذوریاں

جہاں افراد، اپاہج ہوں، جسمانی طور پر معذور ہوں، وہاں انفرادی طور پر ترقی کے آثار نمایاں نہیں ہوتے۔ کیونکہ اپاہج افراد کام کے قابل نہیں ہوتے۔

16- سیاسی مصلحت

بعض اوقات حکومتیں اپنے عوام کو جان بوجھ کر غریب رکھنے پر آمادہ رہتی ہیں۔ ایسی حکومتوں کے افراد افلاس کے زیر اثر کراہتے رہتے ہیں۔

17- بچتوں کی کمی

اگر افراد فضول خرچ ہوں تو آمدنی کا موجودہ معیار برقرار رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ آمدنی اور کاروبار کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ماہ کی آمدنیوں میں سے کچھ حصہ بچانا اور استعمال کرنا ضروری ہے۔

18- معاشرتی برائیاں

اگر معاشرے میں سماجی، اخلاقی یا معاشی برائیاں راہ پا چکی ہوں تو اس سے محنت کرنے کے جذبہ کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اس طرح سمگلنگ، چور بازی اور غبن کے سبب ترقی کا راستہ رک جاتا ہے۔

غربت کا علاج

غربت کے خاتمہ کے لیے کئی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جو یہ ہیں۔

1- آزادی کا حصول

آزاد قومیں چونکہ تیزی سے ترقی کرتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر فرد اور قوم آزادی کی نعمت سے مالا مال ہو۔ غلامی میں نہ کام آتیں ہیں۔ شمشیریں نہ تدبیریں۔ یہاں یہ بات کہنا بھی ضروری ہے کہ اب افراد کی غلامی کا زمانہ تو خیر کسی حد تک گزر چکا ہے

مگر اب قومیں غلام ہوتی ہیں جیسے ہماری قوم کی خودی اور خودمختاری کا سودا کر کے امریکہ کا غلام بنا دیا گیا ہے۔

2- زرعی اصلاحات

ملک کے زراعت کے شعبے میں کاشت کار کو زمین کا مالک بنا کر زرعی پیداوار کو بڑھایا جاسکتا ہے۔اس سے غربت کے خاتمہ میں مدد ملتی ہے۔

3- صنعتوں کا قیام

ملک میں نئے کارخانے کھول کر خام مال، افراد اور مشینوں کے استعمال کے لیے بہتر صورت حال پیدا کی جاسکتی ہے۔اس سے قومی اور فی کس آمدنی بڑھتی ہے۔

4- آبادی پر قابو

خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے آبادی کی شرح پیدائش کو مناسب رکھا جائے۔

5- تعلیم کی اشاعت

تعلیمی سہولتوں میں اضافہ کر کے لوگوں کو ذہنی طور پر نئے طریقے اختیار کرنے پر راضی کیا جاسکتا ہے۔اس طرح تعلیم پھیلنے سے آمدنی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

6- مشینوں کا استعمال

جانوروں کی بجائے پیداواری شعبے میں مشینوں کا استعمال بڑھا کر آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔اس طرح غربت کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

7- ترقی کا جذبہ

قناعت پسندی کی جگہ ترقی کے جذبہ کو فروغ دے کر لوگوں کو زیادہ محنت اور زیادہ کمائی کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے۔اس سے غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔

8- بہتر ماحول

معاشرے میں لوگوں کو کام کی قدر کرنے، وقت پر کام انجام دینے، بیکاری سے بچنے، وسائل کو ضائع کرنے سے روکنے کی ترغیب دے کر غربت کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

9- سرمائے کی فراہمی

بینکوں اور قرض دینے والے ادارے قائم کر کے لوگوں کو کاروبار اور سرمایہ کاری کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے۔ اس سے کاروباری سرگرمیاں فروغ پائیں گی۔ سرمایہ کی کثرت سے غربت کو جلاوطن کیا جاسکتا ہے۔

10- وسائل کی تلاش

معدنیات گیس، دھاتوں، تیل، بجلی کے وسائل تلاش کر کے قومی آمدنی، پھر فی کس آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔اس سے غربت کو دیس نکالا مل سکتا ہے۔

11- محنت ومشقت

لوگوں کو محنت کا عادی بنا کر آرام طلبی چھوڑ کر پابندی وقت کی عادت ڈال کر کام اور پیداوار کی رفتار بڑھائی جاسکتی ہے۔

12- عمدہ اقدار

کام کی پرستش کرنا، کام کو پورے انہماک سے کرنا وہ عمدہ اقدار ہیں کہ جس نے ان کو اپنالیا، وہ ترقی کے راستے پر تیزی سے گامزن ہوجاتا ہے۔

13- صحیح معاوضہ

افراد کو ان کے کام کا جائز اور صحیح معاوضہ دے کر معاشرتی ماحول کو سازگار بنایا جاسکتا ہے۔ایسے حالات میں کام کی رفتار تیز ہوجاتی ہے۔

14-روزگار کے مواقع

ملک میں ایسے کام اور ادارے قائم کیے جائیں کہ جن سے لوگوں کو روزگار میسر آ جائے تو ذاتی کاروبار یا ملازمت سے انفرادی حالات سدھارنے میں مدد ملتی ہے۔ یہیں سے غربت کے خاتمے کا آغاز ہوتا ہے۔

15-علاج معالجہ

علاج معالجہ کی سہولتیں بڑھا کر، بیماروں کو قابو پا کر صحت مند افراد کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے۔ جو آمدنیوں میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

16-اچھی حکومت کا قیام

ترقی کی دلدادہ حکومتوں کو معرض وجود میں لا کر ملک اور افراد کو ترقی کی راہ پر ڈالا جا سکتا ہے۔ اس سے قوم کے سبھی افراد کو بھلائی نصیب ہوتی ہے۔

17- بچتوں کا فروغ

افراد کو بچتوں کا عادی بنا کر، ان کو فضول خرچی سے روک کر، بے جا اسراف کی روک تھام کر کے سرمایہ کاری کی خاطر روپیہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ کاری بڑھنے سے ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔

18- سماجی اصلاح

بدعنوان عناصر کی سرکوبی کر کے اور سماجی برائیوں پر سخت سزا دے کر معاشرے کی اصلاح ممکن ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر فرد کو اپنی محنت کا جائز معاوضہ ملنے لگتا ہے۔ یہ بات غربت کے خاتمے میں مدد دیتی ہے۔

19-بدامنی کا خاتمہ

ملک کی اندرونی، کش مکش، مفادات اور خانہ جنگی کو روک کر امن و اماں کی فضا قائم کر

کے ترقی کو چار چاند لگائے جاسکتے ہیں۔

20- جنگ سے گریز

ہمسایہ یا دوسرے ممالک سے بہتر خارجہ پالیسی کے تحت جنگ کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ جنگ سے گریز کرنے سے معاشی کاموں کے لیے وسائل فراہم ہو جاتے ہیں۔ جو انفرادی اور اجتماعی بہبود کا سبب بنتے ہیں اور اہل ملک و معاشرہ غربت کے منحوس چکر سے چھٹکارا پاتے ہیں۔

کمسنی کے جرائم

کم سنی کے جرم کی تعریف یہ ہے کہ ایسا فعل جسے نابالغ فرد کرے یا اس سے سرزد ہو اور اس فعل کو قانون، اہل معاشرہ پسند نہ کرتے ہوں کم سنی کا جرم کہلاتا ہے۔ سوشل ورک کے طلباء کی دلچسپی کی خاطر یہ حقیقت نوٹ کروانا ضروری خیال کی جاتی ہے کہ پاکستان کے آئین کے مطابق مختلف جرائم میں نابالغ افراد کیلئے عمر کی مختلف حدیں مقرر ہیں فوجداری قانوں کے مطابق بارہ سال کی حد مقرر ہے اور سول جرائم میں سولہ سے اٹھارہ سال کی حد مقرر کی گئی ہیں۔ صورت حال کچھ بھی ہو وہ تمام نابالغ بچے جو ملکی قوانین کو توڑتے ہیں اور ایسا فعل کرتے ہیں جو معاشرہ کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہوتا ہے، کمسنی کا جرم کہلاتا ہے۔

موجودہ دور اصلاحی دور ہے۔ اس دور میں مجرم بچوں کو نظرانداز نہیں کیا جاتا۔ بچے مجرم کیوں بنتے ہیں؟ ان کے جرائم کے کیا اسباب ہیں؟ ان کے جرائم کا انسداد کس طرح کیا سکتا ہے؟ ان سب باتوں پر آج کے دور میں پوری طرح غور کیا جاتا ہے تاکہ ان بدنصیب بچوں کو معاشرے کے لیے مفید اور باوقار بنایا جا سکے۔

مجرم بچوں کے علاج کے لیے مناسب اور موثر اقدامات کی ضرورت ہے۔ انہیں پولیس کے حوالے کر دینا۔ جرمانہ یا سزا دے کر مقید کر دینا کوئی مناسب کام نہیں۔ اس سے ان کی اصلاح کا کام اور مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے علاج کے لیے ضروری ہے کہ ان کے مجرم بننے کے اسباب کی روشنی میں ان کی نفسیاتی رہنمائی اور علاج کا معقول اہتمام کیا جائے

تاکہ ان میں جذباتی اور معاشرتی توازن پیدا ہو۔ بہتر فکر و عمل کی رغبت پیدا ہو اور وہ معاشرے کے ہونہار، صحت منداور کارآمد شہری بن سکیں۔

مجرم بچوں کی پہچان

1- غیر سماجی حرکات

خطا کار بچے معاشرے کے سماجی اور اخلاقی قوانین کے باغی ہوتے ہیں اور قوانین کو توڑنے سے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مار پیٹ کرنا، زیادتی کرنا، عمارتوں کو نقصان پہنچانا اور آگ لگانا وغیرہ ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ ایسے بچے اپنے بزرگوں سے گستاخی سے پیش آتے ہیں اور اپنے ہم عمر اور چھوٹے بچوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

2- جنسی بے راہ روی

مجرم بچے جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں سے چھیڑ چھاڑ میں لطف لیتے ہیں اور فضول باتیں اور طرح طرح کی جنسی حرکات بھی کرتے ہیں۔

3- جذبہ انتقام میں زیادتی

بدلہ لینا انسان کا فطری تقاضا ہے مگر جب اس جذبے میں شدت پیدا ہو جائے تو اچھے اور برے میں تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ انسان ذرا سی بات کو اپنی عزت کا مسئلہ بنا لیتا ہے اور بلا وجہ دوسروں کو نقصان پہنچانے پر تل جاتا ہے چاہے اس سے اسے فائدہ حاصل نہ ہو۔ اس سلسلے میں وہ اپنے گھر کے لوگوں کو بھی نہیں چھوڑتا۔

کمسنی کے جرائم کے اسباب

بچوں کے مجرم بننے کی اصل وجہ زیادہ تر ذہنی اسباب ہوتے ہیں۔ بچوں کے جرائم پر سائنسی تحقیقات کے بعد کچھ نتائج اخذ کیے گئے ہیں جن کی رو سے کم سنی کے جرائم کے

اسباب درج ذیل ہیں۔

1- ناسازگار خاندانی حالات

ناسازگار خاندانی حالات مثلاً مفلسی، ماں باپ کا سوتیلا پن، والدین کی بے جا سختی، یتیمی یا سرپرست کا توجہ نہ دینا اور والدین کی ناچاقی بچوں کو مجرم بنانے میں نہایت مدد گار ثابت ہوتی ہے۔

2- فطری جبلتوں کی شدت

بھوک، غصہ، تجسس اور جنس کی فطری جبلتوں کی شدت بھی جرائم پر اکساتی ہے۔ جنس ایک جبلت ہے مگر اس کا دبانا درست نہیں اگر بچوں کو ایسے مواقع فراہم نہ کیے جائیں کہ وہ صحت مندانہ طریقہ سے اس کی بھڑاس نکال سکیں تو اس صورت میں بے راہ روی کا امکان ہوسکتا ہے۔ اسی طرح بھوک اور غصے کی شدت بھی چوری چکاری اور جھگڑوں کا عادی بنا دیتی ہے۔

بُری صحبت

جوں جوں بچہ عمر میں بڑا ہوتا ہے اس کی معاشرتی زندگی وسیع ہوتی جاتی ہے۔ وہ محلے کے بچوں سے دوستی بڑھاتا ہے اور گہرے معاشرتی روابط پیدا کرتا ہے۔ سکول جاتا ہے تو اس کے دوستوں کا حلقہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ برے اور بداخلاق بچوں کی صحبت اختیار کر لیتا ہے جو اسے چوری چکاری اور دیگر مخرب اخلاق باتوں کی طرف مائل کر دیتے ہیں۔

4- نقصان دہ عادات

تمباکو نوشی اور سینما بینی جیسی عادات بھی بچوں کو جرائم کی طرف راغب کر دیتی ہیں۔ بچوں میں تقلید کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ جو بات بھی ان کے مشاہدے میں آئے اچھی ہو یا بری وہ اس کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ سینما بینی کے شوقین بچے سینما میں پست اخلاق

باتوں اور حرکتوں کو جب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ان کا اعادہ کرنے لگتے ہیں۔اس طرح مختلف جرائم کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔

5- گناہ اور جرم کی خاندانی روایات

بچوں کے مجرم بننے میں خاندانی روایات بھی اہم حصہ لیتی ہیں۔عموماً وہی بچے گناہ یا جرم کا ارتکاب کرتے ہیں جن کے آباؤ اجداد بھی مجرم تھے۔

6- خاندانی ذہنی بیماریاں

بعض بچے ذہنی کمزوری یا مختلف ذہنی بیماریاں ورثے میں پاتے ہیں۔وہ دیگر افراد کی طرح معاشرے کے لیے مفید اور کارآمد ثابت نہیں ہوتے۔جس سے وہ احساس کمتری اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر جرائم کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔جسمانی طور پر لاغر بچے بھی ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہو کر مجرم بن جاتے ہیں۔

7- ناقص تربیت

بچپن وہ دور ہے جس میں بچے کے کردار اور اخلاق کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔اس دور میں والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس دور میں بے جا لاڈ پیار یا سختی ان کی جذباتی زندگی میں عدم توازن کا سبب بن سکتی ہے جس سے وہ جرائم کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔اس دور میں بچے کی ناقص تربیت نہ صرف اس کی ذات کے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

8- جیلوں کی حالت زار

جیل جو کہ دنیا میں جہنم کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔اس میں ہمارے ملک عزیز میں بچوں کو جیل کے اندر بڑے مجرموں کے ساتھ رکھا جاتا ہے جہاں رہ کر بچے جرائم سیکھتے ہیں اور جب جیلوں سے چھوٹ کر وہ دوبارہ معاشرے میں جاتے ہیں تو وہاں اپنے دیگر کم سن ساتھیوں کو جرائم کی طرف راغب کرتے ہیں وہ بچے جو نادانستہ یا اتفاقاً جرم کر بیٹھتے ہیں

جب جیلوں کی ہوا کھاتے ہیں تو وہاں کے منفی اور جرائم پروردہ ماحول سے متاثر ہوتے ہیں اور جرم کرنا سیکھ جاتے ہیں۔

10- معاشرے کا منفی رویہ

کمسن مجرم جب اپنے جرم کی پاداش میں سزا پا کر واپس معاشرے کے وسیع وعریض سمندر میں قدم رکھتا ہے تو ہمارے معاشرے کے اکثر افراد ان کو بے رحم اور ملامت بھری نگاہوں سے دیکھتے اور ان کو مختلف غلط ناموں سے پکارتے ہیں، معاشرے کے طعن سے آزردہ ہو کر وہ بجائے کہ اپنے آپ کو درست کریں دوبارہ اپنی شرمندگی، خفگی اور بے عزتی سے بچنے کے لئے جرائم کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

11- تفریحی سہولتوں کی کمی

ماہرین ماحولیات وعمرانیات کے مطابق تفریحی سہولتوں کی کمی بھی کم سنی کے جرائم کی ایک بڑی وجہ ہے۔ خاص کر مثبت تفریحی سرگرمیوں اور سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے بچے معاشرے میں موجود مختلف قسم کی منفی تفریحی سہولتات دینے والے اداروں کا رخ کرتے ہیں جن میں انٹرنیٹ کلب، بلئیرڈ کلب، وڈیو گیمز سنٹر وغیرہ جہاں جا کر یہ بچے ذہنی اور جذباتی تسکین حاصل کرتے ہیں۔

12- کیبل، انٹرنیٹ، سینما کی غیر معیاری فلمیں

عریانی، لاقانونیت، قتل، چوری، ڈکیتی، بے راہ روی والے مناظر والی فلمیں بچے جب کیبل ٹی وی، سینما یا انٹرنیٹ کی توسط سے دیکھتے ہیں تو یہ بچے ایسے مناظر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور خود بھی ایسے ہی جرائم کرنے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ وہ شراب پینے، لڑکیوں سے پرس چھیننے ان کو تنگ کرنے کو فیشن خیال کرتے ہیں اور آخر کار وہ وادی جرم کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں اور مجرم گردانے جاتے ہیں۔

مجرم بچوں کی اصلاح کیلئے اقدامات

بگڑے ہوئے بچوں کی اصلاح کے لیے معاشرہ کے علاوہ دو مزید ادارے کارگر ثابت ہوئے ہیں اور ان دونوں کی مشترکہ کوششوں اور تعاون ہی سے ان کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

(1) گھر (2) مدرسہ

1- گھر کا کردار

ہمارے ہاں والدین بچوں کی نفسیات سے واقف نہیں ہوتے۔ وہ نہ تو بچوں کو بگڑنے سے روک سکتے ہیں اور نہ بگڑے ہوئے بچوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ وہ پیار، محبت اور نفرت میں توازن نہیں رکھ سکتے جس کی وجہ سے بچے بے راہ رو ہو جاتے ہیں اور بالآخر جرائم کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ جرائم کی روک تھام کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

مدرسے جانے سے پہلے بچے کی تعلیم و تربیت والدین کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس دوران میں ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں بچوں کے اخلاق اور جذباتی کردار کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ والدین کو ان کی جذباتی اور اخلاقی تعلیم کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے ساتھ مناسب سلوک روا رکھیں، نہ بے جا سختی کی جائے اور نہ زیادہ لاڈ پیار تاکہ ان کی جذباتی زندگی میں توازن پیدا ہو۔ علاوہ ازیں والدین کو اعلٰے اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ بچے ان کے کردار کی پیروی کرتے ہوئے اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک بنیں۔

2- مدرسہ کا کردار

جب بچہ مدرسے جاتا ہے تو والدین کے ساتھ اساتذہ بھی اس کی تعلیم و تربیت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اساتذہ کو بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بہت محتاط رہنے

کی ضرورت ہے۔ان کے لیے بچوں کی نفسیات سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے اساتذہ مناسب محبت وشفقت، ہمدردانہ برتاؤ اور تحمل کے جذبات سے کام لے کر بچوں کی جسمانی ذہنی اور جذباتی نشوونما بخوبی کر سکتے ہیں۔استاد کی زندگی اور قول وفعل سے بچے بہت اثر لیتے ہیں۔اس لیے استاد اپنے ارفع واعلیٰ کردار سے ان کی ذہنی صحت میں توازن پیدا کرسکتا ہے۔سمعی وبصری معاونات (Audio Visual Aids) کا استعمال کرتے ہوئے استاد تدریس کو موثر اور دلچسپ بنا سکتا ہے۔جس سے تعلیم بچوں کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ بن جاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ بچوں کو مختلف تفریحی مشاغل اور مختلف قسم کی تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف رکھ کران کے خیالات اور جذبات کو اِدھراُدھر بھٹکنے سے بچاسکتے ہیں۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کرداروں کے ذریعے مجرم بچوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے:

سوشل ورکر کا کردار

مجرم بچوں کے گھریلوں ماحول کا مکمل جائزہ لینے کے لیے معاشرتی یا سماجی کارکن مقرر کرنے چاہئیں۔جو بچوں کو مجرمانہ اقدامات سے باز رہنے کیلئے مناسب راہنمائی دیں۔

ماہرین نفسیات کا کردار

مجرم کا ذہنی تجزیہ کرنے اور اس کی ذہنی الجھنوں کا کھوج لگانے کے لیے ماہر نفسیات اور اس کے علاج کے لیے تجربہ کار ڈاکٹر مقرر کیے جائیں۔

نفسیاتی شفاخانے

مجرم ایک نفسیاتی مریض ہوتا ہے۔اس کے بیمار ذہن کا مناسب علاج کرنا چاہیے۔محض سزا دینے سے اس کے جرم کا تدارک نہیں ہوسکتا۔علاوہ ازیں اس کے مناسب علاج معالجے کے لیے نفسیاتی شفاخانے ہونے چاہئیں۔جن میں معاشرتی کارکن، ڈاکٹر اور ماہرین نفسیات ہونے چاہئیں۔مجرم بچے کے علاج کے بعد بھی مناسب نگرانی رکھنی چاہئے تاکہ وہ پھر جرم کی طرف نہ لوٹ جائیں۔

مذہبی تعلیم کو عام کرنا

مذہب کا بنیادی موضوع انسان ہے اور ہر مذہب انسان کی فلاح چاہتا ہے لہٰذا مذہب افراد کو ان کے افعال کے حوالے سے مناسب راہنمائی عطا کرتا ہے۔ ان کو گناہ، ثواب، نیکی، برائی، اچھے اور برے میں تمیز سکھاتا ہے۔ کم سنی کے جرائم کو کم کرنے کا یہ بہترین حل ہے کہ مذہبی تعلیم کو عام کیا جائے۔ اس میں علماء، صوفیاء، مشائخ کا کردار انتہائی اہم ہے ان کے موثر کردار کی اشد ضرورت ہے۔

اہم سوالات

1- سماجی مسئلہ سے کیا مراد ہے نیز مختلف سماجی مسائل کی عمومی وجوہات بیان کریں؟
2- پاکستان کے بڑے بڑے سماجی مسائل اور برائیاں کونسی ہیں؟
3- منشیات کے استعمال کی وجوہات بیان کریں؟
4- گداگری اور ناخواندگی کی وجوہات بیان کریں؟
5- کمسنی کے جرائم اور ان کی وجوہات بیان کریں؟
6- جرم کی وجوہات اور تدارک کے لئے اقدامات تجویز کریں؟

□......□

سوشل ورک

بی اے (پارٹ-I)

پروفیسر سلمان بشیر ناگی

آپ کے ہاتھ میں یہ کتاب
ان شاء اللہ
آپ کے علم میں اضافہ کا باعث بنے گی۔
آپ معاشرہ کے عمومی اور حقیقی مفہوم سے
آگاہ ہوں گے۔
اس کے علاوہ
ثقافت کا تصور واضح ہوگا۔
سماجی تبدیلی کیسے وقوع پذیر ہوتی ہے۔
ہمارے معاشرے کے مسائل کون سے ہیں
اور ہم ان کو کیسے حل کر سکتے ہیں۔
خاندان کیا ہے؟
اس کی اقسام کون سی ہیں
اور فرد کی زندگی میں
سماجی اداروں کی کیا اہمیت ہے۔

پروفیسر سلمان بشیر ناگی
گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ
0333-8118366

اسٹاکسٹ

فضل بک ڈپو
اردو بازار گوجرانوالہ
فون: 4230645

شاپنگ سنٹر
مین مارکیٹ سیٹلائٹ ٹاؤن
گوجرانوالہ فون: 3840735

علمی بک ہاؤس
38- اُردو بازار لاہور
فون: 7120118